

تذکرہ رفتگاں

محدث جلیل حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی دامت فیوضہم کی سوز و غم
میں ڈوبی ہوئی اُن تحریروں کا مجموعہ جن کو انہوں نے اپنے اساتذہ، احباب،
معاصرین اور دیگر مشاہیر کی رحلت پر لکھا ہے۔

مؤلف

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی

ناشر

مركز الشيخ أبي الحسن الندوي
جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ یو۔ پی (انڈیا)

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب:	تذکرہ رفتگاں
مؤلف:	حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی
ترتیب:	محمد انس معروفی
صفحات:	۴۳۴
ناشر:	مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی، مظفر پور اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا
سن اشاعت:	۱۴۴۱ھ ۲۰۲۰ء

ملنے کے پتے:

- (۱) جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ یوپی (9450876465)
- (۲) نعیمیہ بک ڈپو، دیوبند (01336-223294)
- (۳) مکتبہ الشباب العلمیہ لکھنؤ (9696437283)

بس اب تو عدم میں ملاقات ہوگی
یہ کہتے گئے رفتگاں چلتے چلتے



فہرست عناوین

نمبر شمار	اسمائے گرامی	تاریخ وفات	صفحہ
۱	مقدمہ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی		۱۱
۲	حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ	۲۴ مئی ۱۹۸۲ء	۱۳
۳	حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ	۳۱ اپریل ۱۹۶۵ء	۴۸
۴	حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ	۲۹ اکتوبر ۱۹۶۵ء	۵۷
۵	مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ	۱۵ نومبر ۱۹۶۷ء	۵۹
۶	مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ	۱۳ دسمبر ۱۹۷۷ء	۶۲
۷	حضرت عبدالرب صوفی	۷ فروری ۱۹۷۵ء	۶۶
۸	حضرت مولانا محمد اویس نگرانیؒ	۲۶ اگست ۱۹۷۶ء	۷۰
۹	حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ	۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء	۷۸
۱۰	مولانا محمد الحسنیؒ	۱۳ جون ۱۹۷۹ء	۹۳
۱۱	مولانا محمد ثانی حسنیؒ	۱۷ فروری ۱۹۸۲ء	۱۰۳
۱۲	حضرت مولانا عمران خان صاحب	۱۸ اکتوبر ۱۹۸۶ء	۱۰۸
۱۳	جناب سید صباح الدین عبدالرحمنؒ کا سانحہ ارتحال	۱۸ نومبر ۱۹۸۷ء	۱۱۰
۱۴	ایک مخلص بندہ حاجی علاء الدین مرحوم	۹ جون ۱۹۸۸ء	۱۱۲

نمبر شمار	اسمائے گرامی	تاریخ وفات	صفحہ
۱۵	حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب کاسانچہ وفات	۱۲/ نومبر ۱۹۹۲ء	۱۱۹
۱۶	محترم مولانا محبت اللہ لاری ندوی	۱۹/ نومبر ۱۹۹۳ء	۱۲۰
۱۷	حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی	۱۰/ جون ۱۹۹۵ء	۱۲۴
۱۸	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی	۱۴۱۷ھ ۱۹۹۷ء	۱۳۴
۱۹	حضرت مولانا قاری صدیق صاحب	۲۸/ اگست ۱۹۹۷ء	۱۴۳
۲۰	حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب	۲۷/ اپریل ۱۹۹۹ء	۱۴۹
۲۱	محترم مولانا معین اللہ ندوی	۲۲/ اگست ۱۹۹۹ء	۱۵۸
۲۲	والدہ صاحبہ	۸/ دسمبر ۱۹۹۹ء	۱۶۹
۲۳	مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں	۳۱/ دسمبر ۱۹۹۹ء	۱۷۴
۲۴	مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں، عالمی ایوارڈ کی مناسبت سے دینی کا سفر		۱۹۵
۲۵	مولانا محمد طاہر منصور پوری	۹/ شوال ۱۴۲۲ھ	۲۰۲
۲۶	مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب	۴/ اپریل ۲۰۰۲ء	۲۰۹
۲۷	مولوی مسعود خان	۴/ جولائی ۲۰۰۲ء	۲۱۲
۲۸	آہ! ڈاکٹر اشتیاق احمد قریشی	۲۶/ اگست ۲۰۰۳ء	۲۱۷
۲۹	مولانا محمد رضوان قاسمی	۱۱/ اکتوبر ۲۰۰۴ء	۲۱۹
۳۰	حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب	۱۶/ مئی ۲۰۰۵ء	۲۲۱

نمبر شمار	اسمائے گرامی	تاریخ وفات	صفحہ
۳۱	حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی	۱۳ مئی ۲۰۰۶ء	۲۲۸
۳۲	عالم مکہ مکرمہ شیخ علوی مالکی	۲۹ اکتوبر ۲۰۰۴ء	۲۳۱
۳۳	عزیز گرامی قاری اختر عالم مظاہری	۲۵ اگست ۲۰۰۵ء	۲۳۴
۳۴	حضرت قاری امیر حسن صاحب	۲ مارچ ۲۰۱۲ء	۲۳۹
۳۵	چچا محترم حاجی عبدالرشید	۹ جون ۲۰۱۲ء	۲۴۲
۳۶	میری اہلیہ محترمہ کاسا نچہ ارتحال	۲۸ اکتوبر ۲۰۱۲ء	۲۴۴
۳۷	عالم ربانی مولانا عبدالرحیم متالا	دسمبر ۲۰۱۲ء	۲۵۰
۳۸	آہ! مولانا سید عبداللہ محمد الحسنی ندوی	۳۱ جنوری ۲۰۱۳ء	۲۵۸
۳۹	فاضل گرامی مولانا اعجاز احمد اعظمی	۲۹ ستمبر ۲۰۱۳ء	۲۶۲
۴۰	مولانا احتشام الدین صاحب	۳ مئی ۲۰۱۶ء	۲۶۴
۴۱	حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب	۱۵ جنوری ۲۰۱۷ء	۲۶۷
۴۲	عالم ربانی حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی	۱۷ جنوری ۲۰۱۷ء	۲۷۱
۴۳	حضرت مولانا شاہ سعید مجددی	۳۰ مارچ ۲۰۱۷ء	۲۸۳
۴۴	حضرت مولانا محمد یونس جون پوری	۱۱ جولائی ۲۰۱۷ء	۲۸۵
۴۵	آہ! مولانا اسماعیل بدات	۱۱ جولائی ۲۰۱۷ء	۲۹۴
۴۶	آہ! جناب مفتی عبداللہ پھولپوری	۳۰ نومبر ۲۰۱۷ء	۳۰۱
۴۷	حضرت مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی	۲۰ دسمبر ۲۰۱۷ء	۳۰۷

نمبر شمار	اسمائے گرامی	تاریخ وفات	صفحہ
۴۸	حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی کی رحلت	۱۴/ اپریل ۲۰۱۸ء	۳۱۱
۴۹	عزیزی مولانا محمد غزالی کا سانحہ ارتحال	۶ جون ۲۰۱۸ء	۳۱۷
۵۰	فخر گجرات جناب مولانا عبداللہ صاحب کا پودروی	۳ جولائی ۲۰۱۸ء	۳۱۹
۵۱	محترم جناب مولانا عمار احمد صاحب	۱۸ اکتوبر ۲۰۱۸ء	۳۳۲
۵۲	پیغام تعزیت بروفات مولانا محمد واضح رشید حسنی	۱۶ جنوری ۲۰۱۹ء	۳۳۷
۵۳	ایک عالم ربانی مفکر ملت کی رحلت	۱۶ جنوری ۲۰۱۹ء	۳۴۱
۵۴	عالم ربانی حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کا ندھلوی	۲ اگست ۲۰۱۹ء	۳۵۳
۵۵	عالم ربانی حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب	۹ ستمبر ۲۰۱۹ء	۳۵۸
۵۶	آہ! محترم قاری مشتاق احمد صاحب	۱۲ اکتوبر ۲۰۱۹ء	۳۶۲
۵۷	جناب مولانا مرزا شفاق احمد اصلاحی	۲۸ اکتوبر ۲۰۱۹ء	۳۶۶
۵۸	میرے چھوٹے بھائی زبیر احمد کا سانحہ ارتحال	یکم دسمبر ۲۰۱۹ء	۳۶۸
۵۹	مولانا حبیب اللہ قربان مظاہری کا سانحہ ارتحال	۱۴ مارچ ۲۰۲۰ء	۳۷۲
۶۰	حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری	۱۹ مئی ۲۰۲۰ء	۳۷۴
۶۱	آہ! مولوی عبداللہ علاء الدین ندوی	۱۵ جولائی ۲۰۲۰ء	۳۸۳
۶۲	مولانا محمد سلمان مظاہری کی رحلت	۲۰ جولائی ۲۰۲۰ء	۳۸۶
۶۳	چند اہم تعزیتی خطوط		۳۹۷
۶۴	حضرت مولانا اسعد مدنی کے انتقال پر پیغام تعزیت	۶ فروری ۲۰۲۱ء	۳۹۹

نمبر شمار	اسمائے گرامی	تاریخ وفات	صفحہ
۶۵	حضرت مولانا مرغوب الرحمنؒ کے ارتحال پر پیغام تعزیت	۸/ دسمبر ۲۰۱۰ء	۴۰۱
۶۶	مولانا عبداللہ عباس ندوی کے انتقال پر نامہ تعزیت	یکم جنوری ۲۰۰۶ء	۴۰۴
۶۷	حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ کے ارتحال پر تعزیت	۲۶/ اپریل ۲۰۰۸ء	۴۰۷
۶۸	حضرت مولانا سید نظام الدین کے انتقال پر تعزیتی خط	۱۷/ اکتوبر ۲۰۱۵ء	۴۱۰
۶۹	نامہ تعزیت بروفات حضرت مولانا عبدالحق اعظمی	۳۰/ دسمبر ۲۰۱۶ء	۴۱۳
۷۰	حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی کے ارتحال پر تعزیت	یکم جون ۲۰۱۹ء	۴۱۶
۷۱	مولانا برہان الدین سنبھلی کے انتقال پر تعزیتی خط	۱۷/ جنوری ۲۰۲۰ء	۴۱۹
۷۲	مولانا معاذ اشرف رشادی کے انتقال پر تعزیتی خط	۱۷/ اگست ۲۰۱۹ء	۴۲۱
۷۳	محدث جلیل حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مختصر تعارفی خاکہ		۴۲۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

یہ ناچیز اپنے استاذ و مربی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کی وفات ۱۴۰۲ھ پر اپنے رنج و غم کی کہانی رسالہ ”الفرقان“ میں شائع کرائی، اس کے بعد اپنے جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ کے رسالہ ”الشارق“ کے صفحات پر ہر اس شخصیت کی وفات پر جس کا اس ناچیز سے خصوصی تعلق رہا ہے، یا میری والدہ محترمہ کی وفات جس سے سوز و گداز سے بھرے ہوئے دل نے محبت کے آنسو پیش کئے، اسی طریقے سے میرے چچا جان جو بمنزلہ میرے والد کے تھے ۹ جون ۲۰۱۲ء میں ان کے سانحہ وفات نے قلب و جگر کو پاش پاش کر دیا، لیکن ۱۱ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ کو میری رفیقہ حیات کے انتقال نے ذاتی رنج کا گہرا زخم لگایا، جن کا ذکر اس ”تذکرہ رفتگاں“ میں آئے گا، اس میں بہت سے علماء، بزرگان دین، میرے بہت سے احباب و دوست جو اس دار فانی سے رخصت ہوئے ان پر اپنے رنج و غم کا اظہار کیا گیا ہے۔

”تذکرہ رفتگاں“ کو اس وقت شائع کیا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو مفید و نافع بنائے، زندگی کے فنا ہونے کا اس ناچیز اور قارئین کو استحضار نصیب فرمائے۔

ہمارے استاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ سے جب بخاری شریف وغیرہ پڑھ کر واپسی ہو رہی تھی، ایک ہی نصیحت فرمائی تھی: ”پیارے!

جو بھی کام کرنا، اس میں آخرت پیش نظر ہو۔

اللہ تعالیٰ اس ناپیز کو اس کی توفیق عطا فرمائے، ہماری آل اولاد، دوست احباب جو بھی اسے پڑھیں، انہیں بھی اللہ تعالیٰ آخرت کی فکر نصیب فرمائے۔

ع غم امروز مٹا کر غم فردا دے

باقی رہنے والے صرف اعمال صالحہ ہیں۔

ہرگز نہ میرا نکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

(حضرت مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی ۲۸/جون ۲۰۲۰ء

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ

(۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء - ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء)

محفلِ دوشیں کا وہ چراغِ سحر جو کئی سال سے ضعف و مرض کے جھونکوں سے بُجھ
 بُجھ کر سنبھل جاتا تھا، بالآخر ۲۴ مئی ۱۹۸۲ء (۱) کو ہمیشہ کے لیے بُجھ گیا۔
 نہ سمجھے تھے کہ اس جانِ جہاں سے یوں جدا ہوں گے
 یہ سنتے گو چلے آئے تھے اک دن جان ہے جانی
 دریغا! کہ علم و عمل، فضل و کمال، ایمان و معرفت اور زہد و ورع کا وہ مہر تاباں غروب
 ہو گیا، جس کی ضیاءِ پاشیوں سے نصف صدی سے زائد عرصہ تک ایک عالم منور ہوتا رہا، آہ!
 وہ چشمہٴ علم اور منبعِ تزکیہ و ہدایت خشک ہو گیا، جس سے ایک دنیا سیراب ہوئی۔
 واسفأ! کہ وہ گنجِ گراں مایہ ہم سے جدا ہو گیا جو تا عمر اپنی تحریر و تقریر سے
 حقائقِ ایمانی، دقائقِ حدیث، اسرارِ احسانی اور رموزِ حکمتِ ربانی کے موتی لٹاتا رہا، یعنی
 امامِ دوراں محدثِ عصر حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ
 ہزاروں لاکھوں قلوب کو سوگوار و حزیں چھوڑ کر راہی عالمِ بقا ہوئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ
 (۱) موافق ۲ شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ بروز دوشنبہ بعد العصر، ہندوستان میں یکم شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ۔

راجعون، ابھی اس عظیم سانحہ کا غم بالکل تازہ ہے، حضرت کی یاد سے یارائے ضبط باقی نہیں رہتا، اس لیے ناچیز کے قلب میں ابھی یہ ہمت نہیں تھی کہ اپنے دل کے نالہ و شیون کو سپرد قلم کر سکے، مگر اپنے مخدومین کے حکم کی تعمیل میں یہ مضمون پیش خدمت ہے۔

در ایں آشوبِ غم عذرم بنہ گر نالہ زن گریم

جہانے را جگر خوں شد ہمیں تنہا نہ من گریم

بلاشبہ حضرت اقدس کا سانحہ ارتحال اس دور کا ایک عظیم ترین حادثہ ہے، آپ کی ذات درحقیقت بڑی جامع الکمالات، متنوع الصفات اور شریعت و طریقت کا مجمع البحرین تھی، وہ اپنے اکابر و مشائخ کی طویل روحانی روایات اور علمی نسبتوں کے حامل و امین تھے، ان کی دوکان سے عشق و محبت کا سودا بکا کرتا تھا، ہزاروں تشنگانِ علم نے ان کے منبعِ فضل و کمال سے اپنی علمی تشنگی فرو کی، لاکھوں گم گشتگانِ راہ نے اس قدیلِ فروزاں سے منزلِ حقیقی کا پتہ پایا، حضرت شیخ الحدیث کا فیضانِ ایشیا و یورپ اور مشرق و مغرب کی جغرافیائی حدود سے بلند ہو کر عالمگیریت اختیار کر گیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ حضرت کے عظیم النظرِ کمالات اور نادر صفات کا احاطہ و استقصاء کرنا ایک مضمون میں ناممکن ہے، اس کے لیے ضخیم دفاتر بھی اپنی تنگ دامانی کا شکوہ کرتے نظر آئیں گے، جس کے کچھ جلوے ”الفرقان“ کی خصوصی اشاعت میں ملاحظہ فرمائے جاسکتے ہیں۔

راقم السطور اپنے اس مضمون میں حضرت کی زندگی کے صرف اس گوشہ کو بیان کرنا چاہتا ہے جس کے باعث زبانِ خلق نے نقارہٴ خدا بن کر انھیں ”شیخ الحدیث“ کا

لقب و خطاب عطا کیا، اور پھر یہ لقب ان کے اصل نام کا لازمی جز اور اس کی علامت بن کر رہ گیا، بلکہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ حضرت کا حقیقی اسم گرامی ”شیخ الحدیث“ کے لقب کی عمومیت میں گم ہو گیا تھا، ان کا سینہ عشق رسولؐ کی آتش سوزاں کی آماجگاہ تھا اور علم حدیث سے آپ کا والہانہ شغف اور اس کی نکتہ آفرینی میں غیر معمولی انہماک اس عشق رسولؐ کا طبعی نتیجہ تھا، ہزاروں دلوں نے اس حرارت سے اکتساب فیض کیا، آپ نے جو گرانقدر علمی کارہائے نمایاں انجام دیئے اس کی نظیر کم از کم قرونِ متاخرہ میں مفقود ہے اور بلاشبہ گنبد افلاک آپ کے گوناگوں وہمہ جہت کارناموں سے رہتی دنیا تک گونجتا رہے گا۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

ہندوستان میں علم حدیث حضرت شاہ ولی اللہ کے بعد:

تاریخی حقائق شاہدِ عدل ہیں کہ آغازِ اسلام کے ساتھ ہی سرزمین ہند قال اللہ و قال الرسولؐ کے سرمدی نغموں سے معمور ہو گئی تھی، ہر عصر و عہد میں محدثین کرام کی ایک جماعت اس ملک میں وارد ہوئی اور بساطِ درس حدیث آراستہ کی، علم حدیث کی ترویج و اشاعت اور تدریس و تصنیف کا جو غلغلہ ہندوستان میں بلند ہوا اس کی نظیر دوسرے بلادِ اسلامیہ میں نہیں ملتی، خاص طور پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۱۱ھ) اور ان کے نامور خانوادے نے ہندوستان میں علم حدیث کے منارہ کو رفعت میں رشکِ فلک بنا دیا تھا، ان ہی کے ذریعہ اس ملک میں صحاح ستہ کی تدریس کا

رواج عام ہوا، حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے درس و تصانیف کے ذریعہ تفقہ فی الحدیث اور شریعت کے اسرار و حکم کا ایک نیا باب و اکیا، انھوں نے مذاہب فقہاء کی ادلہ احادیث پر عمیق نظر ڈالی اور اپنے نورِ باطن سے فقہاء کا طریقہ پسند کیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشد تلامذہ میں آپ کے فرزند اکبر سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (متوفی ۱۲۳۹ھ) کے فیضانِ درس سے اکابر محدثین کی ایک بڑی جماعت تیار ہو کر نکلی جن میں سب سے زیادہ شہرت و امتیاز خود آپ کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق مہاجر کی (متوفی ۱۲۶۲ھ) کو حاصل ہوا ان کی ذات اپنے عہد میں علمِ حدیث کا سب سے بڑا مرجع و مرکز تھی، اکنافِ عالم کے تشنگانِ علم نے ان کے در پر حاضر ہو کر کسبِ فیض کیا، نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالمِ اسلام میں ان کی نظیر اس عہد میں شاید ہی مل سکے ان کے ممتاز و سرِ فہرست تلامذہ میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ (متوفی ۱۲۹۶ھ) مہاجر مدنی کا نام نمایاں ہے جن کے درسِ حدیث سے ہندوستان اور حرمین شریفین کے علماء کی ایک بڑی جماعت تیار ہوئی اور ہندوستان کی پوری علمی فضا حدیث کے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف سے معمور ہو گئی، ان کے سرِ آمد روز گار تلامذہ میں حجتہ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ) اور قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (متوفی ۱۳۲۳ھ) کے نام خصوصیت کے ساتھ لائقِ ذکر ہیں حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے اپنے وطن گنگوہ کو تربیت و اصلاح اور درس و تدریس و افتاء کا مرکز بنایا آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ (م ۱۳۳۴ھ) ہیں جن کے

سبب دنیا نے حضرت کے عہد آخر کے دور حدیث کی بہار دیکھی، حضرت امام ربانی تن تنہا صحاح ستہ کا درس دیتے تھے اور اس میں ضبط و اتقان اور تحقیقات نادرہ کے موتی بکھیرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد تکی نے حضرت کے درس کے افادات عربی زبان میں قلمبند کئے تھے جو درحقیقت حضرت کے عمیق و وسیع مطالعہ اور طویل عرصہ کے درس کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں، یہی حضرت مولانا محمد تکی ہمارے استاذ و مرشد مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے والد بزرگوار ہیں۔

حضرت شیخ کی تعلیم حدیث کا آغاز:

حضرت شیخ الحدیث سب سے پہلے حفظ قرآن کی دولت سے مالا مال ہوئے، پھر درسیات کی اکثر متداول کتب سے فراغت کے بعد اپنے والد بزرگوار سے ”مشکوٰۃ شریف“ پڑھنے کا آغاز کیا، یہی نورانی و روحانی نقطہ آغاز درحقیقت حضرت شیخ کی زندگی کی وہ ساعت ہمایونی تھی جس نے تاحیات انہیں علم حدیث کی نکتہ آفرینی اور دقیقہ رسی میں منہمک رکھا۔ حضرت شیخ اپنے آغاز مشکوٰۃ کا قصہ خود ہی بیان فرماتے ہیں کہ:

”۷/ محرم ۱۳۳۲ھ کو ظہر کی نماز کے بعد میری مشکوٰۃ شریف شروع ہوئی، والد صاحب نے خود ہی ظہر کی امامت بھی کی تھی کہ اس زمانہ میں نماز وہی پڑھاتے تھے نماز کے بعد غسل فرمایا اور دو رکعت نماز نفل پڑھی، پھر میری طرف متوجہ ہو کر مشکوٰۃ شریف کی بسم اللہ اور خطبہ مجھ سے پڑھوایا، پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر پندرہ یا بیس منٹ تک بہت دعائیں مانگیں مجھے نہیں معلوم کہ کیا دعائیں مانگیں لیکن میں ان کی معیت میں اس

وقت صرف ایک ہی دعا کرتا رہا کہ یا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر میں شروع ہوا ہے اسے مرنے تک میرے ساتھ وابستہ رکھئے، اللہ جل شانہ نے میری ناپاکیوں، گندگیوں اور سینات کے باوجود ایسی قبولیت عطا فرمائی کہ ۱۳۳۲ھ سے ۱۳۹۰ھ تک اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا جس میں حدیث پاک کا مشغلہ نہ رہا ہو۔

حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ اس دعا کے وقت میں سوچ رہا تھا کہ یہ بات کیسے ممکن ہے اگر میں نے حدیث پڑھ بھی لی پھر مدرس بھی ہو گیا تو درس حدیث تک دس بارہ سال لگ جائیں گے بہت سے ایسے حضرات جو عرصہ سے مدرس ہو چکے تھے اس وقت تک مشکوٰۃ شریف تک نہیں پہنچ سکے تھے، مگر اللہ تعالیٰ بڑا مسبب الاسباب ہے وہ جب کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو اسباب خود ہی پیدا فرما دیتا ہے۔

دورہ حدیث:

حضرت شیخ کے دورہ حدیث کی ابتدا ۱۳۳۳ھ میں ہوئی، اسی سال حضرت سہارنپوریؒ اور حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہما نے طویل قیام کے ارادے سے حجاز مقدس کے سفر کا قصد فرمایا تھا، حضرت شیخ الحدیث فرماتے تھے کہ میرے ذہن میں یہ تھا کہ نہ مجھے کہیں ملازمت کرنی ہے اور نہ عجلت ہی ہے، ایک سال میں دورہ حدیث مکمل کرنے پر کوئی پابندی نہیں ابوداؤد شریف مولانا تکی صاحب کا خاص سبق تھا، اس لئے ان کے درس میں ابوداؤد شریف شروع کر دی، ترمذی شریف کو حضرت سہارنپوریؒ کی واپسی پر ملتوی رکھا، لیکن بعض اسباب کی بنا پر ابن ماجہ کے سوا تمام کتابیں اپنے والد مغفور سے

نہایت بحث و تحقیق کے ساتھ پڑھیں، اس کے بعد دوبارہ ۱۳۳۴ھ میں ان کتابوں کو حضرت شیخ نے اپنے استاذ و مرشد شیخ العرب والعجم مولانا خلیل احمد سہارنپوری (المتوفی ۱۳۴۶ھ) سے پڑھا، (ابن ماجہ کے ابتدائی حصہ کو پڑھ کر اجازت لی تھی)۔

اس طرح حضرت شیخ اپنے والد بزرگوار اور حضرت اقدس سہارنپوری، دونوں بزرگوں کے علوم و کمالات اور روحانیت کے سچے جانشین تھے، حضرت شیخ کے علمی کارناموں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ (۱) درس حدیث اور (۲) تالیف و تصنیف۔

۱ - تدریس حدیث:

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ کو مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں مدرس ہوئے اور بہت جلد اپنی خداداد صلاحیتوں اور استعداد کے باعث ترقی کر کے تدریس حدیث تک پہنچ گئے حضرت مولانا سہارنپوری کو علم حدیث سے ان کی مناسبت اور استعداد کا بخوبی اندازہ تھا۔ چنانچہ حضرت سہارنپوری کی خواہش تھی کہ حضرت شیخ حدیث کی کتابیں بھی پڑھائیں اس لئے انہوں نے ۱۳۴۱ھ میں بخاری شریف کے تین پارے (۱۳ تا ۱۵) کی تدریس حضرت شیخ کے ذمہ فرمادی، اور ایک سفر پر روانہ ہو گئے۔ واپسی پر تحقیق فرمائی کی پڑھانے لگے یا نہیں؟ اس پر معلوم ہوا کہ اکابر اساتذہ کی موجودگی میں پڑھانے سے تکلف ہے اور احتراز کر رہے ہیں، اس پر حضرت سہارنپوری ناراض ہوئے، چنانچہ حضرت شیخ الحدیث جو ابھی عمر کی ۲۶ روئیں

بہار میں تھے اور اس وقت تک مشکوٰۃ شریف بھی نہ پڑھائی تھی عجیب کشمکش اور پریشانی میں مبتلا ہو گئے اپنے استاذ و شیخ کی ناراضگی سے پریشان ہو کر عرض کیا۔

”حضرات! توبہ توبہ مجھے تو یہ خیال ہوا کہ مدرسہ کی بڑی بدنامی ہے، دوسرے مدارس والے کیا کہیں گے کہ ایک نو عمر لڑکے کو جس نے ابھی مشکوٰۃ بھی نہیں پڑھائی ہے بخاری دے دی ہے۔“

یہ سن کر حضرت سہارنپوریؒ نے بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ ارشاد فرمایا:

”نو عمر لڑکے کو میں ہی جانوں، دوسرے لوگ کیا جانیں اگر کوئی الزام دے گا تو مجھے دے گا تمہیں نہیں دیگا۔“

اس سوال و جواب کے بعد حضرت شیخ نے یہ درس حدیث قبول کر لیا اور پھر ”قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید“ کا حقیقی مشاہدہ ہوا، پورا تعلیمی سال اطمینان سے گزرا اور سب مطمئن رہے۔

اس کے بعد ماہ شوال ۱۳۴۱ھ سے مشکوٰۃ شریف کی تدریس بھی آپ کے سپرد ہوئی، ۱۳۴۵ھ میں مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں مدرسہ علوم شرعیہ میں بعض مغربی طلبہ کو ابوداؤد شریف بھی پڑھائی، حجاز مقدس سے واپسی پر ۱۸ صفر ۱۳۴۶ھ سے ابوداؤد شریف اور نسائی شریف کے اسباق آپ کے ذمہ منتقل ہو کر آئے تھے اسی کے ساتھ موطا امام محمد اور بخاری شریف کے آخری چار پاروں کی تدریس بھی آپ کے سپرد ہوئی، اس وقت سے ۱۳۵۵ھ تک مسلسل ابوداؤد شریف کا درس حضرت شیخ ہی کے ذمہ رہا، آپ کے درس

کی شہرت ابتدا سے ہندوستان کے عربی مدارس میں ہو گئی تھی اور نام کے بجائے ”شیخ الحدیث“ کے لقب سے مشہور عام ہوئے۔ یہ لقب دراصل حضرت سہارنپوری نے آپ کو عطا فرمایا تھا اپنے انتقال سے پیشتر حضرت سہارنپوری نے جو تحریر مدینہ منورہ سے مدرسہ مظاہر علوم کے نام ارسال کی تھی اس میں خصوصیت کے ساتھ اس بات کا ذکر تھا کہ حضرت شیخ کو حدیث سے جو مناسبت ہے وہ کسی اور کو نہیں، اس لئے انہیں کو مدرسہ کا شیخ الحدیث مقرر کیا جائے اور اگر کسی کو اس میں تردد ہو تو میں اپنی طرف سے ان کو شیخ الحدیث کا لقب دیتا ہوں۔

تقریباً ۳۵ سال تک سنن ابی داؤد اور بخاری جلد اول کا درس حضرت ہی کے ذمہ رہا، اس کے بعد ۱۳۷۳ھ سے ناظم مدرسہ مولانا عبداللطیف صاحب کے یہاں سے بخاری جلد ثانی بھی حضرت ہی کی طرف منتقل ہو گئی، لیکن ۱۳۷۵ھ سے صرف بخاری شریف ہی آپ کے ذمہ رہ گئی، اس طویل زمانہ تدریس میں حسب ضرورت حدیث کی بعض دوسری کتب مثلاً ترمذی، مسلم اور شمائل ترمذی وغیرہ بھی زیر درس رہیں، افسوس کہ ۱۳۸۸ھ سے آنکھوں میں نزول ماء (موتیا بند) کی شکایت کے باعث درس کا سلسلہ منقطع ہو گیا، مگر تالیف و تصنیف کا سلسلہ آخر آخر تک قائم و برقرار رہا۔

اسی طرح مسلسل احادیث کے درس کا بھی حضرت کے یہاں بڑا اہتمام تھا، ابتدا میں تو خصوصی طور پر بعض حضرات اجازت لیتے رہے، لیکن ۱۳۸۸ھ سے باضابطہ اس کا اہتمام ہونے لگا، اور کافی جم غفیر اس کی تحصیل کے لئے اکٹھا ہونے لگا، چنانچہ

۲۲ رجب ۱۳۹۰ھ کو ہندوستان کے مدارس عربیہ میں یہ خبر گونج اٹھی کی حضرت شیخ مسلسلّات حدیث پڑھائیں گے، اس موقع پر تقریباً ڈیڑھ ہزار کا مجمع ہو گیا جس میں ہندوستان کے بہت سے اساطین و مشاہیر اہل علم بھی شریک ہوئے۔
درس حدیث سے والہانہ شیفتگی:

حضرت شیخ جس انہماک و دلسوزی، نشاط و سرگرمی کے ساتھ حدیث کا درس دیا کرتے تھے اس کی صحیح مرقع کشی سے زبان و قلم قاصر ہیں، حقیقت یہ ہے کہ علم حدیث آپ کے لئے محض ایک علم اور فن کی حیثیت نہیں رکھتا تھا بلکہ یہ ان کا ذوق و حال بن گیا تھا اور ان کے جسم و جان اور رگ و ریشہ میں کچھ اس طرح رچ بس گیا تھا جیسے پھول میں خوشبو اور ستاروں میں روشنی ۔

شاخ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کا نم

ایک بار موسلا دھار بارش ہو رہی تھی، تمام سڑک پر گھٹنوں گھٹنوں پانی بھر رہا تھا، ناکارہ راقم سطور مدرسہ قدیم میں کتاب لیے ہوئے منتظر تھا کہ بارش کا زور کم ہو تو سبق میں حاضر ہو، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مرحوم ناظم مدرسہ مظاہر علوم اس وقت دفتر نظامت (جو مدرسہ قدیم میں واقع ہے) میں تشریف رکھتے تھے اس ناچیز نے ان سے دریافت کیا کہ کیا حضرت شیخ الحدیث آج بھی درس میں تشریف لے گئے ہوں گے؟ انھوں نے فرمایا کہ اس طوفانی بارش میں تو بظاہر مشکل ہی معلوم ہوتا ہے، باہر جا کر معلوم کر لو، چنانچہ میں نے مدرسہ کے دروازے پر آکر سائبان میں بیٹھے ہوئے پھل فروش

سے معلوم کیا، بارش کا زور برابر قائم تھا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت تو دیر ہوئی تشریف لے گئے، جب کہ حضرت کے مکان سے دارالحدیث کا خاصہ فاصلہ ہے، سڑک پر پانی بہہ رہا تھا، یہ کم ہمت بھی بجلت تمام دارالحدیث میں حاضر ہوا، وہاں بجلی غائب تھی اور اندھیرا اچھایا ہوا تھا مگر درس شروع ہو چکا تھا، ناچیز راقم سطور چپکے سے بیٹھ گیا کہ مبادا حضرت شیخ کی نظر پڑ جائے مگر آپ نے دیکھ لیا اور فرمایا، جانتے ہو کیسے آیا ہوں، اپنے مکان سے روانہ ہوا تو ایک ہاتھ میں بخاری شریف کا پارہ اور دوسرے ہاتھ میں چھتری تھی جوتے ہاتھ میں نہیں لے سکتا تھا، نصف راستہ تک آیا تو ایک رکشہ والا مل گیا اس نے باصرار مجھے رکشے پر سوار کر لیا اور یہاں پہنچانے کے بعد میرے پیروں اور پائجامہ کے نچلے حصہ کو دھو دیا، یہ ناکارہ سن کر پانی پانی ہو گیا۔

حضرت شیخ کا درس گرمی و سردی، صحت و بیماری اور بارش و آندھی تمام حالات میں اسی مستعدی و نشاط اور تازگی و پابندی کے ساتھ جاری رہتا تھا، دارالحدیث میں قدم رکھتے ہی عطر کی خوشبو سے مشام جاں معطر ہو جاتا تھا، ادب و احترام اور وقار و سکینت کی جو خاص کیفیت اس وقت پیدا ہو جاتی تھی اس کے بیان کے لئے راقم سطور ذخیرۃ الفاظ کو قاصر پاتا ہے، جو بھی تھوڑی دیر کے لئے مجلس میں بیٹھ جاتا یوں محسوس کرتا گویا ۔

بادِ صبا آج بہت مشک بار ہے

شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلفِ یار ہے

حضرت شیخ کا درس اپنے عہد میں اہم ترین خصوصیت کا حامل تھا، اس لئے ان

کے درس کی تقریر کو بہت سے علماء و فضلاء قلمبند کرنے کا اہتمام کرتے تھے، اس ناچیز راقم سطور نے بھی درس بخاری کی تقریر کو بہت اہتمام سے قلم بند کیا ہے، مولانا محمد شاہد صاحب نے حضرت شیخ کی مختلف تقاریر کو مرتب کیا ہے، مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم کی نظر ثانی کے بعد عرصہ ہوا، اس کے دو اجزاء کی طباعت ہو چکی ہے، اس کے شروع میں حضرت شیخ کے ایماء و حکم سے اس ناچیز کے قلم سے ایک مقدمہ بھی شامل ہے، جس میں حضرت کے درس کی امتیازی خصوصیات کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

حضرت شیخ کے درس کی خصوصیات:

(۱) حضرت شیخ کا درس عشق نبویؐ اور حب رسولؐ کا نمونہ ہوتا تھا، جس کیفیت و سوز و گداز سے آپ پڑھاتے تھے وہ قابل بیان ہے ۔
 زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
 کہ میرے نطق نے بو سے مری زباں کے لئے
 اس کا اثر پورے مجمع پر بہت غیر معمولی ہوتا تھا، کبھی آہ و بکا کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی جیسا کہ کسی نے اس طرح تصویر کشی کی ہے ۔

پھر پرسش جراحہ دل کو چلا ہے عشق
 سامان صد ہزار نمکداں لیے ہوئے
 خصوصاً حضرت شیخ جس وقت آنحضرت ﷺ کے مرض وفات کی حدیث پڑھا کرتے

تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے آج ہی یہ عظیم سانحہ پیش آیا ہے، اس وقت حضرت پر بے اختیار گریہ طاری ہو جاتا تھا، عبارت پڑھنی مشکل ہو جاتی، اور طلباء و سامعین پر آہ و بکا کا عالم ہوتا ۛ

الہی درد و غم کی سرزمین کا حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برسائی

(۲) حضرت شیخ کے درس میں تمام ائمہ سلف و مجتہدین اور محدثین کرام کے ساتھ نہایت ادب و عظمت کا معاملہ رہتا تھا، شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی سے بہت سے مواقع پر اختلاف فرماتے تھے..... اور ان کے بارے میں یہ بھی فرماتے کہ انھوں نے حنفیہ کو نظر انداز کر دیا ہے، حنفیہ کی دلیل سے اس طرح آنکھ بچا کر نکل گئے ہیں گویا انھیں اس کی خبر نہیں، حالانکہ کتاب میں بسا اوقات اسی راوی یا روایت کو اپنے مذاہب کی تائید میں دوسری جگہ نقل فرمایا ہے مگر یہ ایں ہمہ حافظ ابن حجر کا ہم حدیث پڑھنے پڑھانے والوں پر جتنا احسان ہے اور کسی کا نہیں، امام بخاری کا جہاں حنفیہ سے اختلاف ہوا ہے وہاں حد اعتدال کو قائم رکھنا بہت سے اہل علم کے لئے دشوار ہو جاتا ہے، مگر حضرت شیخ اس موقع پر عام طور پر امام بخاری کے اعتراض کا مدلل جواب دینے کے بعد ان کے اسم گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ فرماتے کہ ان کی عظمت شان اور جلالت قدر میں کسی طرح کمی واقع نہ ہو، خصوصاً کتاب الحیل و کتاب الإکراہ میں حضرت شیخ کے درس کا منظر آنکھوں کے سامنے ہے۔

(۳) بعض عربی الفاظ کا ترجمہ دشوار ہے، اس لئے کہ عربی کے مقابلہ میں اردو کا ذخیرہ الفاظ کوتاہ ہے، اور بسا اوقات ترجمہ میں دشواری ہوتی ہے، مگر حضرت شیخ اس طرح کے الفاظ کا اردو میں ایسا ترجمہ فرماتے کہ اس سے بہتر اردو زبان میں تعبیر ممکن نہیں ہے۔

(۴) نفس حدیث میں اگر کہیں مطلب میں دشواری ہوتی اور دیگر شرح بخاری نے بھی اس کو واضح نہیں فرمایا ہے بلکہ ان کی توجیہ و تشریح میں بھی الجھن باقی ہے تو اس کو خصوصیت کے ساتھ دور فرماتے، اگر اس طرح کی تمام نادر تحقیقات کو جمع کر دیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے، مثال کے طور پر ”باب القسامۃ“ بخاری جلد ثانی ص ۱۰۱۸ (طبع ہند) میں ”فقرنت یدہ بیدہ“ میں ضمیر کے مرجع اور کلام کے مطلب میں تمام شرح بلکہ حافظ ابن حجر تک سے وہم واقع ہوا ہے، حضرت شیخ اپنے درس میں ان اوہام کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے اور ضمیر کا مرجع و عبارت کا مطلب ایسا بیان فرماتے کہ ہر طرح تشفی ہو جاتی، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ (لامع الدراری ۱۰/۲۱۱)

(۵) اگر کتاب میں مؤلف یا کسی راوی سے کوئی وہم واقع ہوا ہے یا کسی راوی پر کسی نوع کا کلام ہے تو اس پر ضرور متنبہ فرماتے اور اس راوی و روایت کی حیثیت کو واضح فرماتے تھے، حافظ ابن حجر کی معرکہ الآرا کتاب ”تہذیب التہذیب“ پر حضرت شیخ کا مبسوط ذیل ہے، اگر وہ طبع ہو جاتا تو علمی دنیا خصوصاً احناف پر احسان عظیم ہوتا۔

(۶) مذاہب ائمہ کی تحقیق اور ان کے دلائل خصوصاً مسلک حنفی کے دلائل کو تفصیل سے بیان فرماتے، اگر کوئی روایت بظاہر حنفیہ کے مسلک کے خلاف نظر آتی تو اس کی

توجیہات اس طرح نقل فرماتے کہ مسلک حنفیہ اس حدیث سے اقرب نظر آنے لگتا۔
 (۷) اکثر اہم مسائل میں پہلے خلاصہ کے طور پر بیان فرمادیتے کہ اس میں ۱۵ یا ۱۰ بحثیں ہیں، پھر ان کی قدرے تفصیل و توضیح فرماتے، ان میں جن مسائل سے امام بخاری نے تعرض کیا ہے ان کی مزید تشریح فرماتے، رفع یدین، آمین بالجہر اور کسوف وغیرہ ابواب میں اسے دیکھا جاسکتا ہے۔

(۸) شروح حدیث اور محدثین کرام کے کلام کو بطور خلاصہ نہایت دل نشیں انداز میں بیان فرماتے، حضرت شیخ کی پوری تقریر مغز ہی ہوتی تھی، اگر کوئی شخص اصل کتاب سے حضرت کی تقریر ملا کر دیکھے گا تو وہ نمایاں طور پر محسوس کرے گا کہ ایک صفحہ کی بحث ایک سطر میں آگئی، اور بعض مواقع پر تو کوزہ میں دریا بند نظر آتا ہے۔

(۹) درمیان سبق میں خصوصاً سہ ماہی امتحان تک اپنے اکابر کے واقعات موقع و محل کی مناسبت سے سناتے تھے، بلاشبہ واقعات اصلاح و تربیت کے لئے بہت مؤثر ہوتے اس کا مقصد یہ ہوتا کہ طلباء اپنے مقام کو پہچان کر اس کتاب عظیم کو پڑھیں۔

کہاں میں کہاں یہ نکھت گل

نسیم صبح تری مہربانی

(۱۰) درس بخاری میں حضرت شیخ خصوصیت کے ساتھ تراجم ابواب کی شرح اور امام بخاری کے ترجمہ کی غرض کو تفصیل سے بیان فرماتے تھے، بعض تراجم پر تمام شروح بخاری خاموش ہیں مگر شیخ فرمایا کرتے تھے کہ امام موصوف کا کوئی ترجمہ دقت نظر اور باریک

بنی سے خالی نہیں ہے، مثلاً امام بخاری نے ایک ترجمۃ الباب قائم کیا ہے، ”باب الصلوۃ إلى الحربۃ“ یہاں تمام شروح ساکت ہیں، مگر حضرت شیخ کی نگاہ دور رس نے یہاں بھی بخاری کے شایان شان ایک دقیق نکتہ پیدا کیا اور اس لطیف توجیہ کو حضرت گنگوہی کے حوالے سے نقل فرمایا ہے جس کی تفصیل و تحقیق ”لامع الدرای“ اور اس کے حاشیہ میں موجود ہے، وہ یہ کہ چونکہ زمانہ جاہلیت میں بعض قبائل عرب ہتھیاروں اور اوزاروں کی پرستش کیا کرتے تھے اس لئے پیش نظر ترجمہ سے امام بخاری اس مسئلہ میں پیدا ہونے والے وہم کو دفع فرما کر اس کا اظہار فرما رہے ہیں کہ نیزہ کو سترہ بنانا جائز ہے۔

(۱۱) حل تراجم ابواب کے سلسلے میں اگر کوئی مسئلہ ایسا پیش آتا جس میں امام بخاری نے کسی مخصوص امام کے مسلک کو ترجیح دی ہے یا ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی اور امام کی رائے کو پسند فرمایا ہے یا وہ اپنی رائے میں منفرد ہیں تو حضرت شیخ اس کو امام بخاری کے دلائل کے ساتھ بیان فرماتے اور امام موصوف کے اعتراض کا مفصل جواب دیتے تھے۔

(۱۲) بخاری کے بعض تراجم بظاہر مکرر معلوم ہوتے ہیں، اگرچہ اتنی بڑی کتاب میں یہ عین ممکن ہے مگر امام موصوف کی دقت نظر اس امر کی متقاضی ہے کہ یہ تکرار کسی دقیق اور باریک نکتہ کے پیش نظر ہے چنانچہ حضرت شیخ اس پر طلباء کو خصوصیت کے ساتھ متنبہ فرماتے تھے اور ایسی شافی و تسلی بخش تقریر فرماتے کہ تکرار کا اشکال رفع ہو جاتا، مثلاً (۲۵۲/۱) ”باب من لم يتم السجود“ و ”باب من يدي ضبعيه ويجافي جنبه“ ہیں یہی دونوں ترجمے دوبارہ (۴۱۵/۱) پر بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ

آئے ہیں مگر حضرت شیخ نے ان کی تکرار کو اس طرح فرمایا ہے کہ دونوں مقامات پر تراجم ضروری معلوم ہوتے ہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”لامع الدراری“ یا ”کنز المتواری“۔

(۱۳) امام بخاری کو حدیث نبویؐ سے غیر معمولی عشق تھا اور عاشق صادق جب محبوب کے جمال پر نظر ڈالتا ہے تو ہر بار اسے ایک نئی کیفیت محسوس ہوتی ہے، امام موصوف کا بھی یہی حال ہے، بسا اوقات ایک ہی حدیث سے متعدد مسائل کا استنباط فرماتے ہیں، مثلاً حضرت بریرہ کی حدیث کو مختلف مقاصد کے لئے بیس مرتبہ سے زائد اور حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعہ کو دس مرتبہ سے زائد اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے اور ہر مرتبہ اس سے کوئی نئی بات مستنبط فرمائی ہے، اس پر حضرت خصوصیت سے طلباء کو متوجہ فرماتے۔

(۱۴) حدیث پاک کے بعض الفاظ اور جملے ایسے ہیں کہ ان کے صحیح معنی، لب و لہجہ اور صورت واقعہ کی مثالی صورت بنائے بغیر کچھ سمجھ میں نہیں آسکتے، اس لئے بھی علم حدیث کو کسی ماہر سے پڑھنا ضروری ہے، حضرت شیخ ان الفاظ اور جملوں کو اسی طرح پڑھ کر سناتے اور جہاں مثالی صورت بنانے کی ضرورت پیش آتی وہاں اس کی عملی صورت بھی خود کر کے دکھاتے، مثلاً بخاری جلد اول رقم الحدیث (۴۸۲) ”ووضع خدّہ الایمن علی ظہور کفہ الیسری و شبک بین أصابعہ“ کا مفہوم بغیر مثالی صورت بنائے ہوئے محض الفاظ سے ذہن نشین نہیں ہو سکتا، اس پر خصوصیت کے ساتھ عمل کر کے طلباء کو دکھاتے تھے۔

(۱۵) تاریخی واقعات کے سلسلہ میں بعض جگہوں پر روایات کے اختلاف و اضطراب کی بناء پر تطبیق میں بہت دشواری معلوم ہوتی ہے، حضرت شیخ اس اضطراب و اختلاف کو اس طرح دفع فرماتے کہ ہر طرح تشفی ہو جاتی۔ (ملاحظہ ہوا مع الدراری)

بذل المجهو دکی تالیف میں شرکت:

جیسا کہ سطور بالا میں مذکور ہوا، ۱۳۳۲ھ میں حضرت شیخ نے دورہ حدیث حضرت سہارن پوری سے دوبارہ پڑھنا شروع کیا، ابھی درس کے آغاز پر دو ہی مہینے گزرے تھے کہ ایک دن حضرت سہارن پوریؒ دارالطلباء سے مدرسہ قدیم آ رہے تھے اور حسب معمول حضرت شیخ ان کے ہمراہ تھے راستے میں اچانک ایک جگہ رک کر حضرت سہارن پوریؒ نے ارشاد فرمایا:

”ابوداؤد پر ہمیشہ میری کچھ لکھنے کی خواہش رہی تین بار شروع کر چکا ہوں مگر ہجوم مشاغل نے کچھ نہیں کرنے دیا، حضرت گنگوہی قدس سرہ کی حیات میں بار بار شروع کیا اور یہ جی چاہتا رہا کہ کسی طرح لکھ لوں اور اشکالات کو حضرت علیہ الرحمہ سے حل کر لوں گا، مگر حضرت کے وصال کے بعد یہ جذبہ سرد پڑ گیا، اس کے بعد پھر یہ خیال ہوا کہ ہمارے مولانا کی صاحب تو ابھی با حیات ہیں ان سے بحث و تحقیق میں استفادہ کرتا رہوں گا مگر ان کے ارتحال کے بعد اس خیال کو دل سے بالکل نکال دیا، اب عرصے کے بعد مجھے یہ خیال ہو رہا ہے کہ اگر تم دونوں میری مدد کرو تو شاید میں یہ کام کر لوں۔“

حضرت شیخ نے برجستہ جواب دیا کہ حضرت ضرور شروع کر دیں اور یہ میری دعا

کا اثر ہے دریافت فرمایا، کیسی دعا؟ حضرت شیخ نے اپنے مشکوٰۃ شروع کرتے وقت والی دعا کا ذکر کیا کہ ”یا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر سے شروع ہوا ہے یہ مجھ سے چھوٹے نہ پائے“ یہ واقعہ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کا ہے، حضرت سہارن پوری نے اسی وقت شروع حدیث کی ایک طویل فہرست بتادی اور انہیں کتب خانے سے حاصل کرنے کا حکم فرمایا۔

بلاشبہ یہ حضرت شیخ کے عروج و اقبال کا وہ آغاز تھا جس کے درجہ کمال تک آپ پہنچے اور اپنے شیخ و مرشد کی بارگاہ میں آپ کو وہ اہمیت و خصوصیت حاصل ہوئی جو پھر اور کسی کو نہیں ہو سکی، تالیف کا یہ طرز تھا کہ حضرت سہارن پوری شروع حدیث اور مآخذ کی نشان دہی فرماتے، حضرت شیخ ان کا مطالعہ کر کے اور متعلقہ مواد جمع کر کے حضرت سہارن پوری کی خدمت میں پیش کر دیتے وہ اس میں سے حسب ضرورت مواد منتخب و مرتب کر کے مصنفانہ حیثیت سے لکھواتے۔ تسوید و تحریر کا کام حضرت شیخ انجام دیتے، اسی طرح یہ عظیم الشان شرح پانچ ضخیم جلدوں میں تیار ہوئی اس محنت و کوشش نے آپ کے اندر تصنیف و تالیف کا خاص ذوق اور ملکہ پیدا کر دیا اور فن حدیث پر آپ کی نظر بہت گہری اور وسیع ہو گئی، پھر آپ نے اس کتاب کی طباعت و تصحیح میں بھی سعی بلیغ فرمائی جس کے باعث آپ کو اپنے استاذ و شیخ کی خوشنودی و اعتماد حاصل ہوا اور نامور استاذ علیہ الرحمہ نے بذل المجہود کے مقدمہ میں ”قرۃ عینی و قلبی“ کے القاب سے اپنے شاگرد رشید کو سرفراز کیا، بلکہ حضرت سہارن پوری نے تو اصل مسودہ میں یہاں تک لکھ دیا تھا ”ہو

جدیر بأن ینسب هذا التعليق إليه“ (کہ مناسب یہ ہے کہ اس تعلیق کی نسبت انہی کی طرف کی جائے) مگر حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ ان حوصلہ افزا کلمات کو میں نے ادباً حذف کر دیا۔

بذل المجہود کے عربی ٹائپ پر طباعت کا اہتمام:

بذل المجہود پانچ ضخیم جلدوں میں طبع ہو کر ہندوستان میں بہت عرصہ قبل مشہور و مقبول ہو چکی تھی مگر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی دلی تمنا تھی کہ اگر یہ شرح عالم عربی میں بھی پھیل جاتی تو اس کا نفع زیادہ عام ہو جاتا، اس طویل مدت میں حضرت شیخ نے اس پر جابجا حواشی بھی تحریر فرمائے تھے، جو بہت سے جدید اضافات پر مشتمل ہیں اس بات کی ضرورت تھی کہ ان تمام قیمتی حواشی کو سلیقے سے مرتب کر کے بذل المجہود کو عربی ٹائپ میں طبع کرایا جائے، اس سلسلہ میں حضرت شیخ اس ناچیز راقم السطور کو اپنے ایک شفقت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

”ایک ضروری مشورہ تم سے کرنا تھا وہ یہ کہ تم نے اپنے سابقہ خط میں بذل المجہود کی طباعت کے سلسلے میں کچھ لکھا تھا، تمہیں معلوم ہے کہ میں خود بیس پچیس سال سے بہت ہی متمنی اور کوشاں ہوں، اب تو علی میاں خدا ان کو بہت ہی جزائے خیر دے اور بلند درجات عطا فرمائے، اس میں معاونت کے لئے تیار ہیں، اس سے پھر ایک امنگ پیدا ہو گئی اور تمہارے خط نے ایک شعلہ سا پھر پیدا کر دیا، تم نے لکھا ہے کہ سال بھر تیرے پاس رہنے کا جی چاہتا ہے، اگر بذل المجہود کی طباعت کا ولولہ اور جذبہ نہ ہوتا تو میں ہرگز آپ کو

اس کی اجازت نہ دیتا کہ آپ تدریس حدیث چھوڑ کر یہاں قیام کریں یہ تو بہت نقصان دہ ہے البتہ اگر آپ یہاں کے قیام میں بذل المجہود کے میرے حواشی جو بہت کثرت سے ہیں آپ کے دیکھے ہوئے ہیں، ان کو انتخاب کر کے اور بذل کی طباعت ایک سال میں کرا دیں تو یقیناً آپ کے لئے بہت بڑا صدقہ جاریہ ہے۔“

حقیقت یہ ہے کہ بذل المجہود، اوجز المسالک اور دیگر کتب حدیث کی ٹائپ کے ذریعہ ندوہ پریس میں طباعت کا سب سے زیادہ اہتمام مولانا معین اللہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا تھا اس پر حضرت شیخ نے یہ تحریر فرمایا۔

”میرا خیال یہ ہے کہ اس کو ندوہ میں اپنے حواشی کے ساتھ طبع کراؤں مگر میرا خیال تمہارے خیال پر یہ ہوا کہ اس کو تم جیسا ذی علم یہاں رہ کر اس کی نقل و تصحیح کر کے مکمل کر کے ندوہ بھیجتے رہیں تو طباعت میں زیادہ سہولت ہو بس اس میں تمہارے مدرسہ اور شغل تدریس کے حرج کا زیادہ خیال ہے، اگرچہ بذل کی تکمیل کے لئے یہ ناکارہ خود ایک سال کی مدرسے سے چھٹی لے کر مدینہ منورہ جا چکا ہے۔“

اس کے بعد ایک اور خط میں تحریر فرمایا:

”مولانا علی میاں اور مولانا معین اللہ صاحب دونوں کے خطوط اسی مضمون کے آئے کہ مولوی تقی صاحب کا ایک سالہ قیام بہت مناسب ہے یقیناً بذل کے حاشیہ کی تصحیح ان سے اچھی کوئی نہیں کر سکتا۔“

چنانچہ اس ناچیز نے ۲۵ شعبان ۱۳۹۱ھ سے ایک سال تک سہارن پور حضرت

شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس قیام کر کے بذل کے حواشی کی ترتیب و تصحیح کا کام مکمل کیا، اور اس عرصہ میں بذل کی چھ جلدیں ندوہ پریس سے طبع ہوئیں، بعد میں اس کی طباعت قاہرہ سے طے ہوئی، اس لئے دوسرے سال ۲۶ شوال ۱۳۹۲ھ سے ایک سال تک بذل کی طباعت کے سلسلے میں قاہرہ میں قیام رہا اس طرح باقی چودہ جلدیں قاہرہ میں طبع ہو کر پوری کتاب بیس جلدوں میں شائع ہوئی، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس خاتمہ بالآخر پر نہایت غیر معمولی مسرت کا اظہار فرمایا اور اس کی مناسبت سے قاہرہ میں اہل علم کی دعوت کرنے کا حکم دیا چنانچہ تعمیل حکم میں مولانا عبداللطیف صاحب مکی نے قاہرہ میں ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا جس میں مصر کے مشہور محدث شیخ حافظ تیجانی کے علاوہ وہاں کے متعدد اہل علم نے شرکت فرمائی، مزید برآں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ میں بھی اس پر مسرت تقریب پر دعوت کا اہتمام فرمایا۔

خدا کا جس قدر شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ بذل الحجو د دوبارہ بیروت سے بھی فوٹو آفسٹ پر طبع ہو کر ذوق شناسان علم تک پہنچ چکی ہے، الحمد للہ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی دعا و توجہ کی برکت سے یہ کتاب سموالشیخ سلطان بن زاید آل نہیان رحمہ اللہ تعالیٰ نائب رئیس مجلس الوزراء بدولة الامارات کی عنایت سے دارالبشائر بیروت سے اس ناچیز کی تحقیق و تعلیق و تصویب کے بعد مع الفہارس (۱۴) جلدوں میں شائع ہوئی، اس کے بعد بیروت و مرکز الشیخ ابوالحسن ندوی اعظم گڑھ سے متعدد بار طبع ہو کر عالم میں پھیل رہی ہے۔

حضرت شیخ کے علمی کارناموں کی دوسری جولان گاہ تالیف و تصنیف تھی اس میں بھی انہوں نے اپنی انفرادیت کے جاوداں نقوش یادگار چھوڑے ہیں، ان کی تالیفات کو درج ذیل دو مختلف نوعیتوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) خالص دعوتی اور اصلاحی:

یہ کتابیں نہایت شیریں اور عام فہم اردو زبان میں تحریر کی گئی ہیں، یہ کتابیں اتنی مقبول عام ہوئیں کہ اس کی مثال ماضی قریب کی تاریخ میں مفقود ہے، ان کے لاتعداد ایڈیشن شائع ہوئے اور دنیا کی بکثرت زندہ زبانوں میں ان کے ترجمے ہوئے، آج شاید ہی کوئی دینی مسلم گھرانہ ایسا ہوگا جہاں حضرت شیخ کی اصلاحی اور فضائل کی کتابیں موجود نہ ہوں۔

(۲) خالص علمی اور تحقیقی:

اس نوعیت کی جن کتابوں کا تعلق علم حدیث سے ہے (اور یہی زیادہ ہیں) صرف انہی کا تذکرہ و تعارف پیش نظر مضمون میں ہدیہ خدمت ہے، سطور بالا میں اجمالی ذکر آچکا ہے کہ حضرت شیخ نے اس میدان میں بیحد کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، اسلامی کتب خانہ آج حضرت شیخ کی گراں قدر تالیفات سے مالا مال ہے۔ اہل علم اور حضرات مدرسین ان درہائے آبدار سے اپنے ذہن و دماغ اور سینہ و سفینہ کو روشن کرتے ہیں حضرت شیخ کی علمی کتابوں سے کچھ تو زیور طبع سے آراستہ ہو کر ذوق شناسان حدیث کے ہاتھوں میں ہیں اور کچھ تاہنوز منتظر طباعت ہیں۔

مطبوعہ تالیفات

(۱) أوجز المسالك إلى موطأ الإمام مالك:

اس کتاب کی تالیف کے وقت حضرت شیخ کی عمر صرف پچیس سال کی تھی۔

یکم رجب الاول ۱۳۴۵ھ کو آپ نے مسجد نبوی میں اقدام عالیہ کے قریب اس مبارک کام کا آغاز فرمایا اور اللہ عز وجل شانہ نے اس میں ایسی غیر معمولی برکت عطا فرمائی کہ چند ماہ کے اندر اتنا کام ہو گیا کہ ہندوستان میں کئی سال میں نہ ہو سکا تھا۔ ابواب الصلاة تک تحریری کام ہونے کے بعد واپسی عمل میں آئی اور پھر ہندوستان میں طویل وقفوں کے ساتھ یہ اہم علمی کام جاری رہا، تقریباً تیس سال کی دیدہ وری اور عرق ریزی کے بعد ۲۸ رذی الحجہ ۱۳۷۵ھ میں چھ ضخیم مجلدات میں اس کی تکمیل ہوئی، یہ کتاب عرصہ قبل ہندوستان میں طبع ہو کر مشہور عام ہو چکی تھی، شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ میں جب راقم سطور بذل المجہود کی طباعت کے سلسلے میں قاہرہ پہونچا تو محترم مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی نے اس کی دوبارہ طباعت کا آغاز کروادیا تھا، اور میرے وہاں قیام کے زمانہ تک ہماری زیر نگرانی دوسری جلد تک طبع ہو چکی تھی پھر بذل کی اہمیت کے پیش نظر اس کی طباعت کو مؤخر کر دیا گیا۔ بعد میں پندرہ جلدوں میں اس کی طباعت پایہ اتمام کو پہونچی، اور اب ہماری تحقیق و تعلیق کے ساتھ ابوظہبی سے اٹھارہ جلدوں میں چھپ کر مقبول خاص و عام ہو رہی ہیں۔

یہ کتاب، حدیث وفقہ کے اعتبار سے موطأ کی سب سے زیادہ جامع و مفصل

شرح ہے، یہ انسان کو سینکڑوں شروح و حواشی سے بے نیاز کر دیتی ہے بلکہ اگر اسے حدیث و فقہ کی ایک دائرۃ المعارف کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا اس کے شروع میں حضرت شیخ کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ بھی شامل ہے جس میں موطاً اور اس کے نامور مؤلف کے محاسن و کمالات اور سرزمین ہند کے مشائخ و اساتذہ اور اکابر محدثین کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے، علاوہ ازیں اس میں اصول حدیث اور بہت سی قیمتی معلومات کا خلاصہ بھی آگیا ہے۔ بلاشبہ یہ عظیم تالیف حضرت شیخ کی وسعت معلومات، رسوخ فی العلم، عمق نظر، وسعت قلب اور صفائی ذہن کی ایک جیتی جاگتی تصویر و روشن دلیل ہے، ائمہ مذاہب اور ان کے دلائل کو نہایت مستند مآخذ سے نقل فرمایا ہے، ہر امام کا مذہب اسی کی معتمد علیہ کتب سے ماخوذ ہے، ہر راوی کی مختصر تحقیق کی گئی ہے۔

علمائے عرب کے نزدیک بھی یہ کتاب ایک اہم مرجع شمار ہوتی ہے، مکہ مکرمہ کے بہت مشہور عالم سید علوی مالکی نے اس نادرہ عصر تالیف کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ ”متقدمین میں بھی اس کی نظیر مفقود ہے“ ابوظہبی کے قاضی القضاۃ شیخ احمد عبدالعزیز المبارک (جو حضرت شیخ کی کتابوں کے بے حد گرویدہ تھے) اوجز المسالک کے بہت مداح تھے۔

(۲) لامع الدراری علی جامع البخاری:

یہ جلیل القدر کتاب حضرت شیخ الحدیث والفقہاء مولانا رشید احمد گنگوہی کے عظیم افادات و نادر تحقیقات کا مجموعہ ہے جن کو ان کے تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد تکی صاحب کاندھلوی نے درس بخاری کے دوران عربی زبان میں قلم بند کیا تھا، حضرت شیخ الحدیث

نے ان نادر تحقیقات اور جامع افادات کی شرح فرمائی اور اپنے ذاتی مطالعہ و تحقیق سے جن لطیف معانی و نادر معلومات کا اس سلسلہ میں اللہ جل شانہ نے آپ کے قلب پر فیضان فرمایا تھا ان کا اضافہ کیا ہے، آپ نے اس کتاب کے حواشی و تعلیقات میں جو غیر معمولی محنت فرمائی ہے اس کی حقیقت ایک مستقل کتاب کی ہوگئی ہے اور یہ کتاب حضرت کے نادر معلومات و ذاتی تحقیقات کا سب سے بڑا گنجینہ ہے، اس کتاب پر آپ نے ایک مستقل مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے جو امام بخاری کے حالات اور ان کی جامع صحیح کے محاسن پر ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتا ہے، یہ کتاب پہلے تین ضخیم جلدوں میں ہندوستان میں شائع ہوئی پھر پاکستان سے دس ضخیم جلدوں میں ٹائپ پر شائع ہوئی ہے، برادر مولا نا عبدالحفیظ کی اسے دوبارہ متن بخاری کے ساتھ شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

(۳) الأبواب و التراجم:

یہ کتاب خاص طور سے صرف صحیح بخاری کے ابواب و تراجم کی تفصیلی شرح پر مشتمل ہے، اس کتاب میں ان قواعد و اصول پر بالتفصیل بحث کی گئی ہے جن سے ابواب و تراجم اور ابواب بلا تراجم کی احادیث کو باب سے تطبیق دی جاتی ہے۔

امام بخاری کے تراجم ابواب ہر عصر و عہد میں پیچیدہ و مشکل سمجھے گئے ہیں علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بخاری کی شرح اس امت پر قرض ہے مگر بقول حافظ سخاوی صاحب الضوء اللامع شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے فتح الباری لکھ کر امت کی طرف سے اس قرض کو ادا کر دیا ہے، لیکن حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ ابھی بخاری کے

تراجم ابواب کی شرح کا قرض امت کے ذمہ باقی ہے، چنانچہ حضرت نے تراجم ابواب پر ایک مختصر رسالہ لکھنا شروع فرمایا تھا، مگر افسوس مکمل نہ ہو سکا، اس رسالہ میں حضرت نے پندرہ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا بھی اس موضوع پر ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں حضرت شاہ صاحب نے چودہ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں، حضرت شیخ الحدیث نے ان دونوں متذکرۃ الصدور رسالوں کو نیز شرح بخاری کی آراء اور حضرت گنگوہی کی تراجم کے سلسلے کی تحقیقات سب کو ایک کتاب میں یکجا کر دیا ہے اور غور و فکر کر کے سب کو اپنی ذاتی تحقیق و تنقیح کے بعد ان اصولوں کی تعداد ستر تک بیان فرمائی ہے، پھر ان اصول کی روشنی میں پوری کتاب کے تراجم ابواب کی باہم مناسبت اور ابواب و کتب کے مابین مناسبت کو تفصیل سے واضح کر دیا ہے اور اس طرح حضرت شیخ کی تالیف ”الابواب والتراجم“ کے ذریعہ صحیح بخاری کے تراجم ابواب کی شرح کا قرض امت کے ذمہ سے ادا ہو گیا۔

یہ کتاب تین جلدوں میں ہندوستان میں چھپی تھی، اب دوبارہ دارالبشائر بیروت سے ۵ جلدوں میں عزیز ڈاکٹر ولی الدین ندوی کی تحقیق کے بعد شائع ہوئی، اس کے بعد ہندوستان میں مرکز الشیخ ابوالحسن سے بھی شائع کی گئی۔

(۴) الکوکب الدرّی علی جامع الترمذی :

یہ قطب الاقطاب حضرت گنگوہی قدس سرہ کے ترمذی کے امالی ہیں جن کو حضرت مولانا محمد تکی صاحب نے عربی میں قلم بند کیا تھا، اس پر ہمارے شیخ الحدیث نے

حواشی تحریر فرما کر اسے نہ صرف ایک مستقل تصنیف بنا دیا بلکہ اس کے ایجاز، اختصار اور مجمل و مبہم و غامض عبارات کی تفصیل کردی، اور بہت سی تحقیقات کو حدیث کے مراجع و مصادر سے اخذ فرما کر حسب موقع نقل فرما دیا ہے، نیز ائمہ کے اقوال اور مذاہب کی پوری تحقیق ان کتابوں سے کردی جو حضرت گنگوہی کی حیات میں طبع ہو کر سامنے نہیں آسکی تھیں اسی کے ساتھ ساتھ موضوع سے متعلق اپنے ذاتی مطالعہ و تحقیق کا اضافہ بھی فرمایا، اپنے مشائخ کے علوم و تحقیقات جن کا تعلق وجدانی اور ذوقی علوم سے ہے ان کو بھی جا بجا نقل فرمایا ہے، یہ کتاب اختصار کے باوجود طلباء و علماء دونوں کے لئے مرجع و مصدر بن گئی ہے، ترمذی کی عبارت غامضہ کو حل کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی کتاب اسلامی کتب خانہ میں نہیں ہے، اس کی مناسبت سے حضرت شیخ نے راقم سطور کو ایک قصہ سنایا تھا جس کو حضرت ہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔

”مجھے مولانا مناظر احسن گیلانی کی زیارت کبھی نہیں ہوئی تھی، مگر ان کا اسم گرامی کثرت سے سنتا رہا، اور ان کے علمی و تصنیفی حالات بھی مجھے معلوم ہوتے رہے، وہ دارالعلوم دیوبند کے ممبر تھے اور مجلس شوریٰ میں ہمیشہ تشریف لاتے تھے، ایک مرتبہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب (سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم) کا آدمی میرے پاس پہنچا کہ مولانا مناظر احسن گیلانی تشریف لائے ہیں وہ تجھ سے ملنا چاہتے ہیں، میں ان کا نام سن کر بہت مرعوب ہوا، ملاقات کو بالکل جی نہیں چاہتا تھا، اس لئے کہ میں بڑے آدمیوں سے ملاقات کرتے ہوئے ہمیشہ گھبراتا رہا، لیکن چونکہ پیام تھا کہ تجھ سے ملنے

آئے ہیں اس لئے فوراً حاضر ہوا، مولانا مرحوم نے بڑے تپاک سے اٹھ کر مصافحہ و معانقہ کیا اور فرمایا کہ آپ سے ملنے کا کئی سال سے بہت ہی اشتیاق تھا، اس لئے کہ میری ملاقات روزانہ ایک گھنٹہ رہتی ہے، جب سے الکوکب الدری طبع ہوئی ہے ترمذی پڑھانے کے لئے ایک گھنٹہ اس کا مطالعہ بہت اہتمام سے کرتا ہوں، گویا آپ کی مجلس میں رہتا ہوں، یہ کتاب طالب علموں سے زیادہ مدرسین کے لئے بہت مفید ہے، ترمذی پڑھانے والوں کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں (انتہی بلفظ) جہاں تک مجھے یاد ہے ایک دو گھنٹہ بعد چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر ڈیڑھ بجے آئے تھے، ۶ بجے دیوبند تشریف لے گئے۔

حضرت شیخ نے اکابر علماء کے اصرار پر کوکب کے حواشی کا کام شروع کیا اور ماہ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ میں اس کی جلد اول اور ۱۶ رجب ۱۳۵۳ھ کو جلد ثانی مکمل کی، یہ پہلے ہندوستان میں دو جلدوں میں طبع ہوئی تھی، پھر حضرت شیخ نے دوبارہ عربی ٹائپ میں اسے ۴ جلدوں میں شائع کرایا۔

ناچیز راقم سطور نے اس کتاب کو ”لجنة التراث و التاريخ أبو ظبي“ کے سامنے پیش کیا، انہوں نے اس عظیم الشان تالیف کو دیکھ کر یہ طے کر دیا کہ یہ سہ بارہ لجنة التراث کی طرف سے جامع ترمذی کے متن کے ساتھ شائع کی جائے اس کی اطلاع حضرت کے انتقال سے تین ہفتہ قبل فون کے ذریعہ کر دی تھی، مولانا محمد عاقل صاحب اور مولانا محمد اسماعیل بدات صاحب نے بتایا کہ حضرت نے اس پر بار بار خوشی و مسرت کا ا

ظہار فرمایا، مگر مقدر سے وہاں سے شائع نہ ہو سکی، بلکہ اس ناچیز کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ مع متون الاحادیث (۹) جلدوں میں بیروت سے اور ہندوستان سے شائع ہوئی، البتہ نويس جلد شامل ترمذی مع تحقیق و تعلیق پر مشتمل ہے۔

(۵) حجة الوداع و عمرات النبي صلى الله عليه وسلم:

یہ رسالہ حضرت شیخ نے اپنے مشکوٰۃ کی تدریس کے زمانے میں صرف ایک دن اور ڈیڑھ رات میں تصنیف فرمایا تھا، اسے محض حضرت شیخ کی کرامت ہی کہا جاسکتا ہے، ورنہ اتنے مختصر وقت میں تو اس رسالہ کی نقل بھی مشکل ہے، پھر اس میں مزید اضافوں اور نظر ثانی کے بعد شعبان ۱۳۹۰ھ میں پہلی مرتبہ لیتھو میں اس کی طباعت ہوئی، اس کے بعد ہندوستان اور بیروت سے اس کے متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں، کتاب کو اس حیثیت سے نہایت امتیاز حاصل ہے کہ اس میں ان تمام مباحث کا استیعاب کر لیا گیا ہے جن کا تعلق حجۃ الوداع کے مبارک و نورانی سفر سے ہے، یہاں تک کہ منازل سفر کی تحدید ان کے نام اور اس سفر میں پیش آنے والے مبارک مقامات کی واضح نشان دہی کر دی گئی ہے، اس استقصاء و تفصیل کو دیکھ کر فرط تعجب سے نگاہ کھلی رہ جاتی ہے، بلاشبہ ان تمام محاسن اور مباحث کے باعث یہ رسالہ سفر حجۃ الوداع کا ایک علمی موسوعہ بن گیا ہے اس کا اردو میں ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ یہ کتاب عزیز ڈاکٹر ولی الدین ندوی کی تحقیق و تعلیق کے بعد دارالقلم بیروت سے شائع ہوئی ہے۔

(۶) خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی:

شمال ترمذی حضور اکرم ﷺ کے اخلاق و شمال پر سب سے جامع حدیث کی کتاب ہے حضرت شیخ نے اس کا اردو میں ترجمہ اور تشریح فرمائی ہے، جس کے باعث ہر خاص و عام کے لئے اس سے استفادہ و انتفاع آسان ہو گیا ہے، اس کتاب کے حاشیہ پر عربی مشکل کلمات اور مفردات کی شرح بھی تحریر کی ہے، یہ کتاب ہندوپاک میں متعدد بار زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے۔

اس ناچیز نے شمال نبوی کو خصائل نبوی کی اردو و عربی دونوں عبارتوں کو طباعت کی اغلاط کی تصحیح اور عربی حاشیہ پر اضافہ کے بعد مرکز ابوالحسن ندوی اعظم گڑھ سے شائع کرایا ہے۔

بذل اور دیگر عربی تالیفات پر تقدیم کا اہتمام:

یہاں یہ بات یقیناً قابل ذکر ہے کہ حضرت شیخ کی تمام عربی تالیفات اور بذل پر مقدمہ نگاری کا شرف مخدومنا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کو حاصل ہوا ہے، حضرت مولانا کا علمی و روحانی مقام معروف عام ہے اور حضرت ان پر بے حد غیر معمولی شفقت اور ان کا نہایت اکرام فرماتے تھے، مگر فن حدیث میں مولانا رحمہ اللہ کے بلند مقام اور اس کے مالہ و ماعلیہ پر غیر معمولی عبور سے شاید کم ہی لوگ واقف ہوں گے، اس لئے حضرت شیخ نے ان سے بذل پر مقدمہ تحریر کرنے کی فرمائش کی تو بہت سے اہل علم کو تعجب ہوا، اسی طرح دیگر عربی مطبوعات کے تقدیمات کے ساتھ بھی ہوا مگر حضرت شیخ کا یہ اصرار پیہم تھا کہ ہر کتاب پر مولانا کا مقدمہ رہنا ضروری ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ

حضرت مولانا نے پوری عالمانہ شان اور ایک نرالے وانو کھے انداز میں شیخ کی ہر کتاب پر مقدمہ تحریر فرمایا ہے، اسے حضرت شیخ کی توجہ و عنایت کی برکت کا نام دیجئے یا رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے نسبی ارتباط و روحانی نسبت کا نتیجہ یا جانین کے درمیان غیر معمولی الفت و محبت کا ثمرہ کہ حضرت مولانا کے وہ مقدمات جو انہوں نے حضرت شیخ کی عربی کتابوں پر سپرد قلم فرمائے ہیں، نہ صرف علم و فن کی تاریخ میں بلکہ ادب عربی میں بلند ترین مقام کے حامل ہیں، ان میں فن کی عظمت، کتاب کی اہمیت و محاسن، اور مصنفِ علام کی جلالت قدر و علو شان پوری تابانی کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہے، حضرت شیخ نے ہر مقدمہ پر نہایت مسرت کا اظہار فرمایا۔

یہاں اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر غالباً بے محل نہ ہوگا، راقم سطور کے قاہرہ میں قیام کے دوران میں حضرت شیخ نے خواہش ظاہر کی کہ اگر علمائے مصر میں سے کوئی بذل المجہود پر کلمہ لکھ دے تو مناسب رہے گا، چنانچہ میں نے اس وقت کے شیخ الاذہر دکتور عبدالحلیم کے سامنے بذل المجہود پیش کی اور ان سے چند کلمات لکھنے کی فرمائش کی، انہوں نے کتاب اور مقدمات پر ایک نظر ڈال کر فرمایا کہ یہ عظیم کتاب کسی مقدمہ کی محتاج نہیں ہے، اور شیخ ابوالحسن کی تقدیم کے بعد پھر کوئی کیسے لکھے گا، اسی سے مماثل شہادت مصر کے مشہور عالم و محقق شیخ ابوزہرہ نے بھی دی تھی، بعد میں مصر کے معروف عالم حدیث حافظ التیجانی نے بذل پر کلمہ لکھا جو کتاب کے آخر میں شامل ہے، حضرت شیخ نے بعد میں حضرت مولانا یوسف بنوری مرحوم سے بھی بذل، اوجز اور حجتہ الوداع پر مقدمات

لکھوائے، حضرت مولانا بنوری مرحوم کو برصغیر ہندوپاک میں ایک عظیم محقق، ممتاز عالم حدیث اور صاحب اسلوب اہل قلم کی حیثیت سے عربی وارد و دونوں زبانوں میں ان کو امتیازی مقام حاصل تھا وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہے، اور وہ علامہ انور شاہ کشمیری کے شاگرد رشید بھی ہیں، چنانچہ انھوں نے حضرت شیخ کی کتابوں پر مقدمات نہایت اہتمام و کاوش فکر و قلم کے ساتھ تحریر فرمائے ہیں، ہر کتاب کی خصوصیات اور اس کی امتیازی شان کو نمایاں کیا جو انہیں کا حصہ تھا، یہ مقدمات ہر کتاب کے ساتھ طبع ہو چکے ہیں۔

حضرت شیخ کی غیر مطبوعہ تالیفات:

حضرت شیخ کی غیر مطبوعہ تالیفات کی تعداد سو سے متجاوز ہے ان میں سے اکثر کتابوں کا ذکر ”آپ بیتی“ نمبر ۲ میں آچکا ہے، لیکن اس کے علاوہ ان کے پاس اپنے اکابر حضرت گنگوہیؒ، حضرت سہارن پوری اور دوسرے مشائخ کے قیمتی افادات و تحقیقات کا مجموعہ بھی تھا، علاوہ ازیں علامہ انور شاہ کشمیری کی ”تقریر ترمذی“ بھی تھی، جس کی ایک نقل اس ناچیز کے پاس بھی ہے، اسی طرح حضرت گنگوہیؒ کی غیر مطبوعہ تقریرات خاص طور پر مولانا محمد حسن مکی (جو حضرت گنگوہیؒ کے تلامذہ خاص میں ہیں) نے دوران درس صحاح ستہ کی جن تقاریر کو قلم بند کیا وہ پورا مجموعہ بھی حضرت کے پاس تھا اس کے علاوہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کی لکھی ہوئی تقاریر کا مجموعہ بھی تھا، جس میں تقریر ابوداؤد جو بہت مفصل اور طویل ہے اور جس سے بذل اور دیگر کتب میں استفادہ کیا گیا ہے، اس کا نوٹو کرا کے حضرت شیخ نے اس ناکارہ کو تعلیق و حاشیہ کے لئے دیا تھا، مگر

افسوس کہ اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے اب تک کچھ نہ کر سکا، لیکن اس کا اہم حصہ بذل الجہود میں آگیا ہے، جیسا کہ مذکور ہوا حضرت کی تالیفات کی تعداد سو (۱۰۰) ہے اور ان کے علاوہ بہت سی ایسی کتابیں ہیں جن پر جابجا حضرت کے حواشی ہیں مثلاً مکتوبات امام ربانی، خود قرآن شریف کا نسخہ بھی بہت اہمیت رکھتا ہے جس میں حضرت کا تلاوت کا معمول تھا، اس پر جابجا کتب تفسیر سے اہم باتوں کو دوران تلاوت نوٹ کرتے گئے ہیں، اگر ان نوٹس کو سلیقہ سے یکجا کر دیا جائے تو ایک جامع تفسیر بن سکتی ہے، ذیل میں ان کی علم حدیث سے متعلق بعض مخطوطہ کتب کا تعارف پیش ہے۔

- ۱ - حواشی الإشاعة في أشرار الساعة. یہ کتاب طبع ہو گئی ہے۔
- ۲ - حواشی و ذیل التہذیب : حافظ ابن حجر کی تمام کتابوں پر حواشی تحریر فرمائے لیکن تہذیب التہذیب پر کثرت سے لکھے گئے ہیں، اور ذیل التہذیب کے نام سے مستقل بارہ جلدیں کرا کر تہذیب کے موافق صفحے ڈالے گئے ہیں۔
- ۳ - معجم المسند للإمام أحمد : مسند امام کی روایات کی ترتیب صحابہ پر ہے، جس میں احادیث کی تلاش بہت مشکل کام ہے، پیش نظر رسالہ میں حروف تہجی کے اعتبار سے ان سب صحابہ کرام کی روایات کی فہرست لکھی گئی ہے جس میں ہر صحابی کی روایت مع جلد و صفحہ درج ہے۔

۴ - جزء ملتقى الرواة عن المرقاة: اس میں ان رواۃ حدیث کو جمع کیا گیا ہے جن پر ملا علی قاری نے مرقاة میں کلام کیا ہے، یہ طبع ہو چکی ہے، اور اس ناچیز نے

- ”لمعات التتبیح شرح مشکاة المصابیح“ کے حواشی میں جگہ جگہ اس سے استفادہ کیا ہے۔
- ۵ - تقریر نسائی شریف : اس میں حضرت گنگوہی اور دیگر اکابر کی جو تحقیقات مل سکی تھیں ان کو یکجا کر دیا گیا ہے، اس کی نقل بھی اس ناچیز کے پاس ہے، حضرت شیخ کی خواہش تھی کہ اس کو یہ ناچیز مرتب کر دے تاکہ شائع ہو سکے۔
- ۶ - تقریر مشکوٰۃ : یہ حضرت نے اپنے تدریس مشکوٰۃ کے زمانے میں مرقاۃ اور دیگر شروح و حواشی سے ملخص کر کے تحریر فرمائی ہے، بہت سے اہل علم و مدرسین نے اس کی نقلیں لی ہیں، اس ناچیز کے پاس بھی اس کی ایک نقل محفوظ ہے۔
- ۷ - شذرات الحدیث : صحاح ستہ، مؤطین، طحاوی اور ہدایہ وغیرہ کتابوں کے سلسلہ میں حضرت شیخ نے الگ الگ کاپیاں بنائی تھیں، شروح حدیث میں اگر کوئی اہم بات اثناء مطالعہ گزرتی تو متعلقہ کاپی پر نوٹ فرمالیتے، حضرت کی بعض مطبوعہ تالیفات میں کذا فی الشذر اور البسط فی الشذر کے حوالے کہیں کہیں ملتے ہیں، اس سے مراد یہی کتاب ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب (حضرت جی) کاندھلوی کا سانحہ ارتحال (۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۷ء - ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۵ء)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی کا سانحہ ارتحال اس زمانے میں پیش آیا جب یہ ناچیز دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حدیث شریف کا استاذ تھا، یہ حادثہ لاہور میں ۳۱ اپریل ۱۹۶۵ء کو پیش آیا، وہاں سے جنازہ نظام الدین لایا گیا، اس وقت میں بیمار تھا، اس لیے نظام الدین اور سہارنپور کا سفر نہ کر سکا، بلکہ بعد میں تعزیتی سفر کیا، حضرت مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے حادثے نے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا، بظاہر حضرت مولانا صحت مند تھے، اس لیے خبر سننے کے بعد کسی کو واقعے کی صحت کا یقین نہیں ہو رہا تھا، لیکن تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ حادثہ پیش آچکا ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں یہ خبر صاعقہ بن کر گری، یہاں یہ معلوم تھا کہ حضرت مولانا اپنے تبلیغی قافلے کے ساتھ رائونڈ اجتماع میں تشریف لے گئے ہیں، وہاں سے فارغ ہو چکے ہیں، اب واپسی ہونے والی ہے، حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا کے حادثہ فاجعہ کی خبر نے پورے

ہندوستانی مسلمانوں کو بلکہ پورے عالم میں دینی حلقے کو ہلا کر رکھ دیا، لوگ کف افسوس ملتے رہے، لیکن مقدرات کو کوئی ٹال نہیں سکتا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس ناچیز کو حضرت مولانا کی زیارت کا موقع اس وقت ملا جب کہ ۱۹۵۲ء میں یہ ناچیز مدرسہ مظاہر علوم کا طالب علم تھا، ابتداء قیام حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے کچے گھر میں تھا، جس کو ”داستاں میری“ میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں، اسی کچے گھر کے سانبان میں مہمانوں کی ضیافت اور حضرت شیخ کا دسترخوان لگایا جاتا تھا، دیوار پر یہ شعر آویزاں تھا۔

ع ہم غریبوں کی یہی ہے کائنات
بور یہ حاضر ہے شاہوں کے لیے

ندوة العلماء کے قیام کے زمانے میں اپنی طالب علمی اور ابتدائی مدرسے میں وقتاً تبلیغی جماعت کے اجتماعات میں جلعات کو شرکت کرتا تھا، اور کبھی جماعت کے ساتھ قرب وجوار میں جانا بھی ہوا، ایک خط میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو جماعت میں نکلنے کی تفصیل لکھی، جس کا جواب حسب ذیل آیا:

”اس وقت گرامی نامہ پہنچا، جس سے مسرت ہوئی، تبلیغ میں شرکت ہوئی حق تعالیٰ شانہ قبول فرمائیں اور مبارک فرمائیں، صرف میرا ہی نہیں علی میاں کا بھی بار بار کا تجربہ ہے کہ ہم لوگ کی مدلل اور با اصول تقریر اس قدر مؤثر اور قلوب کو ابھارنے والی نہیں ہوتی، جتنی مولانا یوسف صاحب کی، اس لیے جماعتوں کا علی التبادل کچھ وقت نظام

الدین گزارنے کی کوشش کریں، کسی جماعت کے ساتھ آپ بھی جاسکیں تو اچھا ہے، اس وقت عید الاضحیٰ کی تعطیل ہو رہی ہے، اس میں اچھا وقت ملے گا۔

زکریا

۱۳ ذی قعدہ ۱۴۳۷ھ / ۶/۳/۱۹۵۸ء

چنانچہ یہ ناچیز عید الاضحیٰ کی چھٹی میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مشورے کے مطابق نظام الدین حاضر ہوا، حضرت شیخ نے مجھے ایک گرامی نامہ بھیجا، جس میں یہ تحریر فرمایا کہ میں نے مولانا محمد یوسف صاحب کو لکھ دیا ہے وہ تمہیں اپنے ساتھ رکھیں، کہیں باہر چلتا نہ کریں۔

چنانچہ ایک ہفتہ کے لیے نظام الدین حاضری ہوئی، وہاں مشورہ میں حضرت مولانا عبید اللہ صاحب رحمہ اللہ کی رائے یہ تھی کہ ان کو میوات کا سفر کر لینا چاہیے، حضرت جی نے فرمایا: نہیں، حیدرآباد سے حیاء الصحابہ کی طباعت شروع ہو چکی ہے، وہاں سے پروف آگئے ہیں، یہ تمہارے ساتھ تصحیح کا کام کریں گے، چنانچہ اس مبارک کام میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی، گویا یہ آغاز تھا، آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے نے اوجز، بذل، صحیح البخاری اور دیگر کتابوں کی تحقیق و تعلیق و تصحیح کا موقع عطا فرمایا۔

اس عرصہ میں ہماری نشست حضرت مولانا عبید اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت جی کے خصوصی کمرے میں رہتی، حضرت کو بہت ہی اہتمام تھا، یہاں تک کہ حضرت کو معلوم ہوا کہ یہ ناچیز پان بھی کھاتا ہے، اس کو بھی منگوا کر مجلس میں

رکھوادیا، نظام الدین سے واپسی پر بہت ہی دعاؤں اور خوشی کے ساتھ رخصت کیا۔ اسی طرح کئی بار سہارنپور کے ساتھ نظام الدین کا سفر بھی ہوا، اس زمانے میں حضرت جی ابوداؤد اور طحاوی شریف پڑھارہے تھے، طحاوی کی شرح کا کام بھی بہت اہتمام سے کر رہے تھے، کتابوں کے درس میں شرکت ہوتی، حضرت بہت تفصیلی طور پر علماء کے اقوال نقل فرماتے، اور حنفیہ کے دلائل کو بھی مفصل بیان کرتے تھے، اسی طرح جب بھی ندوۃ العلماء کے تبلیغی اجتماع میں حضرت جی کی تشریف آوری ہوئی تو خدمت اور ملاقات کی سعادت رہی، کئی مرتبہ اجتماعات بھوپال میں بھی شرکت ہوئی، حضرت جی کے بیانات سننے، ناشتہ اور کھانا حضرت ہی کے ساتھ رہا۔

۱۹۶۴ء میں جب حضرت جی نے باصرار حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کو حج بیت اللہ کے لیے تیار کیا، جس کی شہرت سارے عالم میں ہو گئی، اس ناچیز کو بھی شوق پیدا ہوا کہ اس مبارک قافلے کے ساتھ حج کی سعادت مل جاتی تو بہت بڑی بات تھی، لیکن میرے پاس سفر حج کے وسائل نہیں تھے، حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مجلس میں اس سفر حج میں جانے کی تاکید فرمائی یوں کہا: حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ بھی جارہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے غیبی نظام کے تحت ہمارے محب جناب حاجی علاء الدین صاحب مرحوم کے دل میں یہ بات ڈالی اور انہوں نے مجھے تحریر کیا کہ آپ حج کی تیاری کریں، اخراجات کا انتظام ہے، اس زمانے میں دو ہزار ہندی روپے حج بیت اللہ کے لیے کافی ہوتے تھے، چنانچہ یہ ناچیز ندوۃ العلماء سے چھٹی لے کر اس قافلے کے ممبئی

پہنچنے سے پہلے وہاں حاضر ہو گیا، یہ میرا پہلا حج تھا۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اور حضرت جی کا نظام سفر بھی بن گیا تھا، حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ سہارنپور سے جلال آباد، تھانہ بھون، جھنجھانہ وغیرہ سے گزرتے ہوئے نظام الدین پہنچے، نظام الدین سے حضرت جی کے ہمراہ مع رفقاء کے ممبئی کے لیے ۲۵ مارچ ۱۹۶۳ء کو فرنٹیر میل سے روانہ ہوئے اور ۲۶ مارچ کو یہ قافلہ ممبئی سنٹرل اسٹیشن پر پہنچا، ویسے تو راستے میں ہر جگہ ہر اسٹیشن پر رخصت کرنے والوں کا بڑا مجمع ہوتا رہا، لیکن جب ممبئی یہ ٹرین پہنچی تو بہت بڑا مجمع استقبال کے لیے موجود تھا، میرے میزبان حاجی علاء الدین صاحب مجھے لے کر ممبئی سنٹرل اسٹیشن پر پہلے سے حاضر تھے، لیکن وہاں سلام و مصافحہ کی کوئی صورت نظر نہ آئی، یہ معلوم ہوا کہ اس مبارک قافلے کا قیام حاجی دوست محمد مرحوم جو تبلیغ سے وابستہ تھے، وہاں کے بڑے تاجروں میں ان کا شمار تھا، حضرت شیخ اور حضرت جی کا قیام ان کے مکان پر جو گورے گاؤں میں واقع ہے، وہیں ان کی کالونی ہے جو ممبئی سے باہر ۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

ٹرین کے پہنچنے کے ساتھ ہی حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ دعا کرانے میں مشغول ہو گئے، سارا مجمع اس میں شریک رہا، خدام اپنی ترتیب کے مطابق حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو دوسرے دروازے سے باہر نکال کر گاڑی میں بٹھا کر گورے گاؤں کے لیے روانہ ہو گئے، ہمیں بھی معلوم ہوا کہ حضرت شیخ جاکچے ہیں یہاں ملاقات کی کوئی صورت نہیں۔

چنانچہ ہم لوگ ممبئی سے گورے گاؤں حاضر ہوئے، ان حضرات سے سلام و مصافحہ کی سعادت نصیب ہوئی، وہاں پروگرام یہ تھا کہ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ اور اس قافلے کو دوسرے دن ممبئی کی جامع مسجد میں لایا جائے، وہاں زیارت کرنے والے حضرت کی زیارت کر لیں اور دعا میں شریک ہو جائیں، مصافحہ وغیرہ کا کوئی موقع نہیں تھا، حضرت کے دعائیہ کلمات کے ساتھ مجلس ختم ہوئی۔

ممبئی میں حضرت جی کے کئی بیانات ہوئے، کافی مجمع رہتا تھا، ۲۹ مارچ ۱۹۶۴ء موافق ۱۴/۱۲/۱۳۸۳ھ صبح کو یہ قافلہ بذریعہ ہوائی جہاز سے ممبئی سے روانہ ہو کر جدہ پہنچا، جدہ میں حاجی ارشد صاحب مرحوم جو پاکستان میں بڑی پوسٹ پر فائز تھے، ان کے مکان پر قیام رہا، دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد عصر کی نماز کے بعد معلم مکی مرزوقی کی گاڑیوں سے روانہ ہو کر یہ حضرات مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ پہنچے، جہاں قیام تھا اور مغرب کی نماز پڑھی۔

یہ ناچیز بھی محمدی جہاز کے ذریعہ ممبئی سے روانہ ہو کر جدہ پہنچا، وہاں سے مدرسہ صولتیہ میں جہاں پر قیام تھا حاضر ہوا، الحمد للہ مدرسہ صولتیہ میں قیام میں قرب کی وجہ سے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضری رہتی، اسی طرح مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا۔

۲۱/۲۲ اپریل ۱۹۶۴ء کو پاکستان سے بہت بڑی خواص کی تبلیغی جماعت کا قافلہ بھی پہنچا، حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کے بیانات کا سلسلہ تبلیغی مرکز مسجد نور مکہ مکرمہ

میں جاری رہا، حرم شریف میں باب عمرہ پر فجر کی نماز کے بعد روزانہ ڈھائی ۳ گھنٹہ بیان ہوتا، اس کے بعد مدرسہ صولتیہ آکر ناشتہ کرتے، ان بیانات میں حضرت شیخ بھی شرکت فرماتے۔

اسی زمانے میں رابطہ عالم اسلامی میں ایک بڑی کانفرنس رکھی گئی تھی، جس میں مفتی امین الحسینی، ڈاکٹر سعید رمضان، ہندوستان سے مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے علماء شریک ہوئے تھے، حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کسی عذر کی بناء پر شریک نہیں ہو سکے تھے۔

وہاں سے حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ کے نام دعوت نامہ آیا تھا، حضرت جی نے اس ناچیز کو حکم دیا کہ تم جاؤ جلسوں میں شرکت کرو اور وہاں کے بیانات کا خلاصہ آکر مجھے سناؤ، آکر میں نے بیانات کی تفصیل حضرت جی کو سنائی، حضرت جی نے فرمایا یہ حضرات نقشے پیش کر رہے ہیں کہ ایسا کرنا چاہئے ویسا کرنا چاہئے، مگر عمل کی دعوت کوئی نہیں دے رہا ہے، ہم عمل کی دعوت دیتے ہیں، ہمارا یہ عمل ابھی الف با، تا ہے آگے کے مراحل ہیں۔

مکہ مکرمہ کے قیام کے زمانے میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے مفتی مملکت سعودیہ عربیہ مفتی شیخ محمد ابراہیم آل شیخ کی زیارت کی تھی اور اپنے تبلیغی دعوت کو اور اس کی تفصیل ان کے سامنے پیش کی، جس کی انہوں نے تائید فرمائی اور خوشی کا اظہار کیا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۲۶ رذی الحجہ ۱۳۸۳ھ موافق

۹/ مئی ۱۹۶۴ء کو مدینہ منورہ پہنچے اور ۲۵/ مئی کو مکہ مکرمہ ہوتے ہوئے کراچی اور وہاں سے دہلی واپسی ہوئی۔

مدینہ منورہ میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی کا تقریباً ۳/ گھنٹہ کا بیان ہوتا تھا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ان سب میں شریک ہوتے تھے، مدینہ منورہ سے ۲۶/ جماعتیں لمبے وقتوں کے لیے نکلیں، ۳/ جماعتیں یورپی ممالک کے لیے، ۸/ جماعتیں عرب ممالک کے لیے اور ۷/ افریقہ کے لیے۔ اس ناچیز کی مدینہ منورہ میں ۱۸/ دن قیام کے بعد ہندوستان واپسی ہوئی۔

یہ تفصیل اس لیے کردی کہ حضرت سے محبت و تعلق اور ان کی خصوصی شفقت اس ناچیز پر تھی، لیکن الحمد للہ حیاۃ الصحابہ کی خدمت کا ان کی حیات میں مجھے سعادت نصیب ہوئی، اور حضرت کی کتاب ”منتخب احادیث“ کا ترجمہ جو مولانا سعد صاحب شارقہ کے اپنے ایک سفر میں ساتھ لے کر آئے تھے، مجھ کو انہوں نے دیکھنے کے لیے دیا، اس میں میں نے ترجمہ کے سلسلے میں بعض اہم مشورہ دیئے، اس کو مولانا سعد صاحب نے تسلیم کیا کہ اس طرح کی اصلاحات ضروری ہے، اس کے بہت دنوں کے بعد عرب ممالک میں بہت سے ایسے طلبہ و دکاترہ سے ملاقات کے بعد جن کا تبلیغی جماعت سے تعلق رہا ہے، انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ حضرت جی کی سوانح عربی میں آنی چاہیے، چنانچہ بفضلہ تعالیٰ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کے بعد مولانا محمد جعفر حسنی ندوی کے یہ کام سپرد کیا تو انہوں نے الحمد للہ بہت اچھا ”سوانح

یوسفی“ جو مولانا محمد ثانی کی تصنیف ہے، جس کو انہوں نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ اور حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں تصنیف کیا ہے، اس کا ترجمہ کیا، ان کے والد مرحوم مولانا محمد واضح صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور اس ناچیز نے ترجمہ پر نگرانی کی کہ اس کو بہترین شکل میں عربی زبان میں پیش کیا جائے، مولانا جعفر صاحب نے ہمارے مشوروں کو قبول کیا اور کتاب کو بہترین شکل میں پیش کیا، ہم نے اس کو دارالبشائر بیروت سے طبع کرایا۔

”تذکرہ رفتگاں“ میں اس کا اضافہ میں نے ضروری سمجھا، اس لیے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا ندھلوی کا حادثہ بھی بڑا حادثہ ہے، ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کو حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے امیر مقرر فرمایا، جس کا سلسلہ بعد تک چلا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے کمالات و خصوصیات کو حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ نے ”سوانح یوسفی“ کے مقدمہ میں تحریر فرمادیا ہے، افسوس کہ یہ سارے اکابر ہم سے رخصت ہو گئے، اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے فیوض اور ان کے کارناموں کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی کی

حیات مبارک کی ایک جھلک

(۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء - ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء)

حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگردوں میں داخل ہیں، اور ان کی کتاب ترجمان السنۃ جو ۴ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، اس کتاب کا کسی حد تک مطالعہ کر چکا تھا کہ حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی، ۱۹۶۴ء میں سفر حج کے موقع پر مدینہ منورہ حاضری ہوئی، وہاں حضرت مولانا محمد ایوب صاحب جو ڈابھیل کے شیخ الحدیث اور جناب مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن صاحب ندوی کے والد جو علامہ کشمیری کے شاگردوں میں ہیں، ان کے ہمراہ حضرت مولانا بدر عالم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، مولانا نے میرا تعارف کرایا یہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے شاگرد ہیں اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ترمذی شریف پڑھاتے ہیں، مولانا نے فرمایا: ہمارے استاذ علامہ کشمیریؒ کسی عالم کے آنے پر بیحد خوش ہوتے تھے اور کھل

جاتے تھے، کبھی کبھی ایسے علوم بیان کرتے تھے جو کتابوں میں نہیں ملتے تھے۔

بنی اندر خود علوم انبیاء

اس ناچیز نے عرض کیا یہ کیسے حاصل ہوا تو فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا ما عندنا إلا ما فی القرآن إلا فہما یعطٰی رجل فی کتابہ وما فی الصحیفۃ (صحیح البخاری، حدیث: ۶۹۰۳) ایک خاص علم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیتا ہے، تو پوچھا گیا کیونکر حاصل ہوا تو بتایا تقویٰ کی بنیاد پر دیتا ہے، اس کے بعد پوچھا کہ امام سیوطی نے ترمذی شریف کے حاشیہ پر زمان و مکان کی فضیلت کو بیان کیا ہے، وہ کہاں ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے یاد نہیں، اور اس کے بہت عرصہ کے بعد حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے تعلق کی بنا پر ان کے صاحبزادے حضرت مولانا آفتاب عالم صاحب بھی اس ناچیز سے بیحد محبت فرماتے تھے، ان کے مکاتیب ”مجموعہ مکاتیب“ میں نقل کر چکا ہوں، اللہ تبارک و تعالیٰ ان اکابر کے قبور کو انوار سے بھر دے۔ آمین

مولانا کا انتقال ۵/ رجب ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۹/ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو ہوا، اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

الہی جنت بقیع میں میری بھی ہو جگہ
اس کی بہت تڑپ ہے مجھ ایسے غلام کو
کتنی بڑی ہوس ہے جودل میں عمر کے تھی
ہو جائے گر نصیب غلام غلام کو

مصلح الامت

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

کا

ساختہ ارتحال

(۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء - ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۷ء)

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کی ولادت ۱۳۰۱ھ فتح پور تال نرجا ضلع اعظم گڑھ میں ہوئی، آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، ان کے رفقاء میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند ہیں، ان کو علامہ کشمیری اور اس زمانے کے علماء سے پڑھنے اور استفادہ کا موقع ملا، وہ حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے بڑے خلفاء میں تھے، ان کے خلفاء میں حضرت مولانا کی ایک البیلی شان تھی، مولانا نے فتح پور میں اپنی خانقاہ بنائی، اور اس میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی قائم فرمایا، ان

کے بارے میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے فرمایا کہ حضرت مولانا وصی اللہ صاحب ہمارے اکابر کی یادگار ہیں، حضرت مولانا کا اخیر زمانے میں قیام الہ آباد میں ہو گیا تھا اور ان کی وہاں کی خانقاہ سے علماء و طلبہ اور لوگوں کو بہت ہی فیض پہنچ رہا تھا، اور اخیر میں اچانک ممبئی کرلا میں منتقل ہو گئے تھے اور سفر حج کے راستے میں سانحہ ارتحال پیش آیا، اور ۲۵ نومبر ۱۹۶۷ء کو جہاز کی روانگی کے درمیان رشد و ہدایت کا یہ امام بیت اللہ کے بجائے رب البیت سے جاملا، اور ان کی نعش کو سمندر کے سپرد کیا گیا، اور آخری عمر میں وفور کیفیت کے موقع پر مرزا غالب کا یہ شعر اکثر ورد زبان رہا کرتا تھا۔

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا

نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

ممبئی سے رخصت ہونے سے پہلے بار بار یہ شعر پڑھتے تھے

پھول تربت پر مری ڈالو گے کیا

خاک بھی تم سے نہ ڈالی جائے گی

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا پگڑھی رحمۃ اللہ علیہ نے تعزیتی بیان میں یہ

شعر پڑھا

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند

دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گئے

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی زیارت کا شوق اس ناچیز کو رہا،

ان کے نام نامی کو سنتا رہا، ان کی لکھنؤ آمد کے موقع پر بار بار زیارت ہوئی، ان کے خلفاء حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مفتی محمد حنیف صاحبؒ سے اس ناچیز کے گہرے تعلقات تھے، ۱۹۶۷ء میں جب یہ ناچیز دارالعلوم ندوۃ العلماء سے منتقل ہو کر دارالعلوم فلاح دارین گجرات آیا تو اس وقت حضرت مولانا کرلا ممبئی میں تشریف فرما تھے، جب ہم لوگوں کو معلوم ہوا تو محترم مولانا عبدالرحیم متالا اور ان رفقاء کے ساتھ طے ہوا کہ حضرت کی ممبئی میں زیارت کی جائے، اس طرح حضرت والا کی مجلس میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی، ملاقات پر سلام و دعا کے بعد اس ناچیز نے اپنی نئی کتاب ”محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے“ پیش کیا، اس کو حضرت نے اٹھا کر اپنے سر مبارک پر رکھ لیا اور بہت دیر تک اپنے دست مبارک سے میری پیٹھ کو ٹھونکتے رہے اور دعائیں دی، رخصت ہونے پر ایک شیشی عطر ہدیہ فرمایا، ایسا قلب پر گریہ طاری ہوا کہ ممبئی سے ترکیسر واپس اور سونے تک یہ کیفیت باقی رہی، اللہ تعالیٰ ان کی توجہ کا اثر اور اس کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ

(۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء - ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء)

اچانک محترم شاہ معین الدین احمد ندوی کے سانحہ ارتحال کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی کہ ۱۳ دسمبر ۱۹۷۴ء کو اعظم گڑھ میں یہ حادثہ عظیم پیش آیا، اس خبر کو سن کر پوری علمی و ادبی دنیا میں صف ماتم بچھ گئی، خاص طور سے دارالمصنفین اعظم گڑھ اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کا حلقہ ایک ایسی شخصیت کے وجود سے خالی ہو گیا جس کی تلافی ممکن نہیں، شاہ صاحبؒ نے ۴۷ سال دارالمصنفین میں گزارے، اس طویل عرصہ میں تصنیف و تالیف کی ایک عظیم الشان یادگار اپنے پیچھے چھوڑی ہے، جو اُن کے لیے ذخیرہ آخرت ہے، آخری دور میں ”دین رحمت“ و ”حیات سلیمانؑ“ دونوں اہم موضوع پر اہم کتابیں ہیں۔

شاہ صاحب اپنی بے نفسی و تواضع کی بنا پر پورے حلقہ میں ہر دل عزیز تھے، ہر خورد و کلاں ان سے محبت کرتا تھا، اپنے چھوٹوں پر وہ انتہائی شفقت تھے۔

شاہ صاحب شیخ احمد عبدالحق ردو لوئیؒ کی اولاد میں تھے، اس لئے حضرت شاہ صاحبؒ کو تصوف سے خصوصیت کے ساتھ مناسبت تھی، انہوں نے بتایا تھا کہ تذکرہ

مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی حضرت مولانا علی میاں صاحب کی تالیف کو ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالا، ادھر چند سالوں سے حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ سے تعلق بھی ہو گیا تھا، خط و کتابت بھی رکھتے تھے، جب بھی دارالمصنفین حاضری ہوتی، شاہ صاحب بہت ہی اشتیاق سے شیخ کے حالات دریافت فرماتے، اور نہایت والہانہ انداز میں حضرت شیخ کا تذکرہ فرماتے تھے، گذشتہ سال وزارت المعارف کی دعوت پر حجاز مقدس گئے تھے، واپسی پر بار بار فرماتے تھے، میرے سفر کا مقصد حرمین اور مدینہ منورہ میں حضرت شیخ سے ملاقات تھی، سفر سے شاہ صاحب کو مناسبت نہ تھی، سہارنپور جب حاضری کے لیے شیخ کو خط تحریر فرماتے تو شاہ صاحب کی رعایت کے پیش نظر حضرت شیخ ان کو تحریر فرماتے کہ علی میاں صاحب کے ساتھ تشریف لائیں کہ حضرت مولانا سے شاہ صاحب کو انتہائی محبت بلکہ عقیدت تھی، فرماتے تھے کہ دو سفر میں نے تنہا کئے ہیں، اسی سوال میں شاہ صاحب سے اعظم گڑھ میں ملاقات ہوئی، فرمایا کہ تمہارے ساتھ سہارنپور حاضر ہونا چاہتا ہوں، مگر مجھے جلدی تھی اس لئے ۲۱ شوال کو سہارنپور حاضر ہو گیا، شاہ صاحب ۴-۵ دن کے بعد لکھنؤ تشریف لائے اور مولوی ہارون ندوی کو اپنے ہمراہ سہارنپور لائے کہ رفیق کے بغیر سفر مشکل تھا، چار دن سہارنپور میں قیام رہا، اس ناچیز کو حضرت شیخ نے ان کا میزبان بنا رکھا تھا درانحالیکہ حضرت شیخ کی طبیعت انتہائی خراب تھی، ہفتہ بھر سے غذا بند تھی اور شدید بخار، کھانسی کی تکلیف تھی، مگر شاہ صاحب کی راحت کا انتہائی خیال فرماتے، کھانا و ناشتہ میں بھی شاہ صاحب کے ساتھ غیر معمولی

اہتمام فرماتے، ایک دن عصر کے وقت کی چائے بغیر بسکٹ و فروٹ کے آگئی، بعد میں حضرت کو علم ہوا تو خدام پر ناگواری کا اظہار فرمایا، شاہ صاحب نے کئی مرتبہ انتہائی تواضع میں فرمایا کہ ہم سے تو کچھ ہوتا نہیں ہے اس لئے حضرت کھلاتے و پلاتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس مرتبہ شاہ صاحب کا حضرت شیخ نے جس قدر اہتمام فرمایا وہ اس ناچیز کے لیے بھی باعث تعجب تھا۔

ان کی معمولی سی معمولی راحت کا انتہائی اہتمام تھا، بخاری شریف کا حضرت شیخ افتتاح فرمانے والے تھے، یہ ناکارہ اور شاہ صاحب دونوں وقت سے پہلے مدرسہ میں حاضر ہوئے، اور وہاں پر مدرسہ مظاہر علوم کے ناظم حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ جو حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی کے اجل خلفاء میں سے ہیں اور صاحب فراش ہیں، ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، مصافحہ ہوا، حضرت مولانا نے شاہ صاحب کا ہاتھ تھوڑی دیر کے لیے پکڑ لیا اور خدام سے فرمایا کہ مجھے بٹھا دو، بیٹھ کر فرمایا کہ میں انتہائی سرور محسوس کرتا ہوں، درانحالیکہ شاہ صاحب کا تعارف ابھی میں نے نہیں کرایا تھا، اس کے بعد تعارف کرایا، حضرت مولانا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اشعار پڑھنے لگے، شاہ صاحب نے دعا کی درخواست کی، فرمایا کہ ہم تو زیادہ محتاج ہیں۔

وہاں سے درس بخاری شریف میں تشریف لائے اور اس میں شرکت فرمائی، سہارنپور قیام کے دوران ایک دن حضرت شیخ سے فرمایا کہ حضرت میں تہجد و معمولات کی پابندی کرتا ہوں اور چلتے پھرتے جو ممکن ہوتا ہے درود شریف پڑھ لیتا ہوں، حضرت نے

فرمایا بس یہی کافی ہے، صبح کی نماز کے بعد حضرت شیخ کے یہاں ذکر کی مجلس ہوتی تھی، اس میں انتہائی پابندی و اہتمام سے شرکت فرماتے۔

شاہ صاحب اپنے علمی و دینی کاموں کے ساتھ جس خاندان سے ان کا تعلق تھا، اور آخری دور میں اپنے دور کے ایک جلیل القدر شیخ طریقت سے وابستگی یہ ان کے لیے بہت بڑی دولت ہے، البتہ ان کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے اس کا بظاہر پُر ہونا ممکن نہیں۔

شاہ صاحبؒ کی تصانیف اور مقالے جو اس ۴۷ سال کے عرصہ میں تحریر فرماتے رہے وہ اپنی زبان و سلاست بیان کے لحاظ سے اور علم و تحقیق کے اعتبار سے ان کا علمی دنیا میں جو مقام ہے، اس پر مستقل لکھنے کی ضرورت ہے۔

ہرگز نہ میرا آنکھ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

حضرت عبدالرب صاحب علیہ الرحمہ

(۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء - ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء)

حضرت اقدس سید عبدالرب صوفی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مجاز صحبت تھے اور حضرت تھانویؒ کی مجالس سے فیض یاب ہوتے تھے، حضرت تھانویؒ کی صحبت ان کے رگ و ریشہ میں پیوست تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو وجاہت بھی عطا فرمائی تھی، افسوس کہ آخر میں بینائی کمزور ہو گئی تھی، ناچیز اپنی طالب علمی کے زمانہ سے ہی ان کی ذات گرامی سے واقف تھا اور ندوہ میں اپنی مدرسے کے زمانہ میں جس کا سلسلہ ۱۹۵۷ء سے لے کر ۱۹۶۷ء تک قائم رہا، بار بار ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ اور مولانا محمد منظور نعمانیؒ دونوں ہی بزرگ اور ندوہ کا حلقہ ان سے عقیدت و محبت کا تعلق رکھتا تھا، ان کی آمد پر بڑا اہتمام رہتا تھا۔

یہ شہرت تھی کہ حضرت صوفی صاحب بڑے مستجاب الدعوات ہیں، اس ناچیز پر اس زمانہ میں ایک نازک اور مشکل مرحلہ پیش آ گیا، اپنے اکابر کو دعاؤں کے لیے خطوط لکھے، اسی اثنا میں صوفی صاحب سے بھی ملاقات ہو گئی اور ان سے بھی دعا کی درخواست کی، اس ناچیز کی پہلی تصنیف ”محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے“ طبع ہو کر آئی تھی

، اس کتاب کو ان کی خدمت میں پیش کیا، بہت خوش ہوئے، اور اس ناچیز کو اپنے وطن اناؤ لے گئے، وہاں ایک رات قیام رہا، ان کے شب و روز دیکھنے کا موقع ملا، ان کی شخصیت کا نقش دل و دماغ پر قائم ہو گیا، نماز وہ خود پڑھاتے تھے اور قرآن پاک بہت اچھی آواز میں پڑھتے تھے، وہاں کے قیام کے دوران صوفی صاحب نے فرمایا کہ اپنی کتاب ”محدثین عظام“ کو ہاتھ میں لے کر اس کے وسیلہ سے دعا کریں، فرمایا یہ عظیم کام ہے اور آپ کی دعا ان شاء اللہ ضرور قبول ہوگی اور اللہ آپ کو ضائع نہ فرمائے گا، بحمد اللہ اس پر عمل کیا اور اس کا اثر پایا۔

بزرگوں کے واقعات کثرت سے سناتے تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے بہت زیادہ متاثر تھے اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے بھی ان کی سہارنپور تشریف آوری کا قصہ کئی مرتبہ اپنی مجلس میں سنایا جس کو اس ناچیز نے اپنی کتاب ”صحبتے با اولیاء“ میں ذکر کیا ہے اور اس سے یہاں نقل کر رہا ہوں، فرمایا صوفی عبدالرب صاحب (مجاز حضرت اقدس تھانوی) نے کہا: میرا روزانہ کا صرف پان کا خرچ تیس چالیس تک کا ہوتا ہے، عرصہ ہوا لکھنؤ سے ایک جماعت آئی، اس میں علی میاں، مولوی منظور اور صوفی صاحب بھی تھے، چنانچہ علی میاں مولوی منظور نے جماعت والوں کو اصول بتائے اور سکھائے اور کہا کہ تم لوگوں کا قیام تبلیغی مرکز کی مسجد میں رہے گا، دیکھو شیخ کی دعوت قبول مت کرنا زیادہ اصرار کریں تو ایک وقت ان کے یہاں کھالینا مگر ہم دونوں کے ایسے تعلقات ہیں کہ کھانا وہیں کھائیں گے، چونکہ صبح کی لکھنؤ والی ٹرین اکثر لیٹ آتی ہے اور پریشان کرتی ہے، وہ لیٹ آئی، غالباً ڈیڑھ بجے گاڑی آئی، صوفی

صاحب کہیں پیچھے رہ گئے تھے، وہ بھی اُن حضرات کے ساتھ میرے پاس آئے، بڑے حضرت رائے پوری کے خلفاء میں حضرت منشی رحمت علیؒ تھے، وہ فرماتے تھے، مولوی کا دماغ جب چلے ہے جب دسترخوان تو ہو دوسروں کا اور انتظام ہو اس کا، میرا بھی یہی حال ہے، میرا دماغ دوپہر کے کھانے میں خوب چلتا ہے، ان حضرات نے دوپہر کا کھانا کھایا، صوفی صاحب نے ان دونوں سے کھانے کے بعد کہا کہ آپ جو کچھ کہیں میں تو کھانا یہیں کھاؤں گا، پندرہ دن تک قیام رہا، جب وہ جانے لگے تو بہت سی دعائیں دیں، شاعر بھی تھے، میرے ساتھ بھی شاعری برتی، انہوں نے مجھ سے تین باتیں دریافت کیں، ایک تو میں بھول گیا البتہ دو یاد ہیں، ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ تبلیغ والے کہتے ہیں کہ سب چھوڑ کر تبلیغ میں نکل جاؤ اور علماء کرام کہتے ہیں کہ حقوق بھی ہیں، میں نے آپ کو بہت معتدل پایا، اس لیے جواب کی درخواست ہے، میں نے کہا اگر بیوی بچوں کے کھانے کا انتظام ہے تو ضرور تبلیغ میں جانا چاہئے اور اس کے خلاف مولویوں کی ایک نہ سننا، البتہ اگر باہر جاؤ اور انتظام مکمل کر لو اور عین چلتے وقت بیوی سے تنہائی میں کہو کہ سفر کا بہت سہم چڑھ رہا ہے، دل نہیں چاہ رہا ہے، تری یاد بہت پریشان کرے گی، کسی کام میں دل نہیں لگے گا مگر مجبوری ایسی پیش آئی کہ بغیر جائے چارہ کار نہیں، جلدی سے جلدی واپسی کی کوشش کروں گا، یہ کہہ کر خوب اس سے مل کر چل دو اور سفر سے تھوڑے تھوڑے وقفہ میں اس کی محبت اور یاد کے خطوط لکھتے رہو اور پھر واپسی پر سب سے پہلے اسی سے ملو اور کہو کہ سارے سفر میں تمہاری یاد بہت آتی رہی، کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا، سب سے جان چھڑا کر خدا خدا کر کے گھر آیا ہوں اور اگر بیوی بچوں

کا انتظام نہ ہو تو تبلیغ والوں کی باتوں پر عمل نہ کرنا، جب وہ یہاں سے اپنے وطن (اناؤ) پہنچے تو ان کا اور ان کی بیوی دونوں کے خطوط آئے، انہوں نے لکھا میں نے گھر آ کر سب اگل دیا، چونکہ ہمارے یہاں بیوی کو خطاب کرنے کا تو کے ساتھ معمول نہیں ہے، بلکہ آپ کے ساتھ ہے لیکن جب میں نے اس نیت سے کہ حضرت کے فرمائے ہوئے الفاظ میں برکت ہے وہ دوسرے لفظوں میں نہیں، اس لیے بیوی سے وہ لفظ کہے جو حضرت نے فرمائے تھے، اس کو یہ طرز خطاب بہت اجنبی معلوم ہوا، اس لیے پوچھا کہ یہ سبق کس نے پڑھایا، جب میں نے جناب کا ذکر کیا تو اس نے بھی شکریہ کا خط لکھا، دوسری بات یہ دریافت فرمائی کہ مجھے یقین ہے کہ آپ کو دست غیب حاصل ہے، میں نے آپ کی دوکان کی اور مٹی آرڈر کی خوب تحقیق کر لی ہے مگر دونوں کی آمدنی روزانہ کے دسترخوان کے خرچ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، میں نے کہا کہ دست غیب ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی نقد نہ منگوائے، ادھار منگائے اور بھاؤ بھی نہ پوچھے بلکہ جس چیز کی ضرورت ہو منگالے اور جب روپیہ کا مطالبہ کرے فوراً ادا کر دے، میرا یہی معمول ہے، قرض خوب ملتا ہے جب ادائیگی کا اطمینان ہو۔ (صحبت با اولیاء ص ۵۷)

انہیں تاثرات کے ساتھ بزم حضرت صوفی عبدالرب صاحب میں شرکت کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

جناب صوفی صاحب ۲۵ محرم ۱۳۹۵ھ ۷ فروری ۱۹۷۵ء جمعہ کے دن اپنے رب سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا محمد اویس نگر امی ندویؒ

شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء

(۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء - ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء)

علامہ شبلیؒ کی شخصیت ایک عہد ساز شخصیت تھی، ان پر اللہ کا یہ خصوصی فضل رہا کہ ان کو ایسے باکمال شاگرد ملے جنہوں نے ان کے تشنہ کاموں کو مکمل کیا اور جو خاکہ انہوں نے اپنی زندگی میں تیار کیا تھا اس کی تکمیل کی، ورنہ بہت سے لوگوں کے کارناموں کو ان کی وفات کے بعد دنیا کے سامنے بیان کرنے والے نہ رہے، شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ: لیث بن سعد أفقه من مالک، لكن ضيعه تلاميذه. امام لیث بن سعد مصری فقاہت میں امام مالک سے بڑھے ہوئے ہیں لیکن ان کے شاگردوں نے ان کے علوم کی تدوین نہیں کی جس سے ان کے کمالات دنیا کے سامنے نہ آ سکے، علامہ شبلیؒ کا یہ بڑا کمال ہے کہ انہوں نے شاگردوں کی ایک بڑی جماعت چھوڑی، جن میں علامہ سید سلیمان ندوی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے ان کے کاموں کو ان کے تیار کردہ خاکہ کے مطابق تکمیل کی اور ان کے قائم کردہ ادارہ

دارالمصنفین کو علمی و تحقیقی میدان میں بہت آگے بڑھایا، اس فہرست میں ”سیرۃ النبی“ کا نام خاص طور پر شامل ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی اپنے بعد شاگردوں کی ایک جماعت چھوڑی، جن میں مولانا ابوالحسن ندویؒ اور مولانا اولیس صاحب نگرانیؒ وغیرہم کا شمار ہے، خصوصیت سے حضرت مولانا محمد اولیس صاحب کو دارالمصنفین بلا کر اپنے علمی و تحقیقی کاموں میں شریک رکھا، تفسیر و حدیث اور علم کلام وغیرہ کی کتابوں کا اپنی نگرانی میں مطالعہ کرایا، اس لیے دارالمصنفین کی آج کی اس بزم میں حضرت مولانا محمد اولیس نگرانیؒ کی شخصیت پر یہ مختصر مقالہ پیش کر رہا ہوں۔

اس ناچیز کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کی طالب علمی کے زمانے میں حضرت مولانا سے حجۃ اللہ البالغہ پڑھنے اور ان کے خصوصی درس قرآن میں شرکت کا موقع ملا، ابتدائی مدرسے کے زمانے میں حضرت مولانا سے میرا استفادہ کا سلسلہ جاری رہا، اور ان کو اس ناچیز پر اس درجہ اعتماد تھا کہ بیماری کی وجہ سے انہوں نے درجہ عربی پنجم کے قرآن مجید کا درس میری نوعمری کے باوجود میرے حوالہ کیا۔

نگرام: اودھ کا ایک مردم خیز قصبہ ہے جس میں ۴ جنوری ۱۹۱۴ء کو مولانا کی ولادت ہوئی، ماضی میں یہاں سے بڑی بڑی شخصیتیں اٹھی ہیں، جیسا کہ حضرت مولانا علی میاںؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ: سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہی کے محبوب مرید بلکہ خلیفہ اور جانشین حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلوی اسی قصبہ اور اس نواح کے

خاندان سادات کے چشم و چراغ تھے، بارہویں صدی ہجری میں حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادی (خلیفہ حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی والد نامدار حضرت شاہ فخر دہلوی) اسی سرزمین سے وطنیت کا تعلق رکھتے تھے، تیرہویں صدی ہجری میں بھی یہ سرزمین مرکز رشد و ہدایت تھی، مولانا عبدالعلی نگرانی (۱۲۳۱-۱۲۹۶ھ) ایک بلند پایہ عالم تھے، ان کی ایک تصنیف ”احکام القرآن“ ہے، جوزیورطبع سے آراستہ ہو چکی ہے، مولانا عبدالعلی کے فرزند مولانا محمد اولیس صاحب کے دادا مولانا محمد ادریس صاحب اولیس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی کے مرید و خلیفہ تھے اور ان کے صاحبزادے مولانا محمد انیس صاحب جو حضرت مولانا محمد اولیس صاحب کے والد بزرگوار ہیں وہ بھی بڑے صاحب فضل و کمال عالم گزرے ہیں، ان کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی کتابوں کا خاص ذوق تھا۔

تعلیم و تربیت: اسی روحانی و علمی ماحول میں حضرت مولانا اولیس صاحب کی نشوونما اور تعلیم و تربیت ہوئی تھی، مولانا ۱۷ جولائی ۱۹۲۷ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے درجہ چہارم میں داخل ہوئے، اور وہاں سے ۱۹۳۲ء میں فضیلت حاصل کی، ان کے اساتذہ میں مولانا حیدر حسن صاحب شیخ الحدیث (جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ بھی تھے)، ان کے علاوہ مولانا حفیظ اللہ صاحب مہتمم دارالعلوم، مولانا شبلی فقیہ اور مولانا عبدالودود اعظمی جیسے جلیل القدر علماء ہیں، جن سے انہوں نے استفادہ کیا، پھر کچھ مدت کے لیے دارالعلوم دیوبند حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی سے استفادہ کے لیے

تشریف لے گئے اور بخاری شریف، ترمذی شریف، الفوز الکبیر کے اسباق میں شرکت کی اور وہاں سے اجازت و خلافت بھی ملی۔

فراغت کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے تعلق کی وجہ سے حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالعلی ناظم ندوۃ العلماء سے قرب و تعلق ہو گیا تھا، اس لیے ان کی تقرری دارالعلوم ندوۃ العلماء میں درس و تدریس کے لیے کردی گئی، ان کے رفقاء میں جناب مولانا ابواللیث ندویؒ اور مولانا ابوالحسن ندویؒ بھی تھے، مولانا اس وقت نہایت ہی نحیف الجثہ اور لاغر تھے، مطالعہ، ذوقِ سلیم اور تحریر و تقریر کی شگفتگی خاندانی ورثہ میں ملی تھی، مولانا سید سلیمان ندویؒ کی مجلس میں اپنے اسی علمی ذوق اور مطالعہ کی وجہ سے بہت جلد اختصاص حاصل کر لیا۔

سید صاحبؒ دارالعلوم کے ہونہار فضلاء کی بڑی قدر کرتے تھے، ان کی نگاہ انتخاب نے ۱۹۳۹ء میں دارالمصنفین اعظم گڑھ کے لیے بحیثیت رفیق بلایا اور اپنی تربیت میں لے لیا۔

مولانا نے دارالمصنفین کے قیام میں علامہ سید سلیمان ندویؒ سے بیس (۲۰) پارہ قرآن اور الفوز الکبیر وغیرہ کتابیں پڑھیں، سید صاحبؒ ہی کی رہنمائی میں انہوں نے علامہ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تصنیفات کا مطالعہ کیا، مولانا اولیس صاحب نے سید صاحب کے زیرِ نگرانی علم کلام اور عقائد کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا، حضرت مولانا علی میاںؒ کے بقول قرآن مجید اور علم کلام میں جو موقع استفادہ کا مولانا

اولیس صاحب کو سید صاحب سے حاصل ہوا کسی شاگرد کو نصیب نہ ہوا، یہ ایسی خوش نصیبی ہے جس پر ان کے رفقاء اور احباب کو رشک آئے گا، ۱۹۴۶ء تک سات سال دارالمصنفین میں قیام کے بعد ناظم ندوۃ العلماء کے اصرار پر دارالعلوم شیخ الانیسر کی حیثیت سے تشریف لائے، جس کا سلسلہ تا وفات جاری رہا، دارالمصنفین کے قیام کے زمانہ میں سید صاحب ”سیرت النبی“ پر نظر ثانی کا کام کر رہے تھے، سید صاحب نے مولانا سے بھی اصل مصادر سے مقابلہ اور تخریج احادیث کا کام لیا، جس سے مولانا کو بحث و تحقیق کے میدان میں بہت بڑا علمی فائدہ حاصل ہوا۔

مولانا کی نگاہ تصوف کے ذخیرہ پر بہت گہری تھی، جس پر ان کا فاضلانہ مضمون جو مولانا منظور صاحب نعمانی کی مرتب کردہ کتاب ”تصوف کیا ہے“ اس میں شائع ہوا ہے جس سے تصوف میں مولانا کی نگاہ دور رس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اکثر قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی کتاب ”ارشاد الطالبین“ اور حضرت سید احمد شہید کے افادات ”صراط مستقیم“ کو پڑھنے کا علماء و طلبہ کو مشورہ دیتے تھے۔

اس ناچیز کو ابتدائی مدرسے کے زمانہ میں مولانا سے زیادہ علمی استفادہ کا موقع ملا، ایک مرتبہ حضرت مولانا علی میاں صاحب نے اپنی کتاب ”ارکان اربعہ“ کی تصنیف کے زمانہ میں اس ناچیز سے ”أرحنا بھا یا بلال“ کی تخریج کا مطالبہ فرمایا، مولانا اولیس صاحب ندوی کی طرف اس ناچیز نے رجوع کیا تو مولانا نے برجستہ فرمایا کہ علامہ طاہر پٹنی کی کتاب ”مجمع بحار الانوار“ دیکھو، (أراح یریح إراحة) میں مل جائے گی، چنانچہ

علامہ طاہر نے اسی ضمن میں تحریر فرمایا: کما ورد فی الحدیث: ”أرحنا بها یا بلال“، اس سے اطمینان ہو گیا کہ یہ حدیث ہے، اس زمانہ میں تخریج کے یہ مصادر موجود نہیں تھے، تحقیق کے بعد یہ حدیث ابوداؤد اور مسند احمد میں مل گئی جس کا حوالہ دیا گیا ہے۔

مولانا کا خاص موضوع تفسیر قرآن تھا، تفسیر کی شاید ہی کوئی کتاب بچی ہوئی ہو جو ان کی نظر سے نہ گزری ہو، مولانا کا دارالعلوم ندوۃ العلماء کے علاوہ یوپی کے ایک اعلیٰ سرکاری افسر سید صدیق حسن صاحب کی کوٹھی پر بھی ہر ہفتہ سینچر کو مغرب بعد پابندی سے درس قرآن ہوتا تھا، سید صدیق حسن صاحب کی وفات ۱۹۶۳ء کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری تھا، شہر کے اعلیٰ افسران اس میں شرکت کرتے تھے، یہ ناچیز بارہا اس میں شریک ہوا ہے۔ مولانا نگر امی حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے تربیت یافتہ اور ان کے خلفاء میں تھے اور سیاسی مسلک میں بھی حضرت کے متبع تھے، لیکن حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بھی بڑے معتقد اور معترف تھے، ان سے مراسلات کا سلسلہ بھی جاری تھا، ہمارے حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیثؒ سے بڑی گہری عقیدت رکھتے تھے، جب کبھی اس ناچیز کا سہارنپور کا سفر ہوتا تو بہت اہتمام سے سلام کی درخواست پیش کرتے تھے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی وفات پر بڑا رنج ہوا جس کا اظہار اپنے خطوط میں فرمایا۔

مولانا کے خاندان کی دینی و اصلاحی خدمات کا دائرہ رائے بریلی، سلطانپور اور بارہ بنکی کے اطراف تھے، ان علاقوں میں حضرت مولانا بہت اہتمام سے تشریف لے

جاتے، وہاں وعظ بھی فرماتے اور بہت لوگ بیعت بھی ہوتے، اس ناچیز کو بھی اپنے بعض اسفار میں ساتھ لیا اور جلسہ عام میں تقریریں بھی کرائیں، افسوس کہ حضرت مولانا کا وقت موعود آگیا، مسلسل دو سال علالت کے بعد ۲۹ شعبان ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۶ اگست ۱۹۷۶ء کو اس دار فانی سے رخصت ہو کر دار آخرت روانہ ہو گئے، **إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔**

مولانا منظور نعمانی صاحب جو غسل دینے میں شریک تھے فرماتے ہیں کہ غسل دیتے وقت چہرہ تروتازہ اور شاداب تھا، یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے اتنی طویل علالت اٹھائی ہے۔

تالیفات: التفسیر القیم: علامہ ابن قیم نے اپنی تصنیفات میں جا بجا آیات قرآنیہ کی تفسیر کی ہے، حضرت مولانا نے سالہا سال کی محنت کے بعد ان کی کتابوں سے تفسیر کا ایک مجموعہ مرتب فرمایا، جو (۶۳۱) صفحات پر مشتمل ہے، جو پہلی مرتبہ قاہرہ ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا، اور علمائے عرب کے علمی حلقوں میں پسندیدگی کی نظر سے یہ کتاب دیکھی گئی۔

العقیدۃ السنیۃ فی شرح العقیدۃ الحسنہ: یہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب ”العقیدۃ الحسنہ“ کی شرح ہے، مولانا علی میاں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ چھوٹی سی کتاب انتہائی ضخیم کتابوں کے مطالعہ سے مستغنی کر دیتی ہے۔

الخیر الکثیر فی شرح الفوز الکبیر: شاہ ولی اللہ صاحب کی تصنیف ”الفوز الکبیر“ اصول تفسیر پر فارسی زبان میں ایک مختصر سا رسالہ ہے جس کا عربی زبان میں ترجمہ علامہ

محمد دشتی نے کیا تھا، اور حروف مقطعات کی بحث کا ترجمہ مولانا اعجاز علی صاحب دیوبندی کے قلم سے عربی زبان میں ہے، اس کتاب کی حضرت مولانا اولیس صاحب نے بڑی جامع شرح تیار کی جو اب تک غیر مطبوع ہے۔

فقہ القرآن: یہ مولانا کا مختصر رسالہ ہے جو غیر مطبوع ہے۔

قرآن کا مطالعہ کیسے؟: اس رسالہ کے مقدمہ میں مولانا عبد الماجد دریابادی تحریر فرماتے ہیں کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر کافی ہے، یہ شائع بھی ہو چکی ہے۔

اصول حدیث: یہ رسالہ گویا شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے رسالہ کا سلیس اور مختصر ترجمہ ہے، جو مبتدیوں کے حق میں بہترین اور منتہی طلبہ کے لیے بھی نفع سے خالی نہیں، متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔

تعلیم القرآن: اس کتاب کا پہلا ایڈیشن دارالمصنفین سے، اور دوسرا لکھنؤ سے ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔

بہر حال دارالمصنفین کے رفقاء میں حضرت مولانا اولیس نگرانی کا ایک خاص مقام ہے، جن کو یہاں سے استفادہ کرنے اور علمی و تحقیقی میدان میں فائدہ پہنچانے کا بہت بڑا ذریعہ ثابت ہوا، اس ناچیز کے چونکہ مرحوم استاذ ہیں، ان سے خوشہ چینی کی سعادت حاصل ہوئی ہے، اس لیے اس بزم شبلی میں اپنے اس مختصر مقالہ کے ساتھ شریک ہو رہا ہوں، واللہ الموفق۔

(۱)

دین و دانش کا مہر انور

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ

(۱۳۲۶ھ/۱۹۰۶ء - ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء)

آہ! دین و دانش کا مہر انور جو نصف صدی تک اپنی ضیا پاشیوں سے ایک عالم کو منور کر رہا تھا وہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو غروب ہو گیا، یعنی محدث فرید و فقیہہ یگانہ، جامع علوم نقلیہ و عقلیہ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری ظاہری طور پر ہزاروں انسانوں کو سو گوار چھوڑ کر اس عالم سے رخصت ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

حضرت مولانا کا سانحہ درحقیقت اس دور کا عظیم ترین حادثہ ہے، وہ مجلس علماء کی رونق و تشنگانِ علم کا مرجع و گم گشتگانِ راہ کے راہرو تھے، ان کا کمال و تجربہ اہل علم میں مسلم تھا، ان کا فیض ہندوپاک و عالم اسلامی ہر جگہ جاری تھا، مشکل علمی مسائل میں طبقہ علماء کے وہ مرجع و ماویٰ تھے۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے ان کے استاذ حضرت علامہ کشمیری کی وفات پر

معارف میں لکھا تھا ”مرحوم کی مثال اس سمندر جیسی ہے جس کی اوپر کی سطح ساکن ہو اور اندر کی گہرائیاں گراں قدر موتیوں سے معمور ہوں“ بالکل یہی حال حضرت مولانا مرحوم کا تھا، ان کے مشائخ بالخصوص علامہ کشمیری نے جو علمی امانت ان کے سپرد کی تھی اس کی ذمہ داریوں سے پوری طرح عہدہ برآ ہوئے، پوری زندگی درس و تدریس، علم و تحقیق کے میدان میں گذاری، ان کی درسگاہ علم سے سینکڑوں جید علماء تیار ہوئے جو کسی نہ کسی جگہ درس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

ہندوستانی علماء کے پچھلی صدیوں میں علم حدیث میں تبحر و کمال کا تمام عالم اسلامی میں اعتراف کیا جاتا رہا ہے بالخصوص حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کی اولاد و تلامذہ نے علم حدیث کا منارہ اتنا بلند کر دیا تھا کہ کوئی دوسرا ملک اس میں ہندوستان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا، اور اس مبارک سلسلہ میں ہر دور میں علماء و محدثین کی ایک بڑی جماعت پیدا ہوتی رہی، اس آخردور میں اس ولی اللہی درسگاہ کے حضرت مولانا درخشاں تارے تھے بلکہ اپنی بعض خصوصیات میں اپنے معاصرین میں ممتاز و منفرد تھے، جن میں ان کا ثانی ملنا مشکل ہے، ان کی زندگی علم و عمل، زہد و تقویٰ اور حب رسولؐ اور اتباع رسولؐ کا بہترین نمونہ تھی، ان کے قلب میں حب الہی و حب رسولؐ کی جو آگ بھڑک رہی تھی اس کی تسکین حرمین شریفین کے سوا اور کہیں نہیں ہو سکتی تھی، ادھر عرصہ سے تقریباً ہر رمضان میں مدینہ منورہ حاضری دیتے اور مسجد نبویؐ میں اعتکاف فرماتے تھے، اس ناچیز کو بھی ایک مرتبہ وہاں پر دیکھنے کا موقع ملا ہے، وہاں پر حضرت مولانا پر جو سکینت و وقار کا عالم

ہوتا وہ ان کے منور چہرے سے نمایاں تھا، اسی موقع پر اس ناچیز نے ان سے بخاری شریف اور دیگر صحاح وغیرہ کتابوں کی اجازت کی درخواست کی، چنانچہ صحاح ستہ کے اوائل پڑھائے پھر جملہ کتب حدیث کا اجازت نامہ لکھ کر عنایت فرمایا، شروع میں ایک مختصر تقریر بھی فرمائی، آنکھیں اشک بار تھیں۔

پھر پرشس جراحات دل کو چلا ہے عشق

سامان صد ہزار نمکداں لئے ہوئے

اس طرح تقریباً ہر سال حج بیت اللہ کے لیے بھی تشریف لاتے اور بڑی تعداد ان سے فیض یاب ہوتی، جب کسی مسئلہ پر گفتگو فرماتے خواہ وہ علم حدیث کا ہو یا فقہ کا، علم کلام کا ہو یا ادب و نحو و بلاغت کا اس میں متقدمین و متاخرین کی تحقیقات کا خلاصہ و نچوڑ پیش کر دیتے، اپنی اگر کوئی خاص تحقیق ہوتی تو اس کو بھی بیان فرماتے۔

میں نے مصر و شام و حجاز کے اکثر علماء و مشائخ سے ملاقات کی ہے، ہندوستانی علماء کا جب ذکر آتا تو حضرت مولانا کا ذکر سرفہرست رہتا، اور انہیں ان کے علم و تحقیق کا معترف و مدح خواں پایا، بالخصوص ”معارف السنن“ کو اس دور کی اہم ترین کتابوں میں سمجھتے ہیں، بلکہ یہ نادر تحفہ ہے جس کو حضرت مولانا نے عالم اسلامی کے لیے پیش فرمایا، حضرت شاہ صاحب کے علوم کی ترجمانی اور متقدمین کی کتابوں سے اخذ و استفادہ اور اس سے کام کی بات جس طرح حضرت مولانا نے نکالی ہے وہ انہیں کا حصہ تھا۔

اسی طرح مقدمہ مشکلات القرآن ”یتیمۃ البیان“ بھی اپنے موضوع پر

شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں، جو شخص تفسیر کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے یا اس موضوع پر کوئی تحقیقی کام کرنا چاہتا ہے اس کے لیے بہتر رہبر ہے، یہ کتابیں حضرت مولانا کی شخصیت کو ہمیشہ زندہ جاوید رکھیں گی۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

حضرت مولانا نے مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل میں عرصہ تک قیام فرمایا تھا اور وہاں پر درس و تحقیق کا ایک زمانہ گزارا ہے، مدرسہ میں ایک اچھا کتب خانہ بھی ہے، آج سے چند سال پیشتر میں نے رسالہ ”الفرقان“ لکھنؤ میں ہندوستان میں علم حدیث کے عنوان پر مقالات کا ایک سلسلہ لکھا ہے، عام طور پر غلط فہمی ہے کہ ہندوستان کی ابتدائی صدیوں میں فقہ و تصوف اور منطق و فلسفہ کے ائمہ فن تو اس ملک میں موجود تھے مگر علم حدیث سے اس کا دامن خالی تھا، میں نے اس کی تردید کی ہے کہ بلاشبہ یہ علوم اس ملک میں غالب تھے لیکن ہندوستان کی سرزمین پر ان صدیوں میں بھی متعدد محدثین کا تذکرہ ملتا ہے، اس سلسلہ میں متعدد کتابیں دیکھیں، وہاں کے کتب خانہ میں ”سبۃ المرجان فی آثار ہندوستان“ جو علامہ بلگرامی کی مشہور کتاب ہے، اس میں علامہ صفانی کے ترجمہ میں حضرت مولانا بنوریؒ کے قلم سے حاشیہ پر جا بجا لکھا ہوا ملا، حضرت مولانا نے اس میں علامہ صفانی کے اساتذہ میں متعدد ہندوستانی محدثین کا ذکر فرمایا ہے، اس کو پا کر بے حد مسرت ہوئی، اس سے حضرت مولانا کی تاریخ پر نظر کا اندازہ ہوا، اس کے علاوہ متعدد

کتابوں پر ان کے بڑے قیمتی حواشی تھے۔

کمال، جامعیت، تبحر علمی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مولانا کی ذات گرامی کو انکساری، تواضع کا پیکر بنایا تھا، وہ اپنے چھوٹوں پر جس طرح شفقت اور اپنے تلامذہ کی جس طرح خاطر داری فرماتے تھے اس کی مثالیں اس دور میں عنقاء ہیں، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں جرأت و ہمت، حق کی حمایت و نصرت کا ایسا جذبہ ودیعت فرمایا تھا کہ سلف صالحین کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، وہ کسی باطل تحریک اور کسی ایسی بات کا تحمل نہیں فرما سکتے تھے جو کتاب کی شاہراہ سے ہٹی ہوئی ہو یا سلف صالحین کے مسلک پر نہ ہو، اس سلسلہ میں وہ زبان و قلم دونوں طاقتوں کو استعمال فرماتے تھے، اس ناچیز نے اپنی آخری ملاقات ۷ جولائی ۱۹۷۷ء کو عرض کیا کہ حضرت آپ کی ہر کتاب کو بہت غور سے پڑھتا ہوں اور ہر صفحہ پر نئی بات ملتی ہے اور بہت سے ایسے حقائق سامنے آتے ہیں جو عام طور پر نگاہوں سے اوجھل ہیں، مجھے یقین ہے کہ اگر غور سے کوئی انصاف پسند پڑھے گا تو راہ راست پر آ جائے گا، کیا عجب ہے کہ جس تحریک کی گمراہیوں و غلطیوں کا پردہ جناب نے فاش کیا ہے اس میں بہت سے لوگ اپنے غلط خیالات سے تائب ہو جائیں، یہ سب کچھ ہے مگر لہجہ بہت تیز ہے، فرمایا: آپ کا مقصد یہ ہے کہ میں لکھنوی انداز میں لکھتا، میں نے جو بات حق سمجھی بلا خوف و ہمت لکھ دی ہے اور آئندہ مزید لکھوں گا، اس سلسلہ میں مجھے کسی ملامت کی پرواہ نہیں، سلف صالحین میں بھی ایک جماعت کا یہی مسلک رہا ہے کہ دین میں کسی مفسدہ کے جب پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو بڑی شدت سے اس کی تردید

فرماتے اور بعض لوگوں کا حال یہ تھا کہ اس مفسدہ کی شاعت اسی درجہ کی ان کے نزدیک بھی تھی مگر اس کو رفع کرنے کے لیے دوسرا انداز اختیار فرماتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنی آخری زندگی میں نابینا ہو گئے تھے، ایک مرتبہ ایک مسجد میں نماز کے لیے داخل ہوئے، وہاں پر انہوں نے سنا کہ اقامت واذان کے درمیان لوگوں کو نماز کے لیے بلند آواز سے دعوت دی جا رہی ہے، خادم سے فرمایا کہ اس مسجد سے نکل چلو دوسری مسجد میں نماز پڑھیں گے، حالاں کہ نفس الامر میں یہ بات حرام کے درجے کی نہیں تھی بلکہ کراہت کے درجے کی بدعت تھی، مگر اس کو بھی گوارا نہ فرمایا اور جب اس سے بڑا مفسدہ ہو اس کے لیے تحریر میں تیزی کا آجانا کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے، اس ملت کا ایک خاص مزاج ہے۔

خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمی

حضرت امام مالک کا مشہور مقولہ ہے کہ اس امت کی اصلاح اسی راستہ پر چل کر ہوگی جس پر سلفِ صالحین گامزن تھے۔

ان کے کارناموں میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی ہے جس کے حضرت مولانا مؤسس و بانی ہیں، اس مدرسہ نے جس کے قیام کی مدت ۲۵ سال سے بھی کم ہے اس قلیل عرصہ میں اسے بے سروسامانی کے باوجود حضرت مولانا کی مخلصانہ کوششوں سے اس قدر ترقی ہوئی کہ وہ اب نہ صرف پاکستان کی مرکزی درسگاہ ہے بلکہ عرب ممالک میں بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، حضرت مولانا ابھی اس کو

بہت ترقی دینا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل کا غیب سے انتظام فرمائے۔
 ادھر آخری دور میں خصوصیت سے حضرت استاذنا الکبیر برکتہ العصر شیخ الحدیث
 مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ سے خصوصی تعلق ہو گیا تھا اور اس میں روز افزوں
 اضافہ تھا، حضرت بھی ان کا بہت خیال فرماتے تھے، حضرت کی فرمائش پر ان کی بخاری کی
 شرح ”لامع الدراری“ اور موطا کی شرح ”اوجز المسالک“ پر بڑے فاضلانہ مقدمے تحریر
 فرمائے ہیں جو ان دونوں کتابوں کے ساتھ طبع ہو چکے ہیں، نیز ان کا مقدمہ ”جزء حجتہ
 الوداع و عمرت النبی ﷺ“ پر بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں
 مقدمے علمی و تحقیقی نوادر پر مشتمل ہیں، ادبی حیثیت سے بھی شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں،
 جن سے حضرت مولانا کی عربی زبان و ادب پر غیر معمولی قدرت کا اندازہ لگایا جاسکتا
 ہے۔

جولائی ۱۹۷۷ء کو ہندوستان سے واپسی پر تین دن حضرت مولانا کے مدرسہ
 میں قیام رہا، اور ان کی شفقتوں سے محفوظ ہونے کا موقع ملا، ۷ جولائی کو ناشتہ ان کے
 دسترخوان پر کیا، اس کے بعد رخصت فرمایا، آنکھوں سے آنسو جاری تھے، مجھے تعجب ہو
 رہا تھا مگر کیا معلوم تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے، اب اس بہار کو دیکھنے کا موقع ملے گا ہی
 نہیں، اور وہ اتنی جلدی ہم سے جدا ہونے والے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پہلے پاکستانی ریڈیو سے اور اس کے بعد یہاں کے اخبار
 ”الاتحاد“ سے اس سانحہ کی اطلاع ہو کر بہت ہی رنج و قلق ہے، یہاں کے علماء و مشائخ

سب نے رنج کا اظہار کیا، بالخصوص یہاں کے قاضی القضاۃ شیخ احمد بن عبدالعزیز آل مبارک جو یہاں کے سب سے بڑے عالم ہیں، حضرت مولانا سے عقیدت و تعلق رکھتے تھے، ابو ظبی آنے کی دعوت بھی دے چکے تھے، انہوں نے بہت ہی رنج و غم کا اظہار کیا اور بار بار یہ کہتے رہے کہ اب ان کا بدل کہاں ملے گا اور یہاں سے تعزیتی تارارسال کیا اور ایک مقالہ لکھ کر ”خدام الدین“ اور الیناٹ میں روانہ کر رہے ہیں ”خدام الدین“ کے خصوصی نمبر کا انتظار رہے گا، اللہ تعالیٰ مولانا کے فیوض کو ہمیشہ جاری رکھے اور پوری امت کو فیض یاب فرمائے، اور ان کو جنت کے اعلیٰ مقام میں جگہ نصیب فرمائے، آمین۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(۲)

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ

اس عالم کی کسی چیز کو بقا و دوام نہیں ”کل من علیہا فان“ مگر بعض حادثات ایسے پیش آتے ہیں کہ اس کا اثر نہ صرف ایک خاندان و جماعت پر پڑتا ہے، بلکہ پوری ملت اس سے متاثر ہوتی ہے اور ہر صاحب ایمان کے قلب پر چوٹ و زخم لگتا ہے اور مدتوں اس کی یاد تازہ رہتی ہے، ان میں حضرت مولانا بنوریؒ کا سانحہ ارتحال ہے، ملت اسلامیہ میں ایک ایسا خلاء ہے جس کے پُر ہونے کی بظاہر کوئی توقع نہیں، اور یہ سانحہ ایسے وقت اور ایسے زمانہ میں پیش آیا کہ ان کی ذات گرامی کی سب سے زیادہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی، وہ اپنی بعض خصوصیات میں ممتاز و منفرد تھے، وہ اس دور میں حضرت علامہ کشمیریؒ کے علوم کے حامل اور ترجمان تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو قوت حافظہ نادرہ روزگار عطا فرمائی تھی، وہ اس عصر کے ایک طرف ممتاز ترین محدث اور فقیہ تھے تو دوسری طرف مفسر و متکلم تھے، عربی زبان پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے۔

اس ناچیز نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ان کا اسم گرامی اپنے اساتذہ کے حلقہ میں سنا تھا، سب لوگ ان کے علم و فضل کے معترف تھے، اس لیے ان سے استفادہ

اور ان کی زیارت کا ہمیشہ اشتیاق رہا، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اپنی تدریس حدیث کے زمانے میں خاص طور سے جب ترمذی پڑھانے کا اللہ تعالیٰ نے موقع عطا فرمایا، تو اسی زمانے میں حضرت مولانا مرحوم کی کتاب ”معارف السنن“ کی تین جلدیں طبع ہو کر آئی تھیں، اس کے دودو نسخے حضرت مولانا نے حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ اور حضرت محمد منظور صاحب نعمانی رحمہ اللہ کے نام ہدیۂ ارسال کئے تھے، پہلی جلد حضرت مولانا علی میاں صاحب نے اور دو جلدیں حضرت مولانا نعمانی صاحب نے اس ناچیز کو ہدیۂ عنایت فرمائی، بعد میں بقیہ جلدیں بھی آگئی تھیں، اور اس سے استفادہ کی مقدور بھر کوشش کی۔

جامع ترمذی ”باب ماجاء فی الوضوء من الموطاء“ میں مجھے ایک اشکال پیش آیا، وہ یہ کہ اس باب کی حدیث جو عن محمد بن ابراہیم عن أم ولد لعبد الرحمن کے طریق سے مروی ہے امام ترمذی نے فرمایا کہ دوسرے طریق میں عن أم ولد لہود بن عبد الرحمن بن عوف ہے، جو وہم راوی ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث عن أم ولد لابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف ہے، مگر امام ترمذی نے عن أم ولد لعبد الرحمن پر کوئی کلام نہیں کیا، اس سے ان کے کلام سے ایک طرح کا اشتباہ پیدا ہوتا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کے ترجمہ میں تہذیب التہذیب و تقریب التہذیب میں جو کچھ لکھا ہے ان دونوں کو ملانے کے بعد بھی یہ اشتباہ والتباس برقرار رہتا ہے، اس کو مفصل طور سے حضرت مولانا مدظلہ کو لکھ کر بھیجا، جواب میں تحریر فرمایا

کہ اگر حافظ نے فیصلہ نہیں کیا ہے تو مشکل ضرور ہے، مگر معتذر نہیں، ام ولد لعبد الرحمن بھی وہم راوی ہے۔

آج سے ۴ سال قبل یہ ناکارہ قاہرہ سے جہاں پر ”بذل المجہود“ کی طباعت کے لیے مقیم تھا، حج کے لیے حاضر ہوا، معلوم ہوا کہ حضرت مولانا بنوریؒ بھی تشریف لائے ہوئے ہیں اور ہر سال ان کی تشریف آوری ہوتی تھی، ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کی مجلس میں اچھا خاصا مجمع تھا، جس میں اکثر سادات تھ افریقہ کے لوگ تھے، ملاقات پر بہت ہی مسرت و بشاشت کا اظہار ہوا، اور بہت ہی اہم علمی گفتگو فرماتے رہے، فرمایا کہ میں نے ”معارف السنن“ پر مقدمہ الگ سے لکھا ہے جو تقریباً ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس ناچیز نے عرض کیا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ”فیض الباری“ میں نقل کیا گیا ہے کہ ”التمہید لما فی الموطأ من المعانی والأسانید کو فتح الباری پر ترجیح ہے، یہ کس امتیاز سے ہے، فرمایا کہ حافظ ابن عبد البر غیر متعصب اور انصاف پسند ہیں۔

اسی مجلس یا کسی دوسری مجلس میں ”معارف السنن“ کی طباعت کا تذکرہ فرمایا کہ کتاب کی ضخامت کو دیکھتے ہوئے مجلس علمی کا خیال ہوا کہ مختصر کر دی جائے، اس لیے کہ اس میں مصارف بہت آئیں گے، فرمایا کہ میں اس پر راضی نہ ہوا اور ملتزم شریف پر حاضری کے موقع پر اس کی طباعت کے لیے دعا کی، یا اللہ تو غیب سے اس کا انتظام فرما دے، اس کے چند ہی دن کے بعد سادات تھ افریقہ سے ایک صاحب کا خط آیا کہ ہم

طباعت کے لیے تیار ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ”معارف السنن“ میں حضرت مولانا مرحوم نے جو تحقیقات کے نوادر بکھیرے ہیں، جس طرح سینکڑوں مراجع و مصادر کے مطالعہ کے بعد ان سے کام کی بات نکال لی ہے، یا جس طرح ملخص فرما دیا ہے، یہ انہیں کا حصہ تھا، اور ان کی یہ کتاب انہیں ہمیشہ زندہ و جاوید رکھے گی اور علمی دنیا اس سے فیض یاب ہوتی رہے گی (۱)، اسی طرح ان کی کتاب ”تیسمة البیان في مقدمة تفسير القرآن“ دیکھنے میں تو ایک مختصر رسالہ ہے، مگر تفسیر کے طالب علم کے لیے اس میں بہت بڑا خزانہ جمع فرما دیا ہے، ”مشکلات القرآن“ پر ان کا مقدمہ بھی بہت سی نادر خصوصیات کا حامل ہے، ان کے علاوہ بھی حضرت مولانا مرحوم کی متعدد تصانیف ہیں۔

وہ فتنہ قادیانیت کو اس دور کا سب سے بڑا فتنہ سمجھتے تھے، اور اس کی تردید میں متعدد مقالات رسالہ ”بینات“ میں تحریر فرمائے اور عربی میں ایک مستقل کتاب رد قادیانیت میں تحریر فرمائی، جب پاکستان میں رد قادیانیت کی تحریک چلی تو تمام جماعتوں نے متفقہ طور پر حضرت مولانا کو اس کا صدر منتخب کیا، اور ان کی قیادت میں یہ تحریک اتنے زور و شور سے چلی کہ بالآخر سابق حکومت کو اس کے سامنے جھکنا پڑا، اور قادیانیت کو اقلیت غیر مسلمہ قرار دینا پڑا۔

حضرت مولانا سلف صالحین کے مسلک پر پابندی سے قائم تھے، اس سے انحراف کو

(۱) ”معارف السنن“ اس ناچیز نے ”الجامع الکبیر“ للامام الترمذی (سنن الترمذی) جو (۹) جلدوں میں ہماری تحقیق سے شائع ہوئی ہے، اس میں اس کتاب سے پورا استفادہ کیا گیا ہے۔

ملت کے لیے خطرہ تصور کرتے تھے، اور اس کے خلاف ہر چیز اور ہر تحریر کے مخالف تھے، امام مالکؒ کا مشہور مقولہ ہے کہ اس امت کی اصلاح اسی راستہ پر چل کر ہوگی جس پر اس امت کی اولین جماعت کا رہند تھی، حدیث پاک کی طویل خدمت اور اشتغال نے ان کے سینہ مبارک کو حُب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھر دیا تھا، متوکلانہ زندگی کے باوجود ہر سال تقریباً رمضان المبارک میں مدینہ منورہ حاضر ہوتے تھے اور مسجد نبویؐ میں اعتکاف فرماتے تھے، تراویح کے بعد قرآن پاک کسی قاری و حافظ سے نوافل میں سنتے تھے۔

حضرت مولانا خالص علمی و تحقیقی آدمی تھے، ان کی شہرت مشرق و مغرب ہر جگہ تھی جس کا اعتراف مصر و شام کے علماء کو بھی تھا، میں نے اپنے زمانہ قیام قاہرہ وہاں کے تمام بڑے علماء شیخ ابوزہرہ، شیخ الازہر دکتور عبدالحلیم محمود وغیرہم کو مولانا کے علم کے معترف و قدرداں اور ان کی مولفات کا مدح خواں پایا۔

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ سے خصوصی تعلق تھا اور یہ تعلق ادھر آخری دور میں بہت بڑھ گیا تھا، حضرت بھی ان کا بہت خیال فرماتے تھے، حضرت شیخ کی فرمائش پر ان کی کتاب موطأ کی شرح ”اوجز المسالک“ اور بخاری کی تعلق ”لامع الدراری“ پر عربی میں حضرت مولانا نے مقدمے تحریر فرمائے ہیں، یہ دونوں مقدمے اپنی خصوصیات میں شاہکار ہیں، جس سے حضرت مولانا کی علم حدیث پر قدرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، حضرت مولانا کے کارناموں میں سے مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن کراچی ہے، جس کے بانی حضرت مولانا ہی تھے، یہ مدرسہ عرب و عجم میں ہر جگہ

شہرت رکھتا ہے، ابھی جولائی میں ہندوستان سے واپسی پر تین دن کے لیے کراچی حضرت مولانا ہی کا مہمان رہا اور ان کے مدرسہ ہی میں قیام تھا، فجر کی نماز کے بعد تلاوت قرآن کا منظر بڑا نرالا تھا، حضرت مولانا سے اس کا ذکر کیا تو اس پر بہت ہی بشارت کا اظہار فرمایا، اس مدرسہ میں حضرت مولانا نے متعدد اہل علم و اہل کمال کو جمع کر لیا تھا، دورہ حدیث میں طلبہ کی ایک بڑی جماعت زیر تعلیم ہے، اپنی سادگی اور طرز میں یہ مدرسہ سلف کی یادگار ہے، مدرسہ میں مجلس تحقیقات کا ایک اہم شعبہ ہے، جس میں تحقیقی و علمی کام ہو رہا ہے، جس کو ترقی دینے کی حضرت مولانا کو بہت فکر تھی، اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو دن دوئی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

اس مدرسہ کے لیے کبھی چندہ کی اپیل حضرت مولانا نے شائع نہیں کی، محض توکل علی اللہ کام پورا ہوتا رہا، اور اہل خیر اعانت فرماتے رہے، اس ناچیز نے عرض کیا کہ حضرت آپ کے مدرسہ کی باہر ممالک تک شہرت ہے، اس لیے اس کے مقاصد و نظام وغیرہ کو عربی میں شائع ہونا چاہئے، فرمایا کہ بھائی مجھے بیجا شہرت پسند نہیں، مگر لوگوں کا اصرار ہے تو مختصراً شائع کر دیا جائے گا، مولانا عبدالرزاق صاحب جنہوں نے قاہرہ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ہے، وہ اس کام کو کر دیں گے۔

موجودہ حکومت جو حضرت مولانا کی قدرداں تھی اور اہم کام لینا چاہتی تھی اور اسی سلسلے میں کراچی سے اسلام آباد تشریف لے گئے تھے کہ اچانک سانحہ ارتحال پیش آیا، ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو پاکستان ریڈیو سے یہ جانکاہ خبر سنی گئی، دوسرے دن یہاں کے مشہور

روزنامہ اخبار ”الاتحاد“ نے بھی یہ خبر شائع کی، یہاں کے اہل علم و مشائخ سب نے بہت ہی رنج کا اظہار کیا، بالخصوص یہاں کے سب سے بڑے عالم شیخ احمد بن عبدالمبارک رئیس القضاء الشرعی (چیف جسٹس) نے جو حضرت مولانا کے بڑے قدر داں تھے، ان کو ابو ظہبی کی دعوت بھی دے چکے تھے، بہت رنج و غم کا بار بار اظہار فرمایا کہ اب ان کا بدل کہاں ملے گا؟

مولانا محمد الحسنی رحمہ اللہ

(۱۳۵۲ھ/۱۹۳۵ء - ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء)

یہ ناچیز اپنے تعلیمی مراحل طے کرتا ہوا، ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم میں داخلہ کے لئے حاضر ہوا، مولانا عبدالرشید صاحب اعظمی مرحوم (راقم سطور کے مشرف داخلہ اور حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ کے شرق اوسط کے سفر میں رفیق و کاتب) نے داخلہ کے مراحل پورے کرائے، امتحان داخلہ ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث مولانا شاہ حلیم عطا سلوٹی نے لیا، داخلہ فضیلت اول (دینیات) میں فرمایا، ندوۃ العلماء میں اس وقت عالمیت کے چھ درجے تھے، درجہ ششم سے فارغ طالب علم کو عالمیت کی سند دی جاتی تھی، اس سے قبل صرف پانچ سال تھے، پانچ سال میں عالمیت کی سند پانے والوں میں ہمارے دوست پروفیسر ڈاکٹر احتشام ندوی بھی تھے، عالمیت کے چھ درجات کے بعد دو درجے تخصص ادب عربی اور دو درجے فضیلت دینیات کے رکھے گئے تھے۔

فضیلت اول (دینیات) میں یہ ناچیز اور مولوی مطیع الرحمن صاحب ندوی، مولوی وجیہ الدین صاحب ندوی مرحوم، مولوی طاہر علی پورنوی مرحوم اور مولوی احمد علی

حسنی مرحوم تھے، اس میں بھی کل تعداد پانچ تھی۔

مولوی مطیع الرحمن ندوی تمام ساتھیوں میں بڑے طباع اور ذہین اور حافظ تھے، مدرسۃ الاصلاح میں وہ اس ناچیز سے درجہ میں آگے تھے، لیکن ندوہ میں داخلہ ایک ہی درجہ میں ہوا تھا۔

یہ ناچیز چونکہ مدرسۃ الاصلاح کے بعد مظاہر علوم سے ہو کر ندوہ آیا تھا، اس لیے حضرت شاہ حلیم عطا سلونی بار بار درس حدیث میں حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کا ذکر فرماتے تھے، مولانا معین اللہ صاحب ندوی (جن میں شرق اوسط کے تبلیغی اسفار سے لوٹنے کے بعد تبلیغ کا بڑا رجحان تھا) حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ سے وابستگی کے تعلق سے اس ناچیز سے بڑی محبت کرتے تھے، ہماری بورڈنگ کے نگران مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی مرحوم تھے، دونوں بورڈنگوں میں اقامتی طلبہ کی تعداد ۷۰-۸۰ کے درمیان تھی، مولانا عمران خاں صاحب دارالعلوم کے مہتمم تھے، حضرت مولانا علی میاں صاحب معتمد تعلیم اور مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب ناظم دارالعلوم، اس طرح دارالعلوم میں اساتذہ کا بہت چیدہ اجتماع تھا، ہر فن کے باکمال اساتذہ موجود تھے۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب کوندوہ کی ترقی اور اس کے مقاصد کی نشر و اشاعت، عشق کے درجے میں تھی، اس لیے وہ طلبہ کی تربیت اور ان کی تعلیمی نگرانی کے تعلق سے بے حد فکر مند رہتے تھے، حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کے گھرانے کے جن افراد سے راقم کا ابتدائی تعارف ہوا، ان میں مولانا محمد واضح رشید

صاحب حسنی ندوی ہیں جو ہم سے ایک درجہ آگے تھے، مولوی مطیع الرحمن صاحب ندوی کے خاص دوست تھے، ان کے علاوہ مولانا محمد میاں صاحب مرحوم بھی تھے، گوئن روڈ پر واقع تبلیغی مرکز میں بالعموم اتوار کو درس میں جانا ہوتا تھا، اتوار کی شام کو حضرت مولانا علی میاں صاحب کا تبلیغی مرکز میں خصوصی بیان ہوتا، جس میں کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوتے، حضرت مولانا کے یہ بیانات اصلاحی ہوتے، جن سے ہر وارد مستفید ہوتا، اس اصلاحی بزم میں جن حضرات سے بکثرت ملاقات ہوتی ان میں مولانا محمد میاں مرحوم، مولانا محمد ثانی صاحب ندوی حسنی اور مولانا محمد طاہر صاحب ندوی تھے، ناچیز چونکہ مظاہر علوم سہارنپور سے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے آیا تھا، اس لیے یہ حضرات نہایت محبت کا معاملہ فرماتے۔

فضیلت کے دوسرے سال میں مولانا محمد میاں صاحب مرحوم ساتھ ہو گئے، ان کے والد مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک خاص نظام بنایا تھا، حضرت ڈاکٹر صاحب نے عربی زبان سیکھنے اور نحو و صرف وغیرہ کی تعلیم کا جو اسلوب اختیار فرمایا تھا وہ نرالا تھا، مصر کے مجلات و جرائد اور اس دور کے ادباء و صاحب قلم کی کتابوں اور تحریرات کے مطالعہ کا ان کو خوگر بنادیا تھا، اس طرح ان کی تعلیم مکمل ہوئی، مزید برآں حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت اور خصوصی توجہ نے اس پر چار چاند لگا دیئے تھے، اس لیے ان میں عربی زبان کے فہم و ادراک اور ذوق کی خاص کیفیت پیدا ہو گئی تھی، صحیح بخاری و صحیح مسلم حضرت شاہ حلیم عطا

سلو فی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت اہتمام سے ختم فرمائی تھی، انہیں دونوں کتابوں کے درس میں مرحوم شریک ہوتے، گرچہ ان کتابوں کا قاری مولوی مطیع الرحمن صاحب ندوی اور یہ ناچیز ہوتا لیکن حضرت شاہ صاحب کوئی نکتہ بیان کرتے وقت مولانا محمد میاں صاحب کی طرف خاص توجہ فرماتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درس کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ تھی کہ حاشیہ کی طرف اشارہ فرما کر فتح الباری اور شرح نووی کی عبارتیں زبانی سناتے تھے جن کا موضوع سے تعلق ہوتا تھا، حضرت شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حافظہ عطا فرمایا تھا۔

درس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم رحمہما اللہ کے اقوال بکثرت نقل فرماتے، ساتھ ہی ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کے اقتباسات بیان فرماتے تاکہ طالب علم میں ان حضرات کی کتابوں کے سمجھنے کا ذوق پیدا ہو جائے، چنانچہ مولانا محمد میاں صاحب مرحوم کے اندر حدیث منہی کا ذوق پیدا ہوا، جو ان کی خاندانی روایت کے عین مطابق تھا، اور حضرات شیخین، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب، حضرت سید احمد شہید اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہم اللہ کے علوم و معارف سے آگاہی ہوتی۔

ندوے میں ناچیز کا فراغت کے بعد ایک سالہ قیام تخصص فی الحدیث کے لیے بھی رہا تھا، فراغت و تکمیل کے بعد چند ایام کے لیے صوبہ برار قصبہ ”مانا“ میں مدرس ہو

گیا تھا، اس کے بعد ۱۹۵۶ء میں ندوے میں مدرس ہو گیا، مولانا مرحوم ”البعث الاسلامی“ کی ادارت سنبھال چکے تھے، مولانا مرحوم کو اسلوب و بیان اور زبان و ادب کے علاوہ دعوتی و اصلاحی رنگ جو انہیں ورثہ میں ملا تھا، ان کے قلم میں پوری طرح نمایاں رہتا اور اس میں ترقی ہوتی رہتی۔

میں نے پوری زندگی کبھی کسی کی غیبت و شکایت کا ان سے ایک حرف بھی نہیں سنا، مجھے یاد ہے کہ حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا کہ تم کو اکابر میں سے کس سے مناسبت ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے، اس پر مولانا نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا کہ جواب روایت کے عین مطابق ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا اس گھرانے اور خاص طور سے مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق تھا، حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی بکثرت آمد و رفت رہتی تھی، اور قیام مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کے یہاں ہی رہتا تھا، اس لیے مولانا محمد میاں مرحوم کو حضرت شیخ الحدیث کی دعائیں اور شفقتیں بھی حاصل رہیں، بیعت کا تعلق حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ مادرزاد ولی ہیں۔

ایک مرتبہ رائے پور کے سفر میں حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ

کے وفد کے ساتھ مولانا محمد میاں مرحوم اور یہ راقم سطور بھی تھا، سہارنپور سے بذریعہ بس رائے پور کے لیے روانہ ہوئے اور بہٹ جا کر اترے، نہر کے کنارے کی سڑک سے رائے پور جانا تھا، لیکن سواری کا نظم نہ تھا، دونج رہے تھے، بارش بھی ہو رہی تھی، خیال ہوا کہ شاہ مسعود صاحب کے یہاں چلیں، شاید سواری کا انتظام کر دیں، سبھی حضرات بھوکے پیاسے تھے، حضرت مولانا نے فرمایا کہ کوئی زبان پر کھانے کا تذکرہ نہ کرے، چنانچہ مسعود صاحب کے باغ بہٹ ہاؤس میں پہنچ کر نماز ادا کی گئی، تھوڑے وقفہ سے شاہ مسعود صاحب نے آموں کے ساتھ قسم قسم کے کھانے کا انتظام کر دیا، ہم لوگوں نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا، انہوں نے رکشے کا بھی انتظام کر دیا، جس پر سوار ہو کر بخیر و عافیت رائے پور پہنچے، حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ نے حضرت کی آمد پر بہت خوشی کا اظہار فرمایا، حضرت کی خدمت میں چند دن قیام کے بعد سہارنپور حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ کی زیارت کرتے ہوئے لکھنؤ پہنچے۔

اس ناچیز کا دارالعلوم ندوۃ العلماء میں درس و تدریس کا سلسلہ گیارہ سال یعنی ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۷ء تک جاری رہا، اس دوران مولانا مرحوم سے بکثرت ملاقاتیں رہیں، شہر میں امین آباد جانے کا مقصد عام طور پر ان سے ملاقات ہی رہتی تھی، مولانا مرحوم اکثر چائے و سکٹ سے ضیافت فرماتے، ان کی ضیافت کے کئی قصے ہیں، وہ ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کے اکلوتے فرزند اور حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے اکلوتے بھتیجے تھے، ان دونوں حضرات کی خصوصی محنت اور دعاؤں کے نتیجے میں وہ بہت سی صفات

وخصوصیات کے مالک تھے۔

اس ناچیز نے ان کو چند انفرادی خصوصیات کا حامل پایا:

۱ - ایسا محسوس ہوتا تھا کہ بزرگوں کی دعاؤں کی برکت سے ان میں جو صلاح و فہم، تقویٰ و علمی اور ادبی استعداد کے علاوہ اردو و عربی میں فکر اسلامی کو پیش کرنے کا ایک نرالا انداز پیدا ہو گیا تھا، ان کی عربی تحریریں مصر کے مشہور ادباء و اہل قلم سید قطب وغیرہ کی مماثل ہوتی تھیں، جب وہ لکھنے بیٹھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اندر سے علوم و افکار ابلتے چلے آ رہے ہیں، وہ اس شعر کا پیکر بن جاتے تھے۔

بنی اندر خود علوم انبیا بے کتاب و بے معید و استا
۲ - ان کی زندگی اخلاق حسنہ، تواضع، خاکساری، خودداری و استغنا کا اعلیٰ نمونہ تھی، گویا ان کی زندگی اس شعر کا مصداق تھی۔

تعلق سے غنی کے ہو گیا غیروں سے مستغنی

پسند آئے نہ کیوں ان کو میرا مغرور ہو جانا

ان صفات میں وہ اپنی خاندانی اعلیٰ روایات کا نمونہ تھے، جن کو دیکھ کر رشک آتا تھا۔

۳ - علمائے سلف اور بزرگان دین کے ساتھ نہایت ادب کا معاملہ فرماتے اور اسی کے ساتھ بزرگان دین خاص طور سے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب وغیرہم کا ذکر اکثر فرماتے تھے۔

۴ - تحریک ندوۃ العلماء اور ان کے مقاصد کا بہت گہرا مطالعہ تھا، جس کی جھلک ان کی کتاب ”سوانح مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ“ میں دیکھی جاسکتی ہے، انہوں نے اس تحریک کے مقاصد کا بہت محتاط انداز میں تجزیہ کیا ہے اور ناظرین کے سامنے پیش کیا ہے، اسی طرح سے انہوں نے ندوۃ العلماء کے جشن تعلیمی پر جو ”روداد چمن“ مرتب کی ہے وہ بھی انہیں کا حصہ تھا، ندوۃ العلماء کے مؤسسين کے پیش نظر ایسے علماء و فضلاء تیار کرنے تھے جو عصر حاضر میں اسلام کے ترجمان بھی بن سکیں، ان کے علمی و تحقیقی کارنامے بھی اس طرح ہوں جو علم و تحقیق کے میدان میں اپنا ایک خاص مقام پیدا کر لیں، جن پر اعتماد کیا جائے، حاصل کلام یہ کہ یہاں کے فضلاء ے

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق

کے مصداق بنیں، ندوۃ العلماء کی تحریک کو سمجھنے کے لیے ان کی یہ دونوں کتابیں کافی ہیں۔
ناچیز ۱۹۶۷ء کے بعد ندوے سے گجرات، گجرات سے سہارنپور حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں بذل المجہود کی تحقیق و طباعت کے تعلق سے حاضر ہوا، وہاں سے قاہرہ جانا ہوا، اور پھر قاہرہ سے واپسی کے بعد ابوظہبی مقیم ہو گیا، اس دوران جب بھی لکھنؤ آمد ہوتی تو کھانے کی دعوت ضرور کرتے، انہیں کے یہاں رہتا، ٹرین سے سفر کے وقت ناشتہ دان میں کھانا رکھوا دیتے۔

”محدثین عظام“ (ناچیز کی پہلی تصنیف) چھپ کر آئی تو بہت خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے نزدیک بہت انفرادی نوعیت کی کتاب ہے، ”صحبتے با

اولیاء“ جب چھپ گئی تو ”تعمیر حیات“ میں یہ تاثر لکھا کہ ”من جملہ انعامات خداوندی کے ایک انعام یہ بھی ہے کہ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی ان پر خصوصی شفقت کی نظر ہے“ اس کو پڑھ کر ناچیز پر گریہ طاری ہو گیا جو بیان نہیں کر سکتا۔

مولانا مرحوم کی اپنے بچوں کے بارے میں یہ تمنا تھی کہ علم حدیث میں اختصاص پیدا کریں، اللہ کا شکر ہے کہ صاحبزادگان میں مولانا عبداللہ صاحب حسنی مرحوم نے حدیث میں امتیاز کیا اور ندوے میں اونچی کتابیں پڑھائی، اور دوسرے صاحبزادے مولوی حافظ عمار حسنی ندوی ہیں جو لکھنؤ میں ایک مدرسہ کے مہتمم و مدرس ہیں، تیسرے صاحبزادے مولوی بلال حسنی ندوی بھی درس و تدریس میں مشغول ہیں، اور علم حدیث میں اختصاص پیدا کر کے اس فن سے خاص لگاؤ رکھتے ہیں، اور کئی تصانیف بھی ان کی اردو عربی میں سامنے آچکی ہیں۔

ندوے کے پچاسی سالہ اجلاس میں ناچیز کی حاضری ہوئی، تو اس موقع پر ان کے ہمراہ حضرت پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، مولانا محمد میاں صاحب مرحوم کی وفات کا واقعہ عجیب ہے۔

چند گھنٹوں کی بیماری کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ان کی نماز جنازہ عالم ربانی حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور رائے بریلی میں ان کے آبائی وطن تکیہ شاہ علم اللہ میں ان کے برادر معظم مولانا سید محمد ثانی حسنی خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی

اور اپنے والد ماجد حضرت ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں مدفون ہوئے، ان کے عم محترم اور ہم سب کے مربی و مخدوم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سفر پر تھے، وہ تدفین کے بعد واپس ہوئے، انہوں نے جس طرح اس صدمہ کو برداشت کیا، یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں، محمد میاں مرحوم ان کے دست راست، قوت بازو اور ان کی فکر و تحریر میں شئی تھے۔

مولوی محمود حسنی صاحب کے کہنے پر یہ چند سطریں لکھوا دی ہیں، ناچیز ان ایام میں بے حد مشغول ہے ورنہ تفصیل سے مولانا مرحوم کی زندگی اور ان کی خصوصیات و کمالات پر روشنی ڈالتا۔

مولانا محمد ثانی حسنی مرحوم رحمہ اللہ (۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء - ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء)

۱۷ فروری ۱۹۸۲ء کی شام کو ابوظہبی سے مدینہ منورہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مد فیوضہم کی صحت کا حال معلوم کرنے کے لئے ٹیلیفون کیا، وہاں سے حضرت کے خادم نے بتایا کہ آج ہی لکھنؤ سے جناب مولانا محمد ثانی صاحب کے سانچہ ارتحال کا تار آیا ہے جس کا حضرت اور ان کے خدام پر بہت ہی اثر ہے، اچانک یہ خبر سن کر بہت ہی رنج و قلق ہوا اور ایصال ثواب کا خود بھی اہتمام کیا اور دوستوں کو بھی تاکید کی، حقیقت یہ ہے کہ حادثہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور ان کے خاندان کے لئے بہت ہی سنگین اور صبر آزما ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مولانا محمد میاں مرحوم کے حادثہ کے بعد اس پر صبر اور برداشت کرنے کے لئے غیر معمولی عزیمت اور ہمت درکار ہے اور خاصان خدا کے سوا عام انسانوں کے لئے اس طرح کے حادثہ کا برداشت کرنا آسان نہیں، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا اور ان کے پورے گھرانہ کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور جنت کے اونچے مقام پر سرفراز فرمائے۔

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مولانا محمد ثانی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خصوصیات اور کمالات سے سرفراز فرمایا تھا، ان کے اخلاق عالیہ، کم گوئی، انقطاع و تہل اور متوکلانہ زندگی، ہر وقت استحضار کی کیفیت، روضہ پاک اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور ان سے گہری محبت جو انھیں اپنے خاندانی ورثہ اور اپنے شیخ کی صحبت و توجہ کی برکت سے حاصل ہوئی تھیں، یہ ساری چیزیں ان کے لئے سرمایہ آخرت ہیں، وہ حضرت شیخ الحدیث کے شاگرد خاص اور مجاز بھی تھے، حضرت کی محبت اور عقیدت میں سرشار رہتے تھے، ان کے اشعار و قصائد جو مختلف مناسبت سے انھوں نے کہے ہیں وہ اس کی آئینہ دار ہیں، انھوں نے عرصہ ہوا رمضان المبارک کی آمد پر ایک قصیدہ کہا تھا، سہارنپور میں اعتکاف کی حالت میں حضرت کی مجلس میں جب سنایا گیا تو یہ ناچیز بھی وہاں موجود تھا، پوری مجلس پر آہ و بکا کا عالم طاری تھا۔

الہی درد و غم کی سرزمین کا حال کیا ہوتا

محبت گر ہماری چشم تر سے مینھ نہ برساتی

اسی طرح انھوں نے جو قصیدہ اپنے ارتحال سے قبل حضرت شیخ الحدیث پر کہا وہ بھی دہلی کی ایک مجلس میں مولانا اظہار صاحب نے جب پڑھا تو سامعین کی حالت دگرگوں ہو رہی تھی اور اس قصیدہ سے حضرت مولانا محترم کا اپنے شیخ سے محبت و شیفنگی اور والہانہ محبت و عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس ناچیز نے سہارنپور کے قیام کے زمانہ میں بھی اور اس کے بعد مختلف مواقع پر

اور رمضان المبارک میں مولانا ثانی صاحب کی سہارنپور کی حاضری کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، وہ جس محبت و عقیدت سے وہاں حاضر ہوتے وہ منظر بھی عجیب رہتا ہے۔

محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھا دے گی

کبھی کبھی مجلس میں آ کر وہ بیٹھے اور آنکھیں اشک بار ہو جاتی تھیں اور ان کی زبان سے بے اختیار ذکر بالجہر کے کلمات بھی جاری ہو جاتے۔

حضرت شیخ کو بھی ان کی عالی نسب اور باطنی خصوصیات کی بنا پر شفقت و عنایت کی نظر تھی اور ان کے ذاتی اور نجی معاملات سے حضرت کو دلچسپی تھی اور اسی محبت اور مناسبت کی بنا پر سوانح یوسفی کی ترتیب و تالیف بھی ان کے سپرد کیا، حقیقت یہ ہے کہ یہ بڑا اہم اور نازک و دشوار کام تھا، اس لئے نہیں کہ سیرت یوسفی کی تالیف و ترتیب کا کام انجام دینا تھا بلکہ اس لئے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اور ان کی خاندانی خصوصیات و روایات کو اس اسلوب اور اس طرز میں پیش کرنا تھا جس سے قاری کے سامنے اس کی صحیح تصویر آ جائے اور اس لئے کہ مولانا جس دعوت کے حامل و داعی تھے وہ دعوت اور ان کا مشن اور اس کا صحیح تعارف پوری طرح سے کتاب کے اندر بلا ادنیٰ مبالغہ کے آ جائے، مولانا محمد ثانی صاحب نے اس سیرت کو تاریخی دستاویز بنا دیا بلکہ اس میں مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ تبلیغی کام کرنے والوں کے لئے اور دوسرے لوگ جو اس دعوت کو سمجھنا چاہتے ہیں ان کے لئے انسائیکلو پیڈیا بنا دیا، یہ ضخیم و عظیم کتاب کو اپنے شیخ کا حکم سمجھ کر انہوں نے مرتب کیا، اپنی بصارت کے ضعف اور صحت کی کمزوری کے باوجود رات دن ان کا یہی محبوب

مشغلہ تھا، انہوں نے کتاب کے شروع میں مولانا علی میاں کے مشورہ سے شیخ الحدیث کے حالات کا بھی اضافہ کر دیا، جو سوانح یوسفی (۱) کی تکمیل کے لئے ناگزیر اور ضروری تھا، جس کو حضرت کے سامنے سنایا گیا، حضرت نے بھی تصویب فرمائی، کئی مرتبہ مجلس میں مزہ لے لے کر فرماتے رہے اور خاص طور پر مولانا ثانی صاحب کی سہارنپور حاضری پر کہ مولوی صاحب کہاں تم نے ریشم میں ٹاٹ لگا دیا اس وقت کا جو عجیب منظر ہوتا اس کو تحریر میں لانا مشکل ہے۔

پھر پرشس جراحِ دل کو چلا ہے عشق

سامان صد ہزار نمکداں لئے ہوئے

اس سیرت کی تکمیل کے بعد مولانا ہارون مرحوم کی سیرت بھی تحریر فرمائی، اس کے بعد حضرت شیخ کے حکم و ایما پر سوانح مولانا خلیل احمد مرتب کیا، گرچہ اس موضوع پر تذکرۃ الخلیل مولانا عاشق الہی کی کتاب بہت اہم اور جامع ہے مگر ضرورت تھی کہ اس کتاب کو از سر نو مرتب کیا جائے، بہت سی ایسی باتیں جو اس میں آنے سے رہ گئی تھیں ان کا اضافہ ضروری تھا، اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ یہ کتاب ایک نئے اسلوب و طرز بیان میں آجائے تاکہ موجودہ اردو داں طبقہ کے لئے دل آویز اور پُرکشش بن سکے، اس کی ذمہ داری بھی حضرت شیخ نے انہیں کے سپرد کی اور انہوں نے اس کام کو اسی جانفشانی اور

(۱) یہ عربی زبان میں منتقل ہوئی، جس کا ترجمہ عزیز مولانا جعفر مسعود حسنی نے کیا ہے، یہ ’الشیخ محمد یوسف الکاندھلوی و منجہ فی الدعوة‘ کے نام سے بیروت سے ہماری نگرانی میں طبع ہو چکی ہے، جو عرب ممالک میں تبلیغی کام کے تعارف کا بڑا ذریعہ ہے۔

تندہی اور دلچسپی سے انجام دیا جس کا وہ متقاضی تھا، اُن کی بڑی خواہش تھی اور حضرت کے سامنے بھی اس کا ذکر آیا کہ ناچیز ایک مقالہ بذل الجھو داؤر اس کی خصوصیات پر لکھ دے تاکہ اس کتاب میں شامل کر دیا جائے، گرچہ میرے لئے یہ بہت آسان بات تھی مگر اپنی تساہلی کی وجہ سے کرنے کا جس کا افسوس ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان کو گونا گوں خصوصیات کا مالک بنایا تھا اور بالکل وہ اس شعر کے مصداق تھے۔

رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں

پھریں دریا میں وہ ہرگز نہ کپڑوں میں لگے پانی

یہ چند باتیں جو برجستہ نوک قلم پر آگئی ہیں ورنہ ان کی یادوں کے ساتھ ایک لمبی تاریخ ہے اور بعض ایسے خطوط بھی ناچیز کے پاس موجود ہیں جو انہوں نے بعض استفسارات کے سلسلہ میں حضرت شیخ سے مجھ کو تحریر فرمائے تلاش کرنے پر وہ خطوط بھیج دوں گا۔

ان کلمات کے ساتھ اپنے دلی تعلق کا اظہار کرتا ہوں اور عزیز مولانا سید حمزہ ندوی سلمہ اور ان کے پورے گھرانہ کو تعزیت پیش کرتا ہوں، ان شاء اللہ ان کی نیک تمناؤں کے مطابق اللہ تعالیٰ انہیں علم کی دولت سے سرفراز فرما کر اپنے دین کا کوئی عظیم کام لے گا۔

حضرت مولانا عمران خان صاحبؒ

(..... - ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۶ء)

حضرت مولانا محمد عمران خان صاحب جو ندوۃ العلماء کے سابق مہتمم اور حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق درس تھے، انہوں نے بہت ہی نازک حالات میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی ذمہ داری کو سنبھالا تھا، خاص طور پر تقسیم کے بعد دارالعلوم کی جو مالی حالت پیدا ہو گئی تھی اس میں حضرت مولانا عمران صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پامردی کے ساتھ جس طرح ممبئی وغیرہ کے اسفار کئے اور وہاں کے تجارت کو مالی امداد کے لیے آمادہ کیا، اس کی بہت لمبی داستان ہے، جس کو حضرت مولانا کے دوست حاجی علاء الدین صاحب جو میرے بھی کرم فرماتے تھے اس کو بہت خاص انداز میں سناتے تھے، اس ناچیز کے دارالعلوم ندوۃ العلماء آنے میں ان کا بھی مشورہ و تعامل شامل رہا ہے جیسا کہ مولانا کے مکتوب گرامی سے واضح ہے، ۱۹۵۸ء میں ان کو تاج المساجد کی تکمیل کا خیال ہوا، انہوں نے اپنی غیر معمولی محنت سے اسے مکمل کیا، اس کے علاوہ انہوں نے دارالعلوم تاج المساجد کو قائم کیا جس میں ندوہ کے نصاب کے مطابق عالمیت تک تعلیم

دی جاتی ہے۔

ان کا تبلیغی جماعت اور ہمارے استاذ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ اور حضرت مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے بہت گہرا تعلق تھا، انہوں نے تاج المساجد بھوپال میں تبلیغی جماعت کا سالانہ اجتماع مقرر کرایا اس سے ہزاروں بندگان خدا کا فائدہ ہو رہا ہے، عارف باللہ حضرت مولانا شاہ یعقوب مجددی نقشبندی سے ان گہرا تعلق تھا اور حضرت کی طرف سے اجازت و خلافت حاصل تھی، ان کی وفات ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو ہوئی، ان کی وفات کے سانحہ کو بہت محسوس کیا گیا خواص طور پر ندوی حلقوں میں، ان کی سوانح ڈاکٹر مسعود خان نے تحریر فرمائی ہے۔

جناب سید صباح الدین عبدالرحمن

کا

سانحہ ارتحال

(..... - ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۷ء)

جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب جو دارالمصنفین میں معارف کے ایڈیٹر تھے، وہ دارالمصنفین کے شاہ معین الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ناظم مقرر کئے گئے تھے، اخیر میں ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت بھی ہو گئے تھے، ان کے قلم سے بہت سی اہم کتابیں شائع ہوئیں، اس ناچیز سے بہت ہی محبت فرماتے تھے، ان کے دور میں اس ناچیز نے رابطہ عالم اسلامی سے دارالمصنفین کی اچھی مدد کرائی تھی، اس بنا پر یہ محبت اور بڑھ گئی تھی، وہ اس ناچیز کے غریب مظفر پور بھی تشریف لائے، ان کے کھانے کا بہت اہتمام کیا تھا، اور اس ناچیز کو بھی کئی مرتبہ دارالمصنفین مدعو کیا، خاص طور پر اس سیمینار میں جو مستشرقین کے موضوع پر ہوا تھا،

اعظم گڑھ کی طرف سے مہمانوں کے استقبال کے لیے اس ناچیز کا کلمہ رکھا تھا، میں نے مختصر اشلی کالج کے ہال میں جہاں پہلا جلسہ ہو رہا تھا، اسے پیش کیا اور تقریر کی، مرحوم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ادب اسلامی کے جلسے میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے تھے، ڈالی گنج سے رکشے سے شہر میں جا رہے تھے کہ اچانک سامنے جانور آ گیا جس سے ٹکرا کر گر گئے، یہ ان کی شہادت کا سبب بنا، نماز جنازہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں پڑھی گئی اور بعد میں ان کی خواہش کے مطابق اعظم گڑھ دارالمصنفین ان کی نعش منتقل کی گئی اور علامہ شبلی نعمانی کے پہلو میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔

ایک مخلص بندہ حاجی علاء الدین مرحوم

کچھ یادیں، کچھ باتیں

(..... - ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء)

گا ہے گا ہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

حاجی علاء الدین صاحب مرحوم بہت سی خصوصیات کے حامل تھے، وہ اس ناچیز کے ساتھ غیر معمولی محبت و تعلق رکھتے، وہ بیک وقت دارالعلوم دیوبند، مدرسہ مظاہر علوم، دارالعلوم ندوۃ العلماء، مرکز نظام الدین اور دیگر مدارس کے رکن شوریٰ تھے اور ان سب کے خادم بھی، ان کا تبلیغی جماعت و حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور ان کے بعد حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ سے گہرا تعلق تھا، وہ ممبئی کی تبلیغی جماعت کے ذمہ داروں میں تھے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے ان کو انتہائی عقیدت اور محبت تھی اور اس ناچیز سے ان کا تعارف پہلی مرتبہ ممبئی میں ہوا جو زندگی کے آخری لمحہ تک قائم رہا، محبت کا یہ تعلق ایسا رہا کہ وہ ہر رنج و غم اور خوشی و مسرت میں شریک

رہتے، ان کے تعاون سے پہلی مرتبہ ”محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے“ شائع کرنے کی توفیق ہوئی۔

یہ ناچیز جب دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ۱۹۵۶ء میں مدرس ہو کر آیا اس وقت رواق شبلی جو چودہ کمروں پر مشتمل تھا اسی میں چھوٹی اور بڑی بورڈنگ کے طلبہ رہتے تھے، ان کی تعداد ۷۰، ۸۰ کے درمیان تھی، حضرت مولانا عمران خان صاحبؒ جو ندوۃ العلماء کے مہتمم تھے، حقیقت میں ان کی عظیم قربانی اور غیر معمولی جدوجہد کی بدولت تقسیم ملک کے بعد دارالعلوم کے اخراجات پورے ہو رہے تھے، ۱۹۵۶ء میں ان کے بھوپال چلے جانے کے بعد ندوۃ العلماء شدید مالی بحران میں مبتلا ہو گیا، جس کا بجٹ اس زمانہ میں کل پینتالیس ہزار تھا، اس کا پورا ہونا مشکل ہو رہا تھا، محترم مولانا معین اللہ ندویؒ نے تمام مدرسین کو جمع کر کے دارالعلوم کی امداد کے لیے چھٹیوں میں باہر سفر کرنے کی ترغیب دی، واقعہ یہ ہے کہ مولانا غیر معمولی انتظامی صلاحیت کی مالک تھے، وہ حضرت مولانا علی میاںؒ ندوی کے خاص معتمد علیہ تھے، انہوں نے نہ صرف اس کی کوشش کی کہ دارالعلوم اپنی حالت پر قائم رہے بلکہ اس کے نئے نئے پروگراموں کا منصوبہ بناتے رہے، اس سلسلہ میں انہوں نے اس ناچیز کو عید الاضحیٰ کی چھٹی میں حافظ عبدالنواب اعظمی کے ساتھ دارجلنگ، کالم پونگ اور شیلانگ بھیجا، وہاں سے اٹھارہ دن کے بعد واپسی ہوئی، اٹھارہ سو روپے کل چندہ ہوا، واپسی پر حضرت مولانا علی میاں ندوی صاحبؒ نے بہت ہی دعائیں دیں اور خصوصی دعوت کی، رمضان شریف کی چھٹیوں میں اس ناچیز کے لیے

مالیگاؤں اور ممبئی کا سفر طے ہوا اور کتابیں ختم کرانے کے بعد ہر سال یہ پروگرام رہتا تھا، لکھنؤ سے پہلا سفر جب مالیگاؤں کا ہوا تب مولانا معین اللہ صاحبؒ نے حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ سے خطوط لکھوائے تھے، خاص طور پر مالیگاؤں میں ماسٹر عبدالرحمن صاحب کے نام جو تبلیغ کے ذمہ داروں میں تھے اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے بڑے معتقد، اس لیے ان کے تعاون سے سات دن میں ساڑھے ستائیس سو روپے چندہ ہوا، جس کی اطلاع اس ناچیز نے بذریعہ خط مولانا معین اللہ صاحبؒ کو دی، شعبہ تعمیر و ترقی کے ایک ذمہ دار نے جواب لکھا کہ ساڑھے ستائیس سو یا کچھ اور؟ اس لیے کہ ستائیس سو کا حصول ندوہ کے لیے اس وقت بڑی رقم تھی، مالیگاؤں کی گلی کوچے پیدل چھان ڈالے تھے اور کئی تقریریں کی تھیں۔

اس کے بعد ممبئی کا سفر ہوا، ممبئی میں کہیں کوئی سراہا تھا نہیں آ رہا تھا، لوگوں نے بتایا کہ یہاں حاجی علاؤ الدین صاحب ہیں، وہ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر علوم کے ساتھ تعاون کرتے ہیں، ان سے آپ ملاقات کیجئے اور آپ کے پاس مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کا ندوہ کے تعاون کے سلسلہ میں خط بھی ہے، چنانچہ حاجی صاحب کی دوکان نل بازار پر حاضر ہوا، ان سے ملاقات ہوئی اور سارے حالات ندوہ کے اور اپنے سنائے، انہوں نے کہا کہ میں دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر علوم کا چندہ کرتا ہوں، آپ دوکان پر افطار کریں اور روزانہ جو آئے گا اس سے میں اپیل کرتا رہوں گا، مجھ سے پہلے ممبئی کا چندہ کل پندرہ سو روپے ہوتا تھا، میں ان پتوں پر اپنے طور پر پہونچنے کی کوشش

کرتا تھا اور روزانہ حاجی صاحب کی دوکان پر افطار پر پہنچتا تھا، چند دن کے بعد حاجی صاحب نے ممبئی میں بڑی کوشش شروع کی، اپنی گاڑی پر لے جاتے اور ندوہ کے لیے چندہ کراتے، پھر تو اتنا تعلق ہو گیا کہ انہوں نے اپنے لڑکے مولوی عبداللہ کو ندوہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا اور کئی مرتبہ دیوبند و سہارنپور کے سفر کے بعد پورے وفد کے ساتھ ندوہ تشریف لائے اور اس کے بعد شوریٰ کے ممبر بھی ہو گئے۔

مولانا معین اللہ ندوی صاحب کا شدید تقاضا تھا کہ سلیمانیہ دارالافتاء کی تعمیر کا کوئی انتظام ممبئی سے ہو جائے، بہت جدوجہد کے بعد معمولی کامیابی ہوئی، اتفاق سے ۱۹۵۸ء میں جوگیشوری میں ایک تبلیغی اجتماع طے ہوا، حاجی صاحب کا اصرار تھا کہ حضرت مولانا علی میاں ندوی صاحب کو اجتماع میں لائیں تاکہ ندوہ کا تعارف ہو اور رواق سلیمانی کا کوئی انتظام ہو سکے، اس ناچیز نے حاجی احمد غریب صاحب کو جو حضرت مولانا کے بڑے معتقد تھے، اس بات پر آمادہ کیا انہوں نے حضرت مولانا کو خط لکھا، حضرت مولانا نے معذرت فرمادی کہ شوال ہے، دارالعلوم کھل رہا ہے، اس معذرت کا میرے دل پر بہت اثر ہوا، حاجی صاحب مرحوم نے کہا کہ آپ فون کریں، میں نے مولانا معین اللہ ندوی صاحب سے فون پر صورت حال بتائی اور اصرار کیا کہ آپ حضرت مولانا کو بھیجیں، انہوں نے فون ہی پر جواب دیا کہ فلاں تاریخ کو حضرت مولانا پنجاب میل سے جا رہے ہیں، چنانچہ حضرت مولانا تشریف لائے، اجتماع میں شرکت کی، اسی جوگیشوری کے اجتماع میں مولوی احمد لاڈ اور ان کے والد وغیرہ مجھ سے ملے اور انہوں

نے مولوی احمد لاڈ کے ندوہ میں داخلہ کا ذکر کیا، میں نے حضرت سے تذکرہ کیا، حضرت نے فرمایا کہ گجرات کا جو طالب علم بھی داخلہ چاہے، لے لیا جائے، اور اگر وظیفہ کی ضرورت ہو تو دیا جائے، اس لیے کہ گجرات کے طلبہ اس زمانے میں ندوۃ العلماء میں بالکل نہیں تھے، اس اجتماع کے بعد محترم حاجی صاحب کی مدد سے ممبئی کے کچھ تجار کو صابو صدیق مسافر خانہ میں جمع کیا اور اس میں لوگوں نے شرکت کی اور ایک ایک کمرہ کا لوگوں نے وعدہ کیا، حضرت مولاناؒ سے ندوہ کے تعارف پر تقریر کرائی گئی اور یہ روپے بعد میں جا کر ہم نے ان سے وصول کیے اور اسی سفر میں مجلس علمی (مجلس تحقیقات و نشریات) کے لیے ایک صاحب نے ایک ہزار روپے دئے جس پر حضرت مولاناؒ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا، حاجی صاحبؒ کے تعاون سے وہ کمرے جو رواق سلیمانی میں بنے ہوئے ہیں اور جن پر ہر معطلی کے نام کے کتبے ہیں، ان کی وصولی کے لیے جو بے قراری اور تعب تھا وہ حضرت مولاناؒ کی دعاؤں اور مولانا معین اللہ صاحب کی بے چینی اور دونوں کے تشجیعی کلمات وہ سب میری آنکھوں کے سامنے ہیں، اور اس کی تفصیل بہت دلچسپ ہے لیکن اسی پر اکتفا کر رہا ہوں ۔

کبھی فرصت سے سن لینا عجب ہے داستاں میری

اس طرح سے سال میں ایک دو مرتبہ حاجی علاؤ الدین صاحب مرحوم سے ملاقات رہتی تھی، مدرسہ مظاہر علوم، دارالعلوم دیوبند، ریاض العلوم گورنمنٹی اور چھوٹے بڑے بہت سے مدرسوں کے ساتھ ان کا تعاون رہتا تھا، مدرسہ مظاہر علوم کے اختلافات

کے بعد وہ اس کے مسائل کے سلسلہ میں کوشاں تھے کہ کوئی بہتر صورت نکل آئے، اس سلسلہ میں سہارنپور مظاہر علوم کے بعض ذمہ داروں کو لے کر وہ لکھنؤ تشریف لائے اور مجھ سے زبانی بات چیت کرنا چاہتے تھے، انہیں معلوم ہوا کہ میرا قیام الہ آباد میں حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کے یہاں ہے تو وہ حضرات، حاجی صاحب کے ساتھ الہ آباد تشریف لائے اور جو مشورہ کرنا تھا وہ مشورہ کیا، اس ناچیز کے ذہن میں جو باتیں آئیں وہ عرض کیں، الحمد للہ حاجی صاحب اور ان کے ہمراہ وفد نے پسندیدگی کا اظہار کیا۔

یہ میرے ساتھ ہی نہیں بلکہ بہت سارے علماء و مشائخ کے ساتھ ان کا غیر معمولی محبت و خدمت کا معاملہ تھا اور میرے ساتھ تو معاملہ یہ تھا کہ ممبئی کے قیام میں خواہ کوئی بھی ہو اور کہیں بھی ان کو جانا ہو گاڑی پر مجھے اپنے ساتھ رکھتے، ان کی نصیحت اور تجرباتی باتوں سے مجھے بہت فائدہ ہوا، ان کے انتقال سے پیشتر یہ ناچیز ابوظہبی سے ممبئی آ رہا تھا اور ممبئی کے راستہ سے اعظم گڑھ کا قصد تھا، ممبئی میں حاجی صاحب ساتھ ساتھ رہے اور ہمارے فلیٹ ہی میں قیام بھی فرماتے تھے اور میرے اور میرے تمام دوستوں کے کھانے پینے کا انتظام بھی فرماتے، میری اعظم گڑھ روانگی سے ایک دن پیشتر ۸ جون ۱۹۸۸ء کو ان کو پالن پور جانا تھا، انہوں نے فرمایا کہ پالن پور میں ایک تبلیغی اجتماع ہے اور میں ہی اس کا داعی ہوں اور مولانا محمد عمر صاحب پالن پور کو خاص طور پر حضرت جی سے کہہ کر لارہا ہوں، اس اجتماع کی تاریخ ۹/۱۰ جون ۱۹۸۸ء ہے۔

چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پالن پور کے لیے روانہ ہوئے اور وہاں

جا کر ۹ جون ۱۹۸۸ء رات ہی میں ان کا انتقال ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون، کلمہ پڑھتے ہوئے اس دنیا سے چلے گئے اور مولانا محمد عمر صاحب پالن پوروی نے نماز جنازہ پڑھائی اور اتنے بڑے اجتماع نے ان کی نماز جنازہ میں شرکت کی اور اپنے وطن میں مدفون ہوئے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
ان کے بعد ان کے کام کو ان کے صاحبزادے یسین مرحوم انجام دیتے رہے مگر
افسوس کہ ان کا بھی انتقال ہو گیا، اب ان کے بھائی اور بھتیجے وغیرہ سب حاجی صاحب
مرحوم کے طریقہ پر گامزن ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو استقامت نصیب فرمائے، آمین۔

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب

کا

سانحہ وفات

(۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء - ۱۳۱۳ھ/۱۹۹۲ء)

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جو حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے تھے، ان کے فیض سے ایک عالم فیض یاب ہوا، انہوں نے قصبہ جلال آباد مظفرنگر میں مدرسہ قائم کیا، جس میں اچھے علماء و مدرسین کو جمع کیا، اس مدرسہ میں حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب بھی درس دے چکے ہیں، حضرت کی دو مرتبہ زیارت نصیب ہوئی، اس ناچیز کے سہارن پور کے قیام کے زمانے میں ان کے ایک مرید جو میرے بھی شاگرد تھے صالح جی کے ذریعہ پانچ سو روپے ہدیہ بھجوا یا، میرے بذل کے کام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور دعائیں دیں، ان کا سانحہ وفات ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۹۲ء کو پیش آیا۔

محترم مولانا محبت اللہ لاری ندوی مرحوم

سابق مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء

چند یادیں و باتیں

(..... - ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۳ء)

آنجناب نے محترم و معظم مرحوم جناب مولانا محبت اللہ لاری ندوی سابق مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کی شخصیت کے بارے میں اس ناچیز سے بھی مقالے کا مطالبہ کیا ہے، میں اس وقت ہندوستان سے دور ابوظہبی میں ہوں اور ایک علمی کام میں مشغول ہوں، مجھے بہت جلد پورا کرنا ہے، لیکن مولانا مرحوم سے میرا بھی خصوصی تعلق رہا ہے اور ان کے دور اہتمام کو دیکھے ہوئے ہوں، چند سطریں تحریر کر رہا ہوں۔

سب سے پہلے مولانا مرحوم سے میرا تعارف ۱۹۶۱ء میں ہوا جب کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نائب ناظم مولانا معین اللہ صاحب مرحوم جو اس ناچیز سے بہت محبت فرماتے تھے، انہوں نے مولانا عبدالسمیع ندوی مرحوم کے ساتھ کانپور کا دارالعلوم ندوہ

کے لیے ایک سفر طے کیا، اس وقت ندوہ کو بہت مالی پریشانی کا مقابلہ تھا۔ انہوں نے کانپور میں یہ بھی اطلاع کر دی تھی کہ یہ ہمارے یہاں مقرر بھی ہیں، اس لیے کوئی تقریر وغیرہ کا پروگرام رکھا جائے جس میں ان کا بیان ہو جائے تو زیادہ بہتر رہے گا۔

کانپور جب ہم پہنچے تو مولانا عبدالسمیع مولانا مرحوم سے ملاقات کے لیے لے گئے بہت اچھی ملاقات ہوئی، انہوں نے کوشش کی کہ ایک جلسہ یہاں پر رکھ دیا جائے، لیکن وہاں کے مخصوص حالات کی بنا پر اس وقت جلسہ کا اہتمام ملتی کرنا پڑا، البتہ چند تاجروں سے ملاقات کا پروگرام بنایا گیا، اور ان سے ملاقاتیں ہوئیں، لوگوں نے دارالعلوم کی کچھ امداد بھی کی اور اخیر میں مولانا نے اپنی جیب سے ایک ہزار روپے ندوہ کی امداد کے لیے دیا، کانپور سے واپسی پر سفر کی تفصیل مولانا معین اللہ صاحب مرحوم کو سنائی، مولانا کی اس رقم پر انہوں نے بہت ہی خوشی کا اظہار کیا، اس زمانے میں یہ بہت بڑی رقم سمجھی گئی تھی۔

مولانا کے صاحبزادے مولوی اشتیاق ندوی اس کے بعد دارالعلوم میں مجھ سے حدیث شریف پڑھ رہے تھے، یہ بھی مولانا کی قرب کا ذریعہ تھا، وہ دارالعلوم کی ضرورت کے تحت ۱۳۸۹ھ میں مہتمم کی حیثیت سے تشریف لائے، ان کا انتخاب حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تجویز کی بنا پر کیا گیا تھا، اس لیے کہ وہ حضرت مولانا کے رفیق درس بھی تھے، حضرت مولانا ان کے مزاج اور صلاحیتوں سے واقف تھے، چنانچہ مولانا مرحوم اپنی تجارت وغیرہ چھوڑ کر اس دینی منصب پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کی

خدمت کے پیش نظر یہاں پر آ گئے۔

مولانا غایت درجہ متواضع با اخلاق تھے، وہ اہتمام کے کاموں کو بہت خوش اسلوبی اور حکمت کے ساتھ چلاتے تھے، طلبہ کی اخلاقی و علمی پوری نگرانی کرتے تھے، نگراں حضرات و مدرسین پر بھی ان کی نظر رہتی تھی، درجوں کی حاضری کا وہ خاص خیال رکھتے تھے، اساتذہ و نگراں کو اگر کبھی کچھ کہنے کی ضرورت ہوتی تھی نہایت ہی حکیمانہ انداز سے وہ تنبیہ کرتے تھے، ان کے اس انتظام کی خوش اسلوبی سے سارے لوگ خوش رہے، اپنے امراض و کمزوری کے باوجود نماز پنج گانہ مسجد میں پڑھنے کا بڑا ہی اہتمام تھا، ان کے اندر ربانیت، اخلاص، عشق و محبت الہی کی روح بھی کارفرما تھی، چنانچہ ان کی اس صفت ربانی نے ان کو کشاں کشاں ہمارے استاذ و شیخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی بارگاہ تک پہنچایا، ان سے انہوں نے بیعت کا تعلق قائم فرمایا اور ان کے بتائے ہوئے مختصر معمولات پر پابند رہے۔

ع می نہ روید تخم دل از آب و گل

بے نگاہی خداوندانِ دل

ایک اللہ کے مخصوص بندے کی نظر نے ان کے اندر اخیر میں خاص کیفیت پیدا کر دی تھی، اس لیے لکھنؤ کی ہر ملاقات میں حضرت شیخ کا تذکرہ آتا تھا، بڑی عقیدت و محبت سے ذکر فرماتے اور حضرت کے حالات پوچھتے رہتے تھے۔

اس طرح انہوں نے اپنے دور اہتمام کو گزارا، انشاء اللہ دارالعلوم ندوۃ العلماء

کی یہ خدمت ان کے لیے بہت بڑا سرمایہ آخرت ہے، افسوس کہ اخیر میں علالت کا سلسلہ بہت بڑھ گیا تھا، ۱۹ نومبر ۱۹۹۳ء کو اس دار فانی سے دار آخرت کی طرف رخصت ہوئے، اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو انوار سے بھر دے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ جگہ نصیب فرمائے، آمین۔

ع آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
 اُ۔ درتقی الدین ندوی
 ۱۱ جولائی ۲۰۲۰ء مدینۃ العین، ابو ظہبی

حضرت جی مولانا انعام الحسن نور اللہ مرقدہ (۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء - ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء)

نظام الدین دہلی سے ۱۰ جون ۱۹۹۵ء کی صبح کو اچانک یہ اطلاع ملی کہ حضرت جی نور اللہ مرقدہ اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف تشریف لے گئے، خبر پر یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کیوں کہ ہمارے علم میں یہ تھا کہ حضرت ابھی حج بیت اللہ سے واپس تشریف لائے ہیں، صحت اچھی ہے، اور سفر میں بیان و دعا کا سلسلہ بھی جاری تھا، مگر بالآخر خبر پر یقین کرنا پڑا، اس عالم کی ہر چیز کو فنا ہے، ”کل من علیہا فان“ کا قانون اپنی جگہ اٹل ہے۔

اس ناگہانی خبر نے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا، غم و حزن کی فضا ہر طرف چھا گئی، حضرت جی (مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلویؒ) کی وفات کا سانحہ صرف ایک خاندان، ایک جماعت، ایک ملک کا خسارہ نہیں بلکہ عالمی خسارہ ہے، ابھی امید کی جاتی تھی کہ آپ کی ذات ایک عرصے تک دعوت و اصلاح کی اس عالمی تحریک و دعوت کی قیادت و رہنمائی کرے گی جسے ہم ”تبلیغی تحریک“ کے نام سے جانتے ہیں، اسی نسبت اور تعلق کی بنیاد پر آپ کی ذات گرامی ہزاروں لاکھوں انسانوں کی محنت کا مرکز تھی، آپ

کی شخصیت میں غیر معمولی مقناطیسی کشش تھی جو لوگوں کو کشاں کشاں اپنی طرف کھینچ لاتی تھی، افسوس کہ وہ آج ہم سے رخصت ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزہ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اپنی ذاتی خصوصیات و صفات میں آپ اسلاف کا نمونہ تھے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کے شاگرد و خلیفہ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی زندہ یادگار اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کے جانشین تھے، بلاشبہ آپ کا اندرون حُبِ الہی و عشقِ رسول کا گنجینہ اور دعوت و تبلیغ کا شعلہ افشاں پہاڑ تھا اور بیرون میں وقار و سکینت کی فضا رہتی تھی۔

عشق عصیاں است گرمستور نیست

کبھی کبھی پیما نہ چھلک پڑتا تھا تو آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور چہرے کا رنگ

بدلنے لگتا۔

پھر پرشس جراثحت دل کو چلا ہے عشق

سامان صد ہزار نمکداں لیے ہوئے

حضرت مولانا کی نشوونما اپنے زمانے کے اہل اللہ کے زیر سایہ ہوئی تھی، آپ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کے رفیق درس بھی تھے، مظاہر علوم میں اپنے دورہ حدیث کے زمانے کے قصبے حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اکثر بیان فرماتے،

”ہم دونوں نے آپس میں طے کر لیا تھا کہ رات کے ابتدائی آدھے حصہ میں ہم میں سے ایک مطالعہ کرے گا اور دوسرا سوئے گا اور آدھی رات ہو جانے پر مطالعہ کرنے والا چائے بنائے گا اور دوسرے ساتھی کو اٹھا کر اس کے ساتھ چائے پی کر سو جائے گا اور اس دوسرے کے ذمے ہوگا کہ فجر کی جماعت کے لیے سونے والے کو اٹھائے گا، ایک دن مولانا محمد یوسف صاحب شروع رات میں مطالعہ کرتے تھے اور میں سوتا تھا، اور دوسرے دن اس کے برعکس ترتیب رہتی تھی۔“

اس واقعہ سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان حضرات نے کس محنت و جانفشانی سے اپنی طالب علمی کا زمانہ گزارا تھا۔

من طلب العلیٰ سہر الیالی

جو بڑا مرتبہ چاہتا ہے اس کے لیے راتوں کی بیداری ضروری ہے، یہ دونوں حضرات دورہ حدیث سے فراغت کے بعد اپنے درس و تدریس و علمی کام میں اس طرح مشغول تھے کہ بیعت کا موقع نہ مل سکا تھا، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب فرماتے تھے کہ جب حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کو معلوم ہوا کہ ہم لوگ ابھی تک بیعت نہیں ہوئے ہیں تو فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ تم لوگ چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب) سے بیعت ہو چکے ہو گے، بہر حال اب دیر نہ کرو، ہم لوگوں نے حضرت جی (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب) سے بیعت ہونے کی درخواست کی، حضرت جی نے اسے منظور فرمایا اور ارشاد فرمایا اللہ مبارک فرمائے، اور ان شاء اللہ مبارک ہی ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ میں تعلق مع اللہ کی غیر معمولی استعداد رکھی تھی، اس کو قرآن و حدیث سے شب و روز اشتغال اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی صحبت نے چمکا دیا، چنانچہ جن چند آدمیوں کو حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے اپنے وصال سے پہلے اجازت و خلافت سے نوازا تھا ان میں یہ دونوں حضرات مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ بھی تھے۔

۱۹۴۴ء میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے وصال کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف صاحب ان کے جانشین مقرر کئے گئے اور دعوت و تبلیغ کے کام کو حضرت نے پوری طاقت و قوت سے پھیلا نا شروع کیا، اندرون ملک و بیرون ملک کثرت سے اسفار کئے اور اجتماعات منعقد ہوئے، چند کو چھوڑ کر تقریباً ہر اجتماع میں اور ہر سفر میں حضرت مولانا کے رفیق سفر رہے اور مشورے میں ان کی رائے بہت اہم خیال کی جاتی تھی اور یہ سلسلہ ۲۱ سال یعنی ۲ اپریل ۱۹۶۵ء تک قائم رہا اور حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے انتقال کے بعد ان کے جانشین اور تبلیغی کام کے امیر مقرر کئے گئے، جواب تک خالص علمی مطالعہ اور درس و تدریس یا تبلیغی مشوروں تک محدود تھے، تقریر کرنے کے عادی نہ تھے مگر ان کی خصوصیت کی بنا پر جب اس کام کی ذمہ داری ڈالی گئی تو پوری توجہ و ہمت سے اس کام کو آگے بڑھانے کی انتہائی کوشش فرمائی، صحت خراب ہو گئی مگر کام کی رفتار میں فرق نہ آیا، جس عظیم کام کا آغاز حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے کیا تھا حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے بفضلہ تعالیٰ اس کام کو عالمگیر بنا دیا، حضرت مولانا انعام الحسن

صاحب کے زمانے میں یہ کام جس تیزی سے آگے بڑھا اور بڑھتا جا رہا ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، عرب و عجم کے ممالک میں لوگوں میں خدا طلبی کا خاص جذبہ بیدار ہو رہا ہے، مغربی ممالک میں تیزی سے لوگ اس کام کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں، لندن کے اجتماع میں جب سو آدمی شریک ہوئے تو ایک غیر معمولی بات سمجھی گئی مگر گذشتہ سال حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ کی آمد پر جو اجتماع ہوا اس میں پچاس ہزار کی تعداد بتلائی گئی، یہ غالباً ان کی دعا و آہ و زاری، اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی و تواضع کی برکت تھی، حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ راوی ہیں کہ حضرت جی آٹھ گھنٹہ روزانہ ذکر و عبادت اور دعا میں بسر کرتے ہیں، تمام بڑے اجتماعات میں حضرت جی خود شریک ہوتے اور اس کا اہتمام فرماتے اور کام کی پوری خبر گیری رکھتے تھے، جماعت کے خواص تمام چھوٹے بڑے معاملات میں حضرت جی سے مشورہ و ہدایات کے طالب ہوتے، آپ سب سے حالات سن کر جامع و مختصر ہدایات سے سرفراز فرماتے، اس ناچیز کا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ سے ۱۹۵۲ء سے تعلق رہا ہے، یہ تعلق حضرت کی آخری زندگی تک برقرار تھا، ۱۹۵۹ء میں جب ایک سال کے لیے حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں قیام تھا اور بخاری شریف کے درس میں بہت اہتمام سے شرکت کرتا تھا، اس زمانے میں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کا بھی تقریباً قیام سہارنپور ہی تھا، اکثر ہمارے کمرے میں تشریف لاتے، بخاری شریف کے بعض تراجم کے بارے میں دریافت فرماتے کہ شیخ کی کیا تحقیق ہے؟ اس

کے بعد اپنی یا مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی رائے بیان فرماتے، اس سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرتؒ کا بخاری شریف کا مطالعہ بہت ہی عمیق و گہرا ہے۔

نظام الدین میں دورہ حدیث کا سلسلہ قائم کیا گیا، اس موقع پر بخاری شریف کا درس حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کے ذمہ کیا گیا، اس وقت سے ہی بخاری شریف حضرت ہی کے زیر درس رہی، ادھر علالت و مشغولیت کی وجہ سے آپ اس سے سبکدوش ہو گئے تھے، مگر مطالعہ کا سلسلہ قائم تھا، دنیا کے حالات سے باخبر رہتے تھے، گذشتہ سال نظام الدین کی حاضری کے موقعہ پر دیکھا کہ حضرت کی الماری میں سیرت کی کتابیں موجود ہیں، سیرت النبی بھی تھی، فرمایا اس میں دو جگہ اشکال ہے، ایک جگہ واقعی صریح تسامح ہے، دوسری جگہ کے بارے میں یہ معلوم تھا کہ حضرت سید صاحبؒ نے اس عبارت سے رجوع کر لیا تھا۔

بہر حال دعوت کے اس عظیم کام کی رہنمائی کے لیے جس طرح روحانی طاقت کی ضرورت ہے اسی طرح علمی کمال و گہرائی کی ضرورت بھی ہے، حضرت والا میں دونوں کمالات اللہ تعالیٰ نے جمع کر دیئے تھے۔

حضرت جی کے توکل و استغنا کی سینکڑوں مثالیں ہیں جو ان کے حالات میں درج کی جائیں گی، دو واقعے اس ناچیز کے ساتھ پیش آئے اس کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے، ۱۹۷۱ء میں حضرت جی امارات کے دورہ پر مع اپنے قافلے کے تشریف لائے، اس وقت یہاں تبلیغی کام ابتدائی مرحلہ میں تھا، اب تو ماشاء اللہ ہزاروں کی تعداد میں عرب و

عجم اس کام سے وابستہ ہیں، اس ناچیز نے حضرت کو کھانے پر دعوت دی اور یہاں کی بعض اہم شخصیات کو بھی مدعو کرنے کا خیال تھا کہ تعارف ہو جائے، حضرت جی نے تو منظور فرمالیا مگر مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری نے بعد میں مجھ سے فرمایا کہ حضرت نے آپ کے تعلق میں قبول فرمالیا ہے لیکن بوجھ ہے، بڑے لوگوں کے ساتھ اس طرح کا اجتماع حضرت پسند نہیں فرماتے، اس ناچیز نے عرض کیا کہ مجھے تو حضرت کی رضا منظور ہے، اس ناچیز نے حضرت کی خدمت میں جا کر عرض کیا: حضرت دعوت کا پروگرام ملتوی کر رہا ہوں، اس پر مسرت کا اظہار فرمایا۔

اسی طرح دو سال پہلے ابو ظبی کی ایک اہم شخصیت کے ہمراہ جو اس ناچیز سے بہت محبت کرتے ہیں ہندوستان جانا ہوا، نظام الدین حضرت سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا، انہوں نے ملاقات کے بعد ایک بڑی رقم ہدیہ کے لیے نکالی، حضرت نے معذرت فرمادی، ان صاحب کو مطمئن کرنے کے لیے مجھے لمبی تقریر کرنی پڑی، لیکن اس کا اثر ان پر یہ پڑا کہ ان کو حضرت اور تبلیغی تحریک سے غیر معمولی عقیدت اور حسن ظن پیدا ہو گیا۔

جنوری ۱۹۹۵ء میں مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں عالمی تبلیغی اجتماع طے کیا گیا، اس مدرسہ کے بانی و سرپرست حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ الحدیث صاحب اور حضرت شاہ وحی اللہ صاحب دونوں بزرگوں کے اجل خلفاء میں ہیں، وہی درحقیقت اس اجتماع کے داعی تھے، اس لیے اس ناچیز نے موقع مناسب سمجھ کر جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ کی بھی دعوت دی، حضرت جی نے منظور فرمالیا، معلوم

ہوا کہ حضرت جیؒ اپنے قافلے کے ساتھ ۲۰ جنوری بروز جمعہ صبح کو بنارس پہنچ رہے ہیں اور وہاں سے ہمارے یہاں تشریف لائیں گے، حاجی رحمت اللہ صاحب جو بنارس کے بڑے تاجر ہیں اور تبلیغی کام اور اس کے اکابر سے گہرا تعلق رکھتے ہیں، وہی منتظم تھے بہر حال ان کے انتظام میں حضرتؒ مع اپنے قافلے کے جامعہ اسلامیہ تشریف لائے، مولانا محمد سعید خان صاحب کی مسجد میں تقریر ہوئی اور حضرت جیؒ نے دعا فرمائی، ہمارے گھر پر عورتوں کا اجتماع تھا، گھر پر تشریف لائے، میرے پوتے (فرید الدین ندوی) نے حفظ قرآن شریف کا آغاز کیا، حضرت نے حفظ قرآن کی دعا کرائی، اس کے بعد بیعت کے الفاظ ادا فرمائے، اور بڑی مؤثر دعا فرمائی، اس ناچیز نے عرض کیا کہ حضرت عرصہ ہوا خواب میں دیکھا تھا کہ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ اس جگہ تشریف فرما ہیں، آپ کے تشریف لانے سے خواب کی تعبیر پوری ہوگئی جب کہ جناب حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ساتھ ہیں۔

گورینی کے اجتماع میں مجمع توقع سے بہت زیادہ تھا، آخری دن ناشتہ کے بعد حضرت مجلس میں تشریف فرما تھے، علماء و مشائخ، خواص سب مجلس میں تشریف رکھتے تھے، اس ناچیز کے سوال پر لمبی تقریر فرمائی، اس کے بعض کلمات یہ ہیں:

”اعمال صالحہ میں حق تعالیٰ نے فی نفسہ حسن رکھا ہے، یہ اعمال اپنے اندر کشش رکھتے ہیں، تقریر و تحریر یہ سب معاون ہیں، اصل نہیں، فرمایا! مولانا عمران خاں فرماتے تھے: اس دعوت کے بانی بھی الکن تھے (یعنی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی زبان میں لکنت

تھی) اور آپ بھی قلیل الکلام ہیں، بیچ میں ابوالکلام آگئے تھے، ان کی مراد حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہ تھے جو گھنٹوں تقریر کرتے اور دعوت کے اصول بیان فرماتے، پھر فرمایا: ہم تو ایسے ہی ہیں ہمارے نام پر ڈگڈگی، بجا کر جمع کر لو اور کچھ کام کر لو۔ پھر تھوڑی دیر آرام فرما کر اجتماع گاہ میں آخری بیان و دعا کے لیے تشریف لے گئے، بیان و دعا ایسی مؤثر ہوئی کہ بیماری کا واہمہ بھی نہیں ہو سکتا تھا مگر کیا معلوم تھا کہ یہ آخری زیارت ہے۔

بلاشبہ حضرت کا وصال تمام ہی مسلمانوں بالخصوص تبلیغی جماعت اور اس کے کارکنوں کے لیے ایک دہلا دینے والا حادثہ ہے مگر جماعت کو اس سے پہلے بھی ایسے ہی حادثات سے واسطہ پڑا ہے اور جماعت نے انتہائی نازک حالات میں بھی ہمت جمع رکھی، قدم پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھنے لگے، کثرت سے جماعتیں باہر نکلیں، امیروں نے اپنے بیانات میں ان باتوں کی تشریح کرنی شروع کر دی، جن کو سیدنا صدیق اکبرؓ کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے نکلوا یا تھا من کان منکم یعبد اللہ فإن اللہ حی لا یموت۔

کام کرنے والوں میں جتنی لگن و تعلق اور جذبہ تھا وہ بہت بڑھ گیا، اس حادثہ کے بعد بھی امید ہے کہ اللہ کے فضل و تائید سے یہی صورت حال ہوگی، اور جماعت کے کارکن مزید ہمتیں جمع کر کے اس بلند مقصد (دعوت الی اللہ اور نبوی نظام زندگی کی اشاعت) کے لیے از سر نو کمر بستہ ہو جائیں گے، اس لیے کہ اس دعوت کا رشتہ کسی

شخصیت اور قائد سے (حتیٰ کہ نبی کریم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی) ایسا نہیں کہ اس کے ارتحال سے دعوت ہی مر جائے۔

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ اور مرحوم و مغفور مولانا ہارون صاحب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد تبلیغی مراکز کو جو خط لکھا تھا اس میں کا ایک جملہ یہ بھی ہے:

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس بابرکت اور با عظمت ہستی جن کے وجود گرامی سے امت کا وجود اور جن کے درد و کرب اور بے چینی سے امت کا نشو و نما اور جن کی گریہ و زاری سے امت کی داریں کی فلاح و نجات اور جن کے چہرہ انور کی زیارت ہزار ہا سال کی عبادت سے زیادہ ترقی دلانے والی تھی، اگر وہ بھی اس دنیائے فانی سے تشریف لے جاویں اور امت ان کی جدائی کے صدمے اور رنج میں مبتلا ہو اور مصائب میں گھر جائے تو حق تعالیٰ شانہ پر اعتماد اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر دین کے لیے قربانیوں اور محنتوں کا انہماک اور بارگاہ الہی میں گڑ گڑا کر دعائیں اور محنت کا دنیا میں تعدیہ و تبلیغ آپ کی ذات عالی کا بدل ہے اور قیامت تک کے لیے یہ سارے جانے والوں کا بدل اپنے میں لیے ہوئے ہے۔“

دعا ہے کہ یہ تبلیغی کام پورے نشاط و قوت کے ساتھ عالم میں پھیلتا جائے اور اللہ تعالیٰ ہر قسم کے فتنوں سے اس کی حفاظت فرمائے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ

(۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء - ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کی وفات اس عہد کا بہت بڑا حادثہ ہے، علمی و روحانی دنیا میں ایسا عظیم خلا پیدا ہو گیا جس کا پُر ہونا بظاہر ممکن نہیں، ان کی ذات گرامی مختلف خصوصیات و کمالات کی حامل تھی، وہ کامیاب ترین مدرس اور عظیم ترین محدث تھے، وہ صاحبِ قلم اور مشہور مناظر تھے، اسلام کے داعی اور زمانہ کے نبض شناس مفکر تھے، ان کی اصابتِ رائے اور دقتِ نظر مسلم تھی، وہ اخلاص و دینی محبت کا اعلیٰ نمونہ، اپنے اکابر کی خصوصیات و روایات کے حامل اور ان کے علوم کے ناشر تھے۔

اس ناچیز کا ان کی ذات گرامی سے تعلق ندوۃ العلماء میں طالب علمی کے زمانہ (۱۹۵۳ء) سے شروع ہوا تھا جو تا زندگی قائم رہا، یہ ناچیز مظاہر العلوم سے ندوہ پڑھنے آیا تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت مولانا نعمانی صاحب اور حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں بزرگوں کا تبلیغی کام سے بہت گہرا عملی تعلق تھا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ بھی اپنے خطوط میں ان حضرات کی خدمت میں حاضری کی تاکید

فرماتے رہتے تھے، ۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۷ء دارالعلوم ندوۃ العلماء میں میری مدرسہ کا زمانہ ہے۔ اس عرصہ میں حضرت مولانا سے زیادہ قرب و اتصال کے مواقع ملے، اس لئے کہ اس ناچیز کے ذمہ جب مشکوٰۃ شریف پڑھانے کے لئے کی گئی، حضرت مولانا اس زمانہ میں ندوہ کے شیخ الحدیث تھے اور دارالعلوم کے تمام اہم کاموں میں شریک مشورہ رہتے تھے، انہیں کی سعی سے کچھ عرصہ کے لئے مشکوٰۃ شریف کی دونوں جلدیں ایک ساتھ کر دی گئی تھیں، اس کے بعد جب حضرت مولانا نے اپنے خاص حالات کی بناء پر تدریسی خدمت سے معذرت فرمائی تو اس زمانے میں آپ جو کتاب یعنی ترمذی شریف پڑھاتے تھے وہ آپ کے مشورے سے اس ناچیز کے ذمے کی گئی اور یہ کتاب تقریباً ۵ سال یعنی ۱۹۶۷ء تک ندوہ میں میرے آخری قیام تک میرے ہی ذمہ رہی۔

حضرت مولانا کے ایما اور حکم کی بناء پر الفرقان میں مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کیا، اس زمانہ میں کئی اسفار بھی حضرت مولانا کے ساتھ ہوئے، جب پہلی مرتبہ دارالعلوم ندوہ کے سلسلہ میں مالیکاؤں، بمبئی، ناگپور وغیرہ سفر کرنا پڑا، تو حضرت مولانا نے وہاں کے ذمہ داروں کو جو ان سے خصوصی تعلق رکھتے تھے، خطوط لکھے جن سے دارالعلوم کے تعارف میں بڑی مدد ملی، ہندوستان سے باہر آنے کے بعد بھی حضرت مولانا سے تعلق برابر قائم رہا، ہر حاضری و ملاقات پر وہ خصوصی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، ان کی بڑی خواہش تھی کہ حضرت مولانا کے ہمراہ سنبھل جو ان کا آبائی وطن ہے وہاں کا سفر ہو جائے، وہاں تعمیر شدہ مسجد کی زیارت کے لیے افسوس اپنے حالات کی بنا پر اس کا موقع نہ مل سکا،

ان باتوں کا تقاضہ تھا کہ الفرقان کے خصوصی نمبر کے لئے کوئی علمی مقالہ تیار کرتا مگر اس وقت ہندوستان سے باہر ہوں، حضرت مولانا کے خطوط اور ان کی اکثر کتابیں یہاں موجود نہیں ہیں، اس لئے چند تاثرات پر اکتفا کر رہا ہوں تاکہ رسالہ الفرقان کے خصوصی نمبر کی بزم میں شرکت کا موقع مل سکے۔

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

گا ہے گا ہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را

حضرت مولانا کا علمی رسوخ:

حضرت مولانا نعمانی نے جس زمانہ میں اپنا علمی سفر شروع کیا تھا، وہ ہندوستان کا عہد زریں کہا جاسکتا ہے، بڑے بڑے اکابر و محدثین، فقہاء و ربانین موجود تھے، جن حضرات کے سامنے حضرت مولانا نے زانوئے تلمذتہ کیا تھا، ان میں کا ایک ایک فرد اپنے فن میں یگانہ روزگار تھا، خصوصیت کے ساتھ حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیری جن کے بارے میں مولانا شبیر احمد عثمانی کی شہادت ہے ”اگر وہ پچھلے دور میں پیدا ہوئے ہوتے تو طبقہ اہل علم میں ان کی بڑی شان ہوتی“، حضرت مولانا نعمانی کا علامہ کشمیری کے ارشد تلامذہ میں خصوصی مقام ہے، دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد درس و تدریس کا مشغلہ رہا، مطالعہ کا شغف تھا، درسی و غیر درسی کتابوں میں جو اشکالات پیش آتے ان کے جوابات کو اہتمام سے نوٹ فرمالیا کرتے، اور علامہ کشمیری کی خدمت میں حاضری کے وقت پیش کرتے، شاہ صاحب کے جوابات بھی نوٹ فرمالیا

کرتے، اللہ تعالیٰ نے قوت حافظہ اور ذکاوت و ذہانت کی دولت سے بھی نوازا تھا، حضرت مولانا فرماتے تھے کہ یہ سوالات حضرت الاستاذ کی خدمت میں میرا خصوصی ہدیہ ہوتے، ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ ترمذی شریف کی ایک عبارت پر اشکال واقع ہوا، اس کو نوٹ کر لیا، حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضری کے وقت اس کو پیش کر دیا، حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: مولوی صاحب! آپ کو یاد نہیں رہا، جس سال آپ دورے میں تھے مجھے خوب یاد ہے میں نے بتایا تھا کہ یہاں ترمذی کے نسخوں میں ایک غلطی واقع ہو گئی ہے، لیکن لوگ سرسری گزر جاتے ہیں ان کو پتہ نہیں چلتا، ورنہ جو اشکال آپ کو پیش آیا ہے وہ انہیں بھی آنا چاہئے، یہ واقعہ دلیل ہے حضرت مولانا کے علمی رسوخ کی، جس کی شہادت ان کے استاد علامہ کشمیری دے رہے ہیں، غرض حضرت مولانا نعمائی نے کتابیں محنت سے پڑھیں اور پڑھائیں، اپنے اساتذہ بالخصوص علامہ کشمیری کے تلمذ و تعلق نے ان کے اندر علمی رسوخ و کمال پیدا کر دیا تھا جو آئندہ ترقی کرتا رہا، ان کی تالیفات سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہے، بالخصوص ان کی کتاب ”معارف الحدیث“ خاص طور سے کتاب الایمان میں مشکل مقامات کو جس طرح حل کر دیا ہے اور آسان بنا دیا ہے وہ طلبہ و علماء سب کے لئے یکساں قابل مطالعہ و استفادہ ہے۔

ان کی ساری زندگی کے رفیق حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ نے ان کے علمی رسوخ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ”علمی رسوخ بہت اونچی چیز ہے، اور ایک خاص امتیاز ہے، میں اللہ کے گھر میں بیٹھ کر شہادت دیتا ہوں کہ مولانا کو علم حدیث میں، تفسیر

میں، علم کلام اور فرق محرفہ اور مخرفہ کے بارے میں جو وسیع معلومات تھیں ان سے جو غیر معمولی واقفیت تھی اور ان کی کمزوریوں اور ان سے پیدا ہونے والے خطرات کا جتنا صحیح اندازہ ان کو تھا، وہ ہندوستان کے مشاہیر علماء کو بھی حاصل نہیں۔

(تقریبی جلسہ ندوۃ العلماء کی تقریر)

حضرت مولانا کے کامیاب مناظرے:

حضرت مولانا نے اپنے وقت کے تمام فتنوں کا وہ قادیانیت ہو یا بریلویت، علامہ مشرقی کی خاکسار تحریک ہو یا اور کوئی فتنہ، ان سب کا گہری نظر سے مطالعہ کیا، اور پوری طاقت سے ان کا رد کیا، مسلمانوں کو ان فتنوں کے نقصانات سے آگاہ کیا اور ان کو بچانے کی کوشش کی۔

مولانا بیان فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور درس و تدریس کا کام شروع کیا، ہندوستان میں چند شدید قسم کے فتنوں سے سابقہ تھا، جن میں بعض داخلی تھے اور بعض خارجی، خارجی فتنہ آریہ سماج کی شدھی سنگٹھن تحریک کا تھا، داخلی فتنوں میں ایک طرف قادیانیت کی یلغار تھی، اور اس کے مناظر و مبلغ پھیل رہے تھے، اور امت کے عقیدہ ختم نبوت کی جڑیں کھودنا چاہتے تھے اور دوسری طرف بریلوی مکتب فکر کے شرک و بدعت نے سراٹھا رکھا تھا، اس لئے حضرت مولانا نے بریلویوں کے تکفیری فتنے کی وجہ سے ان کا گہری نظر سے مطالعہ کیا، اور ان سے پے بہ پے کامیاب مناظرے کئے، اس میدان میں ان کو اپنے اکابر علماء دیوبند کا پورا اعتماد حاصل

تھا، حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا کو اپنا وکیل بنایا تھا جو بہت بڑے اعتماد کی دلیل ہے۔

ندوۃ العلماء میں قیام کے زمانے میں ہمارے استاذ مولانا اسحاق سندیلوی کو ان کے قصبہ سندیلہ میں بریلویوں سے مناظرہ کی نوبت آ گئی، اس سلسلہ میں انہوں نے مناسب سمجھا کہ مولانا نعمانی صاحب سے مشورہ کر لیا جائے، جو اس میدان کے شہسوار رہ چکے ہیں، اس ناچیز کو ساتھ لے کر لکھنؤ کے تبلیغی مرکز میں جہاں حضرت مولانا نعمانی کا قیام تھا حاضر ہوئے، مولانا نعمانی صاحب ان دنوں مناظرہ چھوڑ چکے تھے، وہ دعوت و تبلیغ اور وعظوں کے ذریعہ فضا کی تبدیلی کو زیادہ مفید و موثر سمجھتے تھے، دوران گفتگو حضرت مولانا نے ایک دلچسپ قصہ ایک مناظرہ کا سنایا جس کو میں یہاں نقل کر رہا ہوں ”مبارک پورا عظیم گڑھ میں احیاء العلوم مشہور مدرسہ ہے، اس کے بانی حضرت مولانا شکر اللہ صاحب مرحوم ہیں، انہوں نے لکھا کہ یہاں بریلویوں سے مناظرہ کی نوبت آ گئی ہے، اس لئے فلاں تاریخ کو یہاں تشریف لائیں، ان کے مناظر سید محمد کچھوچھوی ہیں، جو اس طبقہ کے بڑے محدث سمجھے جاتے ہیں، ہم نے چیلنج قبول کر لیا ہے“ مولانا نعمانی نے بیان فرمایا کہ میں نے صبح کی ٹرین سے اپنی آمد کی اطلاع کر دی، مگر بعد میں رائے بدل گئی، جس کی ان کو اطلاع نہیں کی، صبح اسٹیشن پر نہ پا کر وہ لوگ واپس چلے گئے، لوگوں میں مایوسی ہوئی، بریلویوں نے اعلان کر دیا کہ ”دیوبند کے مناظر کا فراز“ بہر حال شام کی ٹرین سے مبارک پور پہونچا اور مولانا شکر اللہ صاحب سے عرض کر دیا کہ میری

آمد کی کسی کو خبر نہ ہو، اور عشاء کے بعد جہاں ان لوگوں کا اسٹیج لگا ہوا ہے اس سے پچاس قدم دوری پر ہمارے پچاس آدمی بیٹھ جائیں بریلوی مناظر کو حضرت مولانا کی آمد کا خیال نہیں تھا اس لئے انہوں نے جلسہ کا آغاز کر دیا، اور ایک نوجوان کو جو داڑھی منڈا تھا، نعت رسول ﷺ کے لئے کھڑا کر دیا، مولانا فرماتے ہیں کہ اتنے میں ہم اپنے ساتھیوں کو لے کر میدان مناظرہ میں آگئے اور ان پچاس آدمیوں کو اپنے ساتھ اٹھا کر اس مناظر کے سامنے بیٹھ گئے، یہ منظر دیکھ کر بریلوی محدث گھبرا گئے، مجھے خیال ہوا کہ مناظرہ تو ہوگا نہیں البتہ نقض امن کا بہانہ بنا کر پولس کو یہ لوگ بلا کر جلسہ ختم کر دیں گے، اس لئے میں نے ان سے مخاطب ہو کر یہ کہا کہ یہ داڑھی منڈا جو نعت رسول ﷺ پڑھ رہا ہے، یہ صریح بے ادبی ہے، اس کو منع کر دیں اور یہ بتلائیں کہ کن مسائل پر مناظرہ کرنا ہے؟ محدث صاحب نے گھبراہٹ میں کہا کہ ہم وعظ کے لئے آئے ہیں، اتنے میں پولس آگئی، وہ پہلے میرے پاس آئی کہ نقض امن کا خطرہ ہے اس لئے جلسہ برخاست کیا جاتا ہے، میں نے کہا پہلے واعظ صاحب کو اٹھائیں، چنانچہ انہیں جا کر پولس والوں نے اٹھا دیا، جلسہ برخاست ہو گیا، اور ہماری کامیابی کا اعلان ہو گیا، یہ ہے مناظرہ کی حقیقت، اور یہ فرمایا کہ اس دور کے نئے و پرانے فتنے کا سد باب دعوت و تبلیغ کے ذریعہ ہی کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مولانا اور ردّ قادیانیت:

قادیانیت کو حضرت مولانا اسلام کی بیخ کنی اور تخریب کاری کا وسیلہ سمجھتے

تھے، اس فتنہ کے رد کو وقت کا اہم فریضہ سمجھ کر مرزا غلام احمد قادیانی کی کفریات، اور افترا پردازی، اور دروغ گوئی جو خود مرزا نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے، ان سب کا اچھی طرح مطالعہ کر کے اس کی نبوت اور دیگر جھوٹے دعاوی کا ایسا بھانڈا پھوڑا کہ مولانا کی کتابوں کو پڑھنے والا قادیانیت اور اس کے بانی کو بھی نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھے گا، اس کو اس قابل بھی نہیں سمجھے گا کہ یہ شخص شرافت و انسانیت کا حامل سمجھا جائے چہ جائے کہ نبوت و رسالت کا۔

مولانا کی تینوں کتابیں: (۱) قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟ (۲) قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ (۳) کفر و اسلام کے حدود اور قادیانیت، یہ کتابیں اپنے موضوع پر بہت ہی اہمیت کی حامل ہیں۔

آخری دور میں ردّ شیعیت کا منفرد کارنامہ:

مولانا کے ضعف پیرانہ سالی، دیگر عوارض صحت اور مزید برآں بعض لحاظ سے معذوری کا دور شروع ہو چکا تھا کہ ایران کے آیت اللہ خمینی نے شاہ ایران کے خلاف اپنی تحریک میں کامیابی حاصل کی، اور خالص شیعہ عقائد پر مبنی حکومت قائم کر کے اسے اسلامی حکومت اور اسلامی انقلاب کے نام سے مشہور کرایا، ان کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر مسلمانوں کا نوجوان طبقہ اس حکومت کو واقعی اسلامی حکومت سمجھنے لگا، نہ کہ ایک خالص شیعہ حکومت، اس لئے ضرورت تھی کہ کوئی مردِ خدا پروپیگنڈے کے اس طلسم کو توڑے، یہ کام اللہ نے حضرت مولانا سے لیا، حضرت مولانا نے خود خمینی کی کتابوں کو

حاصل کیا، اور دیگر مستند شیعہ علماء کی کتابوں کے مطالعہ کا ایک طویل اور پُر مشقت مرحلہ اپنی تمام کمزوری اور معذوری کے باوجود طے کر کے ”ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت“ کے نام سے ایک کتاب تالیف کی، جو اردو، انگریزی اور عربی زبان میں اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے، اس کا اعتراف بڑے مشاہیر علماء عرب نے بھی کیا ہے۔

حضرت مولانا نعمائی نے بہت سے ایسے اعمال چھوڑے ہیں، خصوصاً ان کی تالیفات جو ان کی ذات گرامی کو قیامت تک زندہ جاوید رکھیں گی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ

(۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء - ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء)

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

دلوں میں ابھی حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ کی یاد تازہ تھی کہ ۲۸/۸/۱۹۹۷ء کو اچانک حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہ کے سانحہ ارتحال نے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا، ان کی وفات ناگہانی حادثہ بن کر سامنے آئی جس کا پہلے سے کوئی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، ۲۷/۸/۹۷ء کو حضرت والا کی خیر و عافیت فون سے معلوم کی، بتایا گیا کہ حضرت لکھنؤ اسپتال سے بخیریت باندہ تشریف لے گئے، ان کی خدمت میں حاضری کی تیاری کر رہا تھا کہ ۲۸/اگست کو حادثہ کی خبر فون سے دی گئی، اِنسا للہ وَاِنَّا اِلَيْهِ راجعون۔

ان کی ذات گرامی ہزار پریشاں حال قلوب کے لیے بلجا و ماویٰ تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی محبوبیت و مقبولیت عطا فرمائی تھی کہ وہ جہاں تشریف لے جاتے ان پر

پروانہ وار گرتی اور ان کی زیارت و ملاقات سے دلوں کو قوت اور آنکھوں کو روشنی نصیب ہوتی۔

وہ مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور سے فارغ التحصیل تھے اور حضرت اقدس مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ خلیفہ اجل حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ان کو اجازت و خلافت عنایت فرمائی تھی، مظاہر علوم سے فراغت کے بعد بزرگوں کے مشورہ سے اپنے وطن ہتھورا باندہ کی ایک چھوٹی سی مسجد میں مدرسہ کا آغاز کیا اور قرب و جوار کے لوگ جو جہالت و ضلالت میں غرق تھے اس علاقہ میں دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا، ظاہری وسائل بالکل مفقود تھے، مسجد سے باہر اپنے ہاتھوں بلکہ مٹی کا ایک کمرہ مدرسہ کے لیے تعمیر کیا، وہ آگے چل کر ایک بہت بڑا مدرسہ بلکہ دارالعلوم بن گیا، آج وہاں دورہ حدیث تک کی تعلیم ہوتی ہے، طلبہ کی تربیت میں یہ ادارہ پورے ملک میں شہرت رکھتا ہے، قرب و جوار جہاں کے لوگ اسلام کے اہم ارکان تک سے ناواقف تھے، وہاں سینکڑوں حفاظ و فضلاء تیار ہو گئے، اور گاؤں گاؤں مکاتیب کا ایک طویل سلسلہ قائم ہو گیا، اور دنیا کے سامنے یہ ثابت کر دیا جیسا کہ کسی نے کہا ہے ۔

نہ ملک و مال میں نہ لشکر و سپاہ میں ہے

جو چیز مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

وہ اپنے زہد و استغناء، قناعت و توکل میں سلف صالحین کی چلتی پھرتی مثال تھے، بزرگانِ دین اور اولیائے عظام و صوفیائے کرام کے بارے میں جو کچھ کتابوں میں

لکھا گیا ہے اور جو کچھ سنا جاتا ہے، اس کا زندہ نمونہ بن کر انہوں نے دنیا کو دکھایا کہ سلف صالحین کے راستہ پر اس دور میں چلنا ممکن ہے، حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کے بارے میں سبھی متعلقین اور اہل تعلق کو معلوم ہے کہ کسی باثروت و صاحب مال کا اس کے مال کی بنا پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا، مال و دولت کی ان کی نظر میں کوئی حقیقت نہیں تھی، وہ بالکل اس شعر کے مصداق تھے جو حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا ہے۔

تعلق سے غنی کے ہو گیا غیروں سے مستغنی

پسند آئے نہ کیوں ان کو میرا مغرور ہو جانا

اس دور اخیر میں حضرت والا کا فیض ہندوستان سے باہر لندن و افریقہ وغیرہ ممالک میں پہنچ رہا تھا، گذشتہ ماہ جنوبی افریقہ کا سفر ہوا، اس میں حضرت مولانا کی ترغیب و تاکید ہی اصل سبب تھی، وہاں سینکڑوں علماء و خواص کو پایا جو حضرت والا سے تعلق و محبت رکھتے تھے، معلوم ہوا کہ آخری سفر جو حضرت مولانا نے افریقہ میں جو اپنے استاذ حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی کے سانحہ وفات پر تعزیت کے لیے کیا تھا، صرف ایک ہفتہ وہاں قیام رہا، حضرت مولانا کے گہرے نقوش و اثرات کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی، خیال تھا کہ ملاقات پر سفر کی تفصیل سناؤں گا۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

حضرت مولانا سے اس ناچیز کا تعلق اپنی طالب علمی کے زمانہ سے تھا، ان کے

شیخ و مرشد حضرت اقدس مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو اس ناچیز کے اساتذہ میں سے تھے مظاہر علوم کے قیام کے زمانے میں حضرت والا کی مجلس میں حضرت مولانا سے ملاقات ہو جاتی تھی، اس تعلق کی بنا پر ہی ندوۃ العلماء کی تدریسی خدمت جو ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۷ء تک تھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ حضرت مولانا میرے کمرے میں تشریف لائے، بعض قیمتی مسودات جو حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کے تھے، اس کو اپنے ساتھ لے گئے، اور نقل فرما کر اصل واپس بھجوا دیا، یہاں اس کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت شیخ کے یہاں مدت تک قیام اور بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد کے حواشی کی ترتیب و تصحیح و طباعت کا کام اصلاً حضرت شیخ نے اس ناچیز کے سپرد فرمایا تھا اس لیے بہت قیمتی حدیث پاک پر تحقیقات جواب تک بھی محفوظ ہیں ان کی نقل اس ناچیز کے پاس موجود ہے، حضرت مولانا باندوی سے ادھر چند سالوں میں اس ناچیز کے تعلقات بہت ہی گہرے ہو گئے تھے، متعدد بار حضرت مولانا میری عدم موجودگی میں بھی اعظم گڑھ ہمارے گھر اور جامعہ اسلامیہ میں تشریف لائے، کئی مرتبہ ابو ظبی کی دعوت بھی دی اور یہ کہ وہاں سے عمرہ کرنا آسان رہے گا، مگر مسکرا کر سکوت فرمایا۔

۱۹۸۸ء میں ”العین“ کے پتہ پر حضرت مولانا کا ایک مکتوب گرامی ملا جس میں تین باتیں تحریر فرمائی تھیں۔

(۱) آپ کی ضرورت ہندوستان میں ہے۔ (۲) اس لیے معاشی مسئلہ کے لیے یہاں کچھ کر

لیں، ملازمت کا اعتبار نہیں ہے۔ (۳) اپنی نگرانی میں ایک بڑا مدرسہ قائم کریں۔

خط کا جواب دیا اور فون پر اس ناچیز نے عرض کیا کہ حضرت جہاں پہلی بات کا تعلق ہے میں جو خدمت یہاں رہ کر رہا ہوں بالخصوص حدیث پاک وہ ہندوستان میں مشکل ہے، اس لیے دعا فرمائیں کہ یہاں قیام کی ہر سہولت پیدا ہوتی رہے، الحمد للہ ہندوستان میں ظاہری انتظام اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے، البتہ مدرسہ کے لیے غور کروں گا، اس کے چند روز کے بعد ایسی غیبی صورت پیدا ہوئی کہ مجھے بار بار حضرت مولانا کے خط کا مضمون یاد آتا رہتا ہے، وہ ”تعمیر حیات“ کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ حضرت مولانا نے اس ناچیز سے ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے اتنی جلدی تعمیر و آبادی کی پورے ملک میں مثال نظر نہیں آتی اللہ تعالیٰ ہر طرح کے شر و فتن سے اس کی حفاظت فرمائے، آمین۔

ابھی چند ماہ پیشتر اچانک بنارس سے مَوجاتے ہوئے اس ناچیز کی غیر موجودگی میں جامعہ اسلامیہ مظفر پور تشریف لائے اور وضو فرما کر دفتر میں بیٹھ کر دعا فرمائی اور یہ شعر مہتمم صاحب سے کہا کہ مولانا کو فون پر سنا دینا اور وہاں سے سفر کے لیے روانہ ہو گئے۔

وَمِنْ مَذْهَبِي حُبُّ الدِّيَارِ لِأَهْلِهَا وَلِلنَّاسِ فِيمَا يَعْشُقُونَ مَذَاهِبُ

ان کے مستجاب الدعوات ہونے کی کئی مثالیں اس ناچیز کے سامنے بھی ہیں، اس مختصر مضمون میں اس کا ذکر نہیں کیا جاسکتا، حضرت مولانا کے شیخ حضرت مولانا اسعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اس ناچیز سے بیان فرمایا کہ میں بیمار تھا اور مولوی صدیق عیادت کے لیے آئے، ان سے میں نے کہا کہ دم کرو، وہ جس طرف بڑھ کر دم

کرتے مجھ کو آرام ہو جاتا تھا، یہ خود ان کے شیخ کی شہادت ہے، حضرت مولانا کی زندگی کے واقعات تو بکثرت معلوم ہیں جو بعد میں شائع ہوں گے، اس وقت مقصود یہ بتانا ہے کہ ان کی ذات گرامی سے جو خلاء پیدا ہو گیا ہے، اس کا پُر ہونا مشکل ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے مدرسہ اور ان کے جملہ کاموں کی حفاظت فرمائے، ان کے نقش قدم پر چلنے کی سعادت نصیب فرمائے، ان شاء اللہ ان کے کارنامے ہمیشہ باقی رہیں گے۔

ہرگز نمیر د آں کہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نور اللہ مرقدہ (۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۸ء - ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء)

۱۰ / محرم الحرام ۱۴۲۰ھ موافق ۲۷ / اپریل ۱۹۹۹ء کو نماز صبح کے بعد اچانک یہ خبر معلوم ہوئی کہ حضرت مولانا کی طبیعت بہت ہی خراب ہے، ناامیدی کا عالم ہے، بنارس اسپتال سے منتقل کیا جا رہا ہے، اس پر تعجب ہوا، اس لیے کہ حضرت کی صحت کا مرثدہ چند روز پہلے سن چکا تھا، مدرسہ ریاض العلوم گورینی فون کیا تو یہ غمناک خبر سننے میں آئی کہ حضرت والد اس بچے دن میں عالم آخرت کی طرف روانہ ہو گئے ہیں، **إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔**

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دنیا کی ہر چیز کو فنا ہے، ہر آنے والے کو جانا ہے، بعض افراد کی موت سے خاندان و قبیلے کے لوگ متاثر ہوتے ہیں، اور بعض بزرگوں کے تشریف لے جانے سے محدود علاقہ کے لوگ متاثر ہوتے ہیں، لیکن بعض ایسے افراد ہوتے ہیں جن کے رخصت ہونے سے پوری امت اسلامیہ کا خسارہ ہوتا ہے، اس دورِ اخیر میں حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی اس ملک ہندوستان و شمالی ہند میں

بہت بڑا مرجع و مرکز تھی، ان کی ذات گرامی سے بمبئی و گجرات اور شمالی ہند ہی کے لوگ نہیں بلکہ سنگاپور و ملایا وغیرہ سے عشق و محبت کی تلاش میں لوگ چلے آ رہے تھے۔

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ اور حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ دونوں کے منظور نظر تھے، اور دونوں بزرگوں کے خلفاء میں آپ کو ایک امتیازی مقام حاصل تھا، ان دونوں کی مجالس میں شرکت کی اس ناچیز کو بھی سعادت حاصل ہوئی، بالخصوص حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے تیس سال تک تعلق رہا ہے، بارہا حاضری پر طویل قیام کی سعادت حاصل رہی ہے، شیخ کی شفقت و اکرام کا حال دیکھا ہوا ہے۔

شنیدہ کے بودمانند دیدہ

حضرت شیخ نے ایک مرتبہ اپنی مجلس میں ارشاد فرمایا ”کہ مولوی عبدالحلیم میرے ان دوستوں میں ہیں جن کو مرتبہ حضوری اور استحضار حاصل ہے، اس ارشاد کے بعد حضرت مولانا سالوں با حیات رہے ہیں، اس عرصہ میں جو منازل طے کئے ہوں گے اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہوگا۔

حضرت اپنے اخلاق و عادات میں سلف صالحین کی زندہ یادگار تھے، جن لوگوں کو ان کی مجلس میں بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے وہ اس کا انکار نہیں کر سکتے، وہ ایک خاص انس و لطف و محبت محسوس کرتے تھے۔

اس ناچیز کا حضرت والا سے تعلق ۱۹۶۵ء سے پیدا ہوا تھا، پہلی ملاقات جناب

حکیم منظور احمد صاحب جو پنپوری کے مکان پر ہوئی تھی، اس زمانے میں حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کا قیام الہ آباد میں تھا اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اکثر قیام الہ آباد کی خانقاہ میں رہتا تھا، حضرت شاہ صاحب کے وصال کے بعد کثرت سے حضرت مولانا کے اسفار سہارنپور کے ہونے لگے، رمضان المبارک میں وہی پر قیام رہتا تھا، اس لیے ہمیشہ ملاقات و زیارت کا شرف حاصل ہوتا، کئی اسفار اس ناچیز نے بھی حضرت مولانا کے ہمراہ کئے ہیں، ان میں حضرت کا وہ سفر بھی ہے جو انہوں نے ہندوستان سے پاکستان فیصل آباد کا کیا تھا، اس میں حضرت مولانا کے ہمراہ ان کے صاحبزادے مولوی عبدالعظیم ندوی مظاہری بھی تھے، یہ ٹرین کا سفر تھا، حضرت کے نماز باجماعت و تہجد کا ٹرین میں اہتمام دیکھا، فیصل آباد میں مولانا مفتی زین العابدین صاحب کے مدرسے کی مسجد میں حضرت شیخ کو اعتکاف کرنا تھا، وہاں حاضری ہوئی اور حضرت مولانا کے ہمراہ ہندوستان واپسی ہوئی، اس سفر کے علاوہ بمبئی و سہارنپور و لکھنؤ کے مختلف اسفار حضرت مولانا کے ساتھ کئے، خط و کتابت کا بھی سلسلہ رہا، افسوس کہ اکثر خطوط ضائع ہو گئے ورنہ اس مقالے میں ان سے بہت مدد ملتی، حضرت مولانا نے مظاہر علوم سے فراغت کے بعد اپنے وطن دیوڑیا فیض آباد میں درس و تدریس، دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا، جس کے اچھے نتائج ظاہر ہوئے، مگر تقدیر الہی سے حضرت مولانا نے مانی کلاں جو پنپور میں آ کر سکونت اختیار فرمائی اور ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی، حفظ و تجوید اور عربی درجات قائم کئے، اپنی جد و جہد اور قربانی سے مسجد بھی تعمیر کرائی اور درس گاہیں و طلبہ

کے رہنے کا رواق بھی بنوائے، یہ مدرسہ ترقی کی راہ پر گامزن تھا کہ اچانک وہاں ایک فتنہ پیدا ہو گیا، کچھ لوگوں کے ذہن میں یہ بات آ گئی کہ یہ اجنبی عالم ہمارے قصبے میں آ کر متوطن ہو گئے ہیں، اور اپنا اثر و رسوخ بڑھا رہے ہیں، افسوس کہ جو دینی و علمی فوائد پہونچ رہے تھے ان سے ان کی آنکھیں اوجھل ہو گئیں، اس زمانے میں اس ناچیز کی متعدد بار مدرسہ میں حاضری ہوئی بلکہ حضرت والا نے مختلف گاؤں کے لوگوں کو جمع فرمایا، اس میں ناچیز کی تقریر بھی رکھی، افہام و تفہیم کا سلسلہ جاری تھا، مگر فتنہ نے شدت اختیار کی، حضرت والا کے غایت اخلاص کی بات ہے کہ بے تکلف مدرسہ سے استعفا دے دیا اور ہر طرح کے مقابلے سے گریز فرمایا، مجھے یاد ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ نے بعض خدام سے اس پر افسوس کیا کہ اتنی جلدی و آسانی سے اس مدرسے کو نہیں چھوڑنا چاہئے تھا، مگر حضرت کا حال اس شعر کے مطابق تھا۔

جو ہے ہر حال میں راضی فدا ہے ان کی مرضی پر
بڑا خوش بخت ہے، بخشی گئی ہے اس کو دانائی

مدرسہ ریاض العلوم کا قیام:

شرے کہ بر انگیزد در و خیرے نہاں باشد

جو فتنہ مانی کلاں میں اٹھا تھا اس پر حضرت والا کے صبر و استقلال نے ایک بڑے خیر کا دروازہ کھول دیا، گورینی میں (جو مانی کلاں سے متصل ہے) وہاں ایک بڑی زمین لب سڑک حضرت والا کو مل گئی، وہاں جا کر ۱۹۷۷ء میں مدرسہ ریاض العلوم کا سنگ

بنیاد رکھا گیا، مجھے اس بات کے ذکر پر شرم محسوس ہو رہی ہے مگر ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت والا نے پہلی اینٹ اس ناچیز کو رکھنے کا حکم دیا، حضرت کی اس وقت جو کیفیت تھی وہ ناقابل بیان ہے، بڑی تضرع و زاری کے ساتھ دعاء فرمائی جس کا ثمرہ آج نگاہوں کے سامنے ہے، یہ مدرسہ آج مشرقی یوپی کا گویا مظاہر علوم بن گیا، حضرت والا چونکہ مدرسہ مظاہر علوم کے فاضل تھے اور وہاں سے فراغت کے بعد اکابر مظاہر نے معین مدرس بھی بنایا تھا مگر آب و ہوا کی عدم موافقت کے سبب مظاہر کو ترک کرنا پڑا، مگر مظاہر سے تعلق بالخصوص حضرت اقدس شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ سے جو آپ کے استاذ بھی تھے اور شیخ بھی ہمیشہ ربط قائم رہا ہے، اسی طرح حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے بھی نور نظر تھے اور حضرت نے اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا، اس کے بعد حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب نے بھی اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا، دونوں بزرگوں سے فیض یاب ہوئے تھے اور دونوں کے یہاں ان کے خلفاء میں خصوصی مقام حاصل تھا، حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا ”مولوی عبدالحلیم کو نسبت حضور و استحضاری حاصل ہے۔“

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کے انتقال کے بعد حضرت والا نے اپنا کام شروع کیا اور بہت وسیع حلقہ ہو گیا، وعظ و ارشاد کا سلسلہ جاری رہتا تھا، اہل بمبئی کے اصرار پر بالخصوص بھائی رضوان صاحب عطر والے جو حضرت کے جانثار خادموں میں ہیں حضرت کے متعلقین و متوسلین کے لئے ہمیشہ ان کی خدمات حاضر رہتی ہیں، انہوں نے

بمبئی میں رمضان المبارک میں اعتکاف کی درخواست کی، اس پر حضرت والا نے وہاں رمضان المبارک گزارا اور اعتکاف فرمایا، حضرت والا کے ساتھ ایک بڑی جماعت نے اعتکاف کیا، جس سے لوگوں کو بہت ہی فائدہ ہوا، دعا و نماز، ذکر و تلاوت کی حلاوت سب لوگ محسوس کرنے لگے، اہل سلوک نے روحانی ترقیات کے منازل طے کئے، ویسے حضرت والا ہر سال گورینی کی وسیع و عریض مسجد میں اعتکاف فرماتے، ادھر آخر سالوں میں اعتکاف سے معذوری تھی، آنے والوں کا بڑا مجمع ماہ مبارک میں جمع ہو جاتا، اور ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر فیض یاب ہونے کی کوشش کرتا اور رمضان کے ہر دن کو صرف رمضان کا نہیں بلکہ اپنی زندگی کا آخری دن سمجھتا۔

ساقیاں لگ رہا ہے چل چلاؤ

جس قدر بس چل سکے ساغر چلے

مختلف شہروں و علاقوں کے لوگوں کی دعوت پر حضرت تشریف لے جاتے اور وعظ و ارشاد اور اپنی مجالس سے فیض یاب فرماتے۔

بلاشبہ حضرت کے اسفار سے مدرسہ ریاض العلوم کی ترقیات میں بڑی مدد ملی مگر کہیں حضرت نے مدرسہ کے لئے چندہ و سوال کی صورت نہیں اختیار فرمائی بلکہ اہل تعلق اس کی فکر کرتے رہتے ہیں۔

تبلیغی جماعت سے گہرا تعلق:

جماعت کے اکابر حضرت کا بہت ہی خیال فرماتے، نظام الدین تشریف آوری

واجتماعات میں حضرت والا کی شرکت کو تقویت کا ذریعہ سمجھتے، حضرت بھی اہتمام سے تبلیغی اجتماعات میں شرکت فرماتے، اپنے صاحبزادے مولانا عبدالرحیم ناظم مدرسہ ریاض العلوم کو ایک چلے کے لیے بھیجا تھا اور اپنے مدرسہ میں جماعت کے اجتماع و طلبہ کو جماعت میں نکلنے کی ترغیب دیتے، آخر میں گورینی میں حضرت ہی کی فرمائش و اہتمام کی بنا پر عالمی اجتماع رکھا گیا، اس اجتماع میں شرکت کے لیے یہ ناچیز بھی ابوظہبی سے حاضر ہوا تھا، اجتماع کا انتظام بہت ہی مرتب تھا، ہر طرح کے لوگوں کو راحت کے اسباب مہیا کئے گئے، مجمع کا اندازہ دس لاکھ سے زیادہ تھا، اکابر علماء و مشائخ کا بھی مجمع اکٹھا ہو گیا تھا، کثرت سے جماعتیں نکلیں۔

یہی وہ موقع ہے جس میں حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ ہماری دعوت پر ہمارے مدرسہ جامعہ اسلامیہ اور ہمارے مکان پر تشریف لائے، وہ منظر بھی فلک روزگار کو یاد رہے گا۔

حضرت مولانا ہندوستان کی تینوں عظیم درسگاہوں کی شوریٰ کے ممبر تھے: حضرت مولانا مظاہر علوم کی شوریٰ کے ممبر تھے اور آخر میں اس کے صدر بھی بنائے گئے تھے، اہتمام سے اس میں شرکت فرماتے، مظاہر علوم کی ترقی کے لیے ہر وقت فکر رکھتے تھے۔

دارالعلوم کی شوریٰ کی ممبری کا قصہ بھی ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے، جب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے دارالعلوم کی شوریٰ سے اپنی

معذوریوں کی وجہ سے استعفا دیا تو دیوبند کی اہمیت کے پیش نظر حضرت کارحان تھا کہ حضرت مولانا کو اس کا ممبر بنایا جائے، چنانچہ اس کا تذکرہ حضرت مولانا علی میاں مدظلہ العالی اور حضرت مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا، اور ان دونوں کی تحریک سے بالاجماع شوریٰ کے ممبر مقرر ہوئے، ہر جلسہ میں جب تک صحت تھی شرکت فرماتے، محترم حاجی علاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے خصوصی کرم فرماتے، ان تینوں مدرسہ کے ممبر تھے، وہ روداد سفر سناتے تھے، دارالعلوم کی شوریٰ کے رکن تھے، اس میں شرکت کے لیے بھی خصوصی اہتمام رہتا، کئی مرتبہ ہمسفر ہونے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ سے غایت محبت رکھتے تھے، جوان کے دنوں شیوخ کی محبت کا عکس تھی، اہل ندوہ و حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ بھی بہت ہی اہتمام فرماتے، اکثر شوریٰ میں حضرت مولانا ہی صدر ہوتے اور انہی کی دعاء پر جلسہ کا اختتام ہوتا، حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ العالی سے تعلق کا یہ عالم تھا کہ ہمارے یہاں جامعہ اسلامیہ مظفر پور میں جلسہ تھا، جس میں حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ تشریف لائے تھے، اس ناچیز نے حضرت مولانا کو دعوت دی تھی مگر مرض وضعف کی وجہ سے اصرار مناسب نہ معلوم ہوا، دوسرے دن صبح تشریف لائے، مولوی عبدالعظیم ندوی ہمراہ تھے، بتایا کہ حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ کی ملاقات کے اشتیاق میں تشریف آوری ہوئی ہے، ”رجلان تحاببا فی اللہ“ کے اب یہ نمونے کہاں ملیں گے؟ حضرت مولانا کے ذاتی صفات و کمالات پر بہت لکھا جائے گا، یہ ناچیز اپنی والدہ

محترمہ کی علالت کے سبب مشنت البال ہے، اس لیے اسی پر اکتفاء کر رہا ہوں، ورنہ حضرت والا سے اس ناچیز کا جو تعلق تھا وہ جس قدر محبت و شفقت کا معاملہ فرماتے تھے اس کا تقاضا ہے کہ مفصل مقالہ لکھا جائے، اللہ تعالیٰ کو اگر منظور ہوا تو ان شاء اللہ لکھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے کارناموں کی بالخصوص ان کے قائم کردہ عظیم الشان درسگاہ مدرسہ ریاض العلوم گورینی کی ہر طرح حفاظت فرمائے اور ترقیات سے نوازے، آمین۔

محترم مولانا معین اللہ ندوی نور اللہ مرقدہ (..... - ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء)

۲۲ اگست ۱۹۹۹ء کو نماز فجر کے بعد اچانک یہ اطلاع ملی کہ محترم جناب مولانا معین اللہ صاحب ندوی صبح چار بجے اس دار فانی سے رخصت ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

مولانا عرصہ سے علیل چل رہے تھے مگر اتنی جلد ان کے رخصت ہو جانے کا تصور بھی نہیں تھا، خبر سننے کے بعد دل و دماغ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوئی، یقین اس لیے بھی نہ ہوا کہ ابھی ایک ماہ پیشتر مولانا کی جانب سے دو مرتبہ ان کے صاحبزادے حافظ عبید اللہ صاحب نے فون کیا اور میری والدہ صاحبہ کی خیریت معلوم کی، جو عرصہ سے بیمار چل رہی ہیں، انھوں نے فون پر یہ بھی بتلایا کہ والد صاحب کو شدت سے ملاقات کا اشتیاق ہے، اس ناچیز نے کئی بار اپنے ہندوستان کے سفر میں اندور حاضری کا پروگرام بنایا مگر اپنے حالات کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکا۔

لیس کل ما یتمنی المرء یدرکہ

تجری الریاح بما لا تشتہی السفن

وہ حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ کے عزیز ترین شاگرد تھے، انہوں نے حضرت کی ذات گرامی سے اپنے کو وابستہ کر رکھا تھا، بلکہ زیادہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ پیوستہ کر رکھا تھا۔

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

سہارنپور اور نظام الدین سے ان کا خصوصی تعلق تھا، انہوں نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا زمانہ پایا تھا، بعد میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا ندھلوی سے بیعت بھی ہو گئے تھے، اس لیے حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ سے اور تبلیغی کام اور مرکز نظام الدین سے ان کا بہت گہرا تعلق تھا جو تادم آ خر قائم رہا، حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کا جو تبلیغی سفر حجاز مقدس، مصر اور شام کے لیے ہوا تھا اس میں وہ بھی شریک تھے، حضرت مولانا کی واپسی کے بعد بھی کچھ مدت تک تبلیغی کام کے سلسلہ میں ان کا قیام حجاز مقدس میں رہا، اور اس کے بعد ہندوستان واپسی ہوئی، چونکہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی ذمہ داری علامہ سید سلیمان ندویؒ پاکستان ہجرت کرنے کے موقع پر حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ تعالیٰ کو سپرد کر گئے تھے، اس لیے حضرت مولانا نے اپنے زمانے میں جو ترتیب دارالعلوم کے لیے بنائی تھی اس کے مطابق مولانا معین اللہ صاحب کو چھوٹی بورڈنگ کی نگرانی اور ابتدائی درجات کی تدریس سپرد ہوئی۔

یہ ناچیز ۱۹۵۳ء میں ندوۃ العلماء میں بحیثیت طالب علم فضیلت اول میں داخل ہوا تھا، میری آمد سہارنپور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نور اللہ مرقدہ کی

طرف سے ہوئی تھی، شاید یہی وجہ تھی کہ مولانا معین اللہ صاحب نے میرے داخلہ کے بعد شروع ہی سے بہت ہی شفقت اور عنایت کا معاملہ رکھا، جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ مولانا مرحوم چھوٹی بورڈنگ کے نگراں تھے، چھوٹی اور بڑی بورڈنگ دونوں کے طلباء کی تعداد ۷۵، ۸۵ کے قریب تھی اس لیے مولانا دونوں بورڈنگوں کی نگرانی فرماتے اور فجر کی نماز کے لیے طلباء کو جگایا کرتے تھے، تبلیغی جماعت کا ہفتہ وار اجتماع ندوہ کی مسجد میں ہوا کرتا تھا، مولانا اس میں شرکت کے لیے طلباء کو متوجہ کرتے اور کبھی کبھی خود بھی بیان کرتے۔

ندوہ میں میری مدرسے کا زمانہ ۱۹۵۶ء کے اخیر کا ہے، اس وقت مولانا عمران خاں صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم تھے، دو تین ماہ کے بعد مولانا بھوپال تشریف لے گئے، ان کے جانے کے بعد دارالعلوم شدید مالی بحران میں مبتلا ہو گیا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا عمران خاں صاحب نے تقسیم کے بعد جس طرح دارالعلوم کو سنبھالا اور مختلف شہروں کا دورہ کر کے مالی امداد حاصل کی اور ادارہ کو باقی رکھا، یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے، حضرت مولانا علی میاں مدظلہ ندوۃ العلماء کو اس کے مقاصد کے تحت ترقی دینا چاہتے تھے، مگر وسائل بالکل نہیں تھے، حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے مولانا معین اللہ صاحب جیسا مخلص اور فہیم دست راست عطا فرمایا جنہوں نے اپنے اخلاص اور ذہانت اور حکمت عملی سے دارالعلوم کی ترقیات کی بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لے کر حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کے بار کو ہلکا کر دیا، اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ جدید

ندوة العلماء کے مہندس اور مخطوط تھے، ۱۹۵۸ء میں مولانا کو نائب ناظم تعمیر و ترقی بنایا گیا، درحقیقت صرف تعمیرات ہی نہیں بلکہ تعلیم و تربیت اور دارالعلوم کے جملہ معاملات میں ان کی رائے کو اہم سمجھا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے مسلسل بیماری کے باوجود ان کو عزم و ہمت اور بلند حوصلہ کی نعمت سے نوازا تھا، دارالعلوم کی تعمیر و ترقی کے لیے جو بھی پروگرام بنایا جاتا گو وہ ظاہری لحاظ سے بہت بڑا معلوم ہوتا، پھر بھی تو کلا علی اللہ اسے شروع فرما دیتے، پھر اللہ تعالیٰ غیب سے اس کی تکمیل کا انتظام فرما دیتا، انہوں نے اپنی حکمتِ پیہم، عزم مصمم، اور جہدِ مسلسل سے دارالعلوم ندوة العلماء کو مقبول عام و خاص بنا دیا، اس کے تعارف کے لیے انہوں نے مختلف شہروں اور علاقوں میں برابر وفد بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا، وہ دارالعلوم کے اساتذہ کو شعبان میں تیار کرتے کہ وہ اپنی سالانہ تعطیل کا کچھ حصہ اس خدمت کے لیے وقف کریں، ان کی اس آواز پر سب نے لبیک کہا، دارالعلوم کا بجٹ اس وقت چالیس پینتالیس ہزار کے درمیان ہوا کرتا تھا، بظاہر اس کا پورا ہونا دشوار معلوم ہوتا مگر مولانا کی اس ترتیب سے نہ صرف یہ کہ دارالعلوم کا بجٹ پورا ہوتا گیا بلکہ مزید تعمیرات کے لیے بھی راستے کھلے اور عوامی سطح پر اس کی شہرت اور مقبولیت میں اضافہ ہوتا گیا جس کا مشاہدہ آج سب لوگ کر رہے ہیں، سچ کہا ہے کہنے والے نے ے

جو ہو عزم سفر پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

مجھے یاد ہے کہ ۱۹۵۷ء میں عید الاضحیٰ کی چھٹیوں کے موقع پر مولانا نے اس ناچیز اور حافظ عبدالنواب اعظمی کو کالیپونگ، دارجلنگ اور آسام بھیجا تھا، ان کو اس سفر کی اتنی فکر تھی کہ

حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کو لے کر میرے کمرہ میں تشریف لائے اور حضرت مولانا نے خاص طور پر اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا، اٹھارہ دن کے بعد واپسی ہوئی، اٹھارہ سو کا چندہ ہوا، اس زمانہ میں یہ بڑی رقم شمار کی گئی، رمضان المبارک میں دیگر اساتذہ اور ملازمین کو مختلف علاقوں میں بھیجنے کی ترتیب کے تحت ناچیز کو مالیگاؤں اور ممبئی وغیرہ کے سفر کے لیے مقرر فرمایا، سفر سے قبل وہ سفر کے آداب و اصول کی تلقین کرتے، مالیگاؤں پہنچا تو ایک ہفتہ کے اندر دو ہزار سات سو پچاس روپے کا چندہ ہوا، جب خط کے ذریعہ اس کی اطلاع کی گئی تو اس رقم پر کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا، حتیٰ کہ مولانا عبد السمیع صاحب ندوی مرحوم نے جو نائب ناظم تعمیر و ترقی تھے لکھا کہ سات سو پچاس پر آپ نے معلوم ہوتا ہے کہ دو کا عدد بڑھا دیا ہے کیوں کہ دو ہزار سات سو پچاس پر کسی کو یقین نہیں آ رہا ہے، مالیگاؤں سے ممبئی وغیرہ کا سفر ہوا جہاں حاجی علاؤ الدین صاحب (مرحوم) کو اللہ تعالیٰ نے ہمارا سب سے بڑا معاون بنا دیا، وہاں بھی اسی طرح کامیابی حاصل ہوئی۔

اس سفر کے متعلق ناچیز نے تفصیلی خطوط روانہ کئے تو حضرت مولانا معین اللہ صاحب نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ سے کئی خطوط لکھوائے، اس ناچیز نے یہ بھی لکھا تھا کہ دارالعلوم کی شہرت اور اس سے واقفیت بہت کم ہے، اس علاقہ میں مولانا علی میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا تعارف بھی اس زمانے میں زیادہ نہیں تھا، اس لیے حضرت مولانا منظور صاحب نعمانی (مرحوم) سے خطوط لکھوا دیجئے، چنانچہ انھوں نے ان سے کئی خطوط لکھوا کر بھیجوائے، جن سے تعارف و

امداد میں بڑی مدد ملی، اگلے سال جوگیشوری میں ایک بڑا تبلیغی اجتماع رکھا گیا تھا، میں نے حاجی علاؤ الدین صاحب مرحوم کو تیار کیا کہ آپ اور حاجی احمد غریب صاحب مرحوم خط لکھ کر حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو اس میں شرکت کے لیے تیار کریں تاکہ دارالعلوم کے تعارف میں مدد ملے، چنانچہ انہوں نے خط لکھے مگر حضرت مولانا کا جواب معذرت کا آیا، تب میں نے حاجی علاؤ الدین صاحب اور جناب حاجی احمد غریب صاحب سے تار کرایا اور جناب مولانا معین اللہ صاحب مرحوم سے فون پر بات کی، مولانا نے فرمایا کہ پنجاب میل سے سیٹ بک کرارہا ہوں، ان شاء اللہ حضرت مولانا ضرور جائیں گے۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ممبئی تشریف لائے، اس موقع پر ناچیز نے ایک خصوصی نشست کا اہتمام صابو صدیق مسافر خانہ میں کیا، حضرت مولانا نے اجتماع سے خطاب کیا اور ندوہ کے مقاصد پر گفتگو فرمائی، اس موقع پر ندوہ میں بچوں کی جدید بورڈنگ کے لیے ایک ایک کمرہ کی اپیل کی گئی، جس سے دارالاقامہ سلیمانیہ کی تکمیل میں بڑی سہولت ہوئی، اس رواق میں جتنے کمرے بمبئی والوں کے نام سے بنے ہیں وہ اسی اجتماع کی یادگار ہیں۔

کبھی فرصت سے سن لینا عجب ہے داستاں میری

یہی سفر مجلس تحقیقات و نشریات کے آغاز کا بھی سبب بنا کہ ایک صاحب نے اس سلسلے میں گراں قدر رقم حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کی، مولانا معین اللہ

صاحب کی فکر مندی اور لگن ہی کی برکت سے حضرت مولانا مدظلہ کا کویت اور رنگون کا سفر ہوا تھا۔

مختصر یہ کہ دارالعلوم کی تعمیر و ترقی میں ان کا بڑا حصہ رہا جس پر وہاں کی عمارتیں شاہد عدل ہیں، دارالعلوم کی مجلس شوریٰ میں یہ بات طے ہوئی کہ بعض نوجوان مدرسین کو علمی تیاری کا موقع دیا جائے، اس سلسلے میں اس ناچیز کو حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں بھیجا جانا طے کیا گیا، اس زمانے میں یہ ناچیز ابتدائی کتابیں پڑھا رہا تھا، ان میں ریاض الصالحین بھی تھی، اس کی برکت سے بعض صحابہ کرامؓ کے قبور کی خواب میں زیارت ہوئی خاص طور سے حضرت ابی بن کعبؓ کی قبر مبارک کا خواب بڑا واضح تھا، خواب ہی میں دیکھا کہ طلبہ کے سامنے حضرت زید بن حارثہ حب رسول اللہ کا ترجمہ کرا رہا ہوں اور حب کا ترجمہ چہیتے سے کرا رہا ہوں، سہارنپور سے حضرت شیخ کے خط کا انتظار تھا کہ حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ نے عصر کی نماز سے پہلے مہمان خانہ میں طلب کر کے فرمایا کہ میں تمہیں حضرت شیخ الحدیث کے پاس حدیث کی تیاری کے لیے ایک سال کے لیے بھیجنا چاہتا ہوں، وہاں سے واپس جب اپنے کمرے میں آیا تو حضرت شیخ الحدیث کی جانب سے میرے خط کا جواب ملا جس میں تحریر فرمایا تھا کہ تم کو عالم رویا میں حدیث شریف سے مناسبت اور اس علم شریف کی خدمت کی بشارت دی گئی ہے، شوال میں سہارنپور جانا طے ہوا اور اس کی اطلاع حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمہ اللہ حضرت شیخ الحدیث کو دے چکے تھے، البتہ

دارالعلوم میں ضرورت کی بنا پر کچھ تر د ضرور تھا کہ اچانک حضرت شیخ الحدیث کا خط بنام حضرت مولانا علی میاں صاحب آیا کہ مجھے مولوی تقی کا انتظار ہے، حضرت مولانا معین اللہ صاحب نے حضرت مولانا علی میاں ندوی صاحب سے عجلت میں منظوری حاصل کر کے کہا کہ ابھی سہارنپور چلے جائیے کہ حضرت کو آپ کا انتظار ہے، اس طرح حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، درس بخاری میں شرکت کے علاوہ اور دیگر علمی کاموں کو بھی حضرت کی زیر نگرانی انجام دیتا رہا، ندوۃ العلماء کی جانب سے مجھے ستر روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی تھی، چند روز کے بعد مولانا معین اللہ صاحب حضرت مولانا علی میاں صاحب کے ساتھ سہارنپور تشریف لائے، میری محنت کو دیکھ کر بڑی شفقت سے بار بار فرمایا کہ دودھ کا استعمال رکھئے، چنانچہ پندرہ روپیہ مزید الاؤنس دارالعلوم ندوۃ العلماء سے مقرر فرمایا جو آخر سال تک ملتا رہا۔

۱۹۷۰ء میں اس ناچیز کا قیام گجرات میں تھا، جہاں بخاری شریف اور ترمذی شریف کے درس کی سعادت حاصل تھی، حضرت شیخ الحدیث نے جب بذل المجہود کو حواشی کے ساتھ عربی ٹائپ پر طبع کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس ناچیز کو تحریر فرمایا کہ تم ایک سال کی چھٹی لے کر میرے پاس آ جاؤ اور اس کتاب کو طبع کرا دو، یہ میری دیرینہ تمنا کے پورا ہونے کا ذریعہ ہے اور تمہارے لیے صدقہ جاریہ، مگر اس سلسلے میں علی میاں اور مولوی معین اللہ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں، دونوں حضرات نے پرزور تائید کی، اس سلسلے کے مکاتیب الفرقان کے خصوصی شمارے میں شائع ہو چکے ہیں، حضرت شیخ الحدیث کی جو

کتا ہیں ندوہ سے چھپی ہیں ان میں حضرت مولانا معین اللہ صاحب اور مولانا سعید الرحمن صاحب کا بڑا حصہ ہے۔

دارالعلوم میں تربیت و نگرانی کا بہت اہتمام رہتا تھا، حضرت مولانا منظور صاحب نعمانی نے ایک بار فرمایا کہ مولانا معین اللہ صاحب تربیت میں تو شیخ کا درجہ رکھتے ہیں، اس سلسلے کا ایک عجیب و غریب واقعہ نقل کر رہا ہوں جس سے مولانا معین اللہ صاحب کی حکمت عملی اور مشائخ کی ان پر شفقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

مظاہر میں گجرات کے ایک بڑے تاجر کے صاحب زادے دورۂ حدیث پڑھنے آئے، ان کا پورا خاندان حضرت شیخ اور تبلیغ سے وابستہ ہے، چنانچہ حضرت نے ان کے قیام کا انتظام فرمایا مگر ان کا مظاہر میں داخلے کے بعد یہ حال تھا کہ رات میں کمرے سے اور دن میں درجہ سے غائب رہتے، ناظم صاحب نے حضرت شیخ سے شکایت کی کہ یہ طالب علم اب مدرسے میں رہنے کے قابل نہیں، حضرت نے حالات سے واقفیت کے بعد ایک پرچہ اس طالب علم کے نام لکھا، اس میں تحریر فرمایا کہ تمہارے بھائیوں کی وجہ سے ہم نے تمہارا خیال رکھا تھا مگر موجودہ حالت میں اب تمہارا رہنا مناسب نہیں، اس لیے چوبیس گھنٹے کے اندر مدرسہ خالی کر دیں، وہ طالب علم پرچہ لے کر مدرسہ کے شیخ الحدیث اور اس کے بعد مولانا عبدالمنان صاحب دہلوی اور کئی حضرات کے پاس گئے سب نے بیک زبان کہا کہ مولوی تقی صاحب سے بات کرو کہ بذل المجہود کی وجہ سے حضرت شیخ سے قرب تھا، وہ صاحبزادے یہ پرچہ لے کر مولانا معین اللہ

صاحب مرحوم کے پاس پہنچے، ان دنوں مولانا سہارنپور تشریف لائے ہوئے تھے، چنانچہ مولانا نے اس ناچیز کو بڑی ترکیبوں کے بعد تیار کیا، چنانچہ عشاء کے بعد حضرت کی خصوصی مجلس میں اس طالب علم کو لے کر حاضر ہوا، آگے آگے یہ ناچیز اور پیچھے پیچھے وہ طالب علم، حضرت نے پوچھا کون! اس طالب علم نے اپنا نام بتایا حضرت نے فرمایا کہ مولوی تقی کو پٹی پڑھا کر لائے ہیں اور زور سے ڈانٹ کر اس طالب علم سے کہا کہ بھاگ جاؤ، باہر لکڑی کے ٹال پر بیٹھے ہوئے لوگ دوڑ کر آئے کہ کیا حادثہ پیش آ گیا، اس طالب علم کی سعادت تھی کہ اس نے حضرت کے پیروں پر گر کر معذرت کرنا شروع کر دی، حضرت کا لہجہ نرم پڑ گیا اور کہا کہ ایک ماہ کی مہلت دی جاتی ہے اور مولوی تقی اس کے ذمہ دار ہوں گے، صبح کی نماز کے بعد اس طالب علم کا چہرہ بدلا ہوا تھا جو کہ حضرت کی توجہ کی برکت تھی، اس کے بعد اس طالب علم نے مدرسہ سے تعلیم مکمل کی اور پھر ایک اللہ والے سے خلافت بھی ملی، یہ مولانا معین اللہ صاحب مرحوم کی حکمت عملی کا ایک نتیجہ تھا۔

ان کی عنایت و مہربانی کی داستان بڑی دراز ہے، اس ناچیز کے دکتورا کے مرحلے میں انھوں نے کافی حوصلہ افزائی کی جس کی اس مختصر تحریر میں گنجائش نہیں۔

مکاتب اور مدارس کے قیام میں ان کی مساعی اور کارناموں کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا جس کا ذکر اکثر تحریروں میں آچکا ہے، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی منزل پڑھنے کی اکثر تاکید فرماتے اور کثرت سے اس کی اشاعت بھی فرمائی، ان کے توسط سے یہ کتاب بہت زیادہ پھیلی اور بہت سے لوگوں نے اس کے پڑھنے کو معمول بنایا۔

ان کی بڑی تمنا تھی کہ ان کے اندور کی مسجد اور مدرسہ کی زیارت کروں، افسوس کہ ان کی زندگی میں اس کا موقع نہیں مل سکا، اللہ اب مولانا کی اس یادگار کی زیارت کا موقع نصیب کرے، ان کے انتقال سے ندوہ کے حلقے میں بڑا خلا پیدا ہو گیا، اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے یہ خلا پُر کرے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

والدہ صاحبہ رحمہا اللہ

(..... - ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء)

اس عالم کی ہر چیز کو فنا ہے، جو یہاں آیا ہے اس کو یہاں سے ایک نہ ایک دن دارفانی کی طرف جانا ہے، موت کا وقت مقرر ہے، لیکن بعض واقعات ایسے پیش آتے ہیں جس کا انسان کی زندگی پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے، ان میں سے والدین یا کسی ایک کی وفات بالخصوص والدہ کے ارتحال پر جو رنج و الم ہوتا ہے وہ تازہ زندگی باقی رہتا ہے۔

نظر نواز نظاروں میں جی نہیں لگتا

وہ کیا گئے کہ بہاروں میں جی نہیں لگتا

اس ناچیز کے والد مرحوم کا نوجوانی میں کالرا کے مرض میں انتقال ہو چکا تھا، اس لیے ہماری پرورش والدہ صاحبہ اور ہمارے دادا صاحب اور ماموں صاحبان نے کی، ہماری والدہ ایک رابعہ صفت خاتون تھیں، ان کی تمنا تھی کہ میرا بیٹا عالم دین ہو، ہمارے نانہال موضع چاند پٹی اعظم گڑھ میں کئی علماء موجود تھے بالخصوص مولانا زین الحق صاحب ندوی مرحوم، مولانا ابواللیث ندوی اور مولانا قمر الزماں صاحب، اس لیے ان لوگوں کے ترغیب دلانے پر مزید شوق پیدا ہوا، اور اس ناچیز کو ابتدائی تعلیم کے لیے مدرسۃ الاصلاح سرانے

میر میں بھیجا گیا، وہاں سے مظاہر علوم و ندوۃ العلماء وغیرہ جانا ہوا۔

مجھے والدہ صاحبہ بہت اہتمام سے مدرسۃ الاصلاح اور ندوہ وغیرہ روانہ کرتی تھیں، اپنی ابتدائی عربی کی تعلیم کے زمانہ میں مجھے ”النجو الواضح“ کی ضرورت پڑی جو مدرسۃ الاصلاح میں پڑھائی جاتی تھی، مجھے اس کتاب کے حصول پر اصرار ہوا، انہوں نے اس کے لیے بکری کا بچہ فروخت کر کے رقم عنایت فرمائی۔

اسی طرح ”المنجد“ کے خریدنے پر اصرار تھا، اس کو بمبئی سے منگوانا تھا، انہوں نے اپنی تنگی میں اس کا بھی انتظام کیا، ایک مرتبہ مجھے لنگی خریدنے کی ضرورت ہوئی، جو تین روپے میں مل جاتی تھی، والدہ صاحبہ کے پاس کل بارہ روپے تھے، انہوں نے اس میں سے تین روپے عنایت فرمائے، لے کر چلا، لیکن راستے میں آندھی پانی آنے کی وجہ سے وہ روپے کہیں گم ہو گئے، روتا ہوا واپس گھر آیا، تو پھر تین روپے مزید عطا فرمائے، لحاف و گدے کے لیے چرخا کات کر اس کے کپڑے حاصل کئے، یہ لحاف طالب علمی کے زمانہ میں بہت دن تک میرے پاس رہا۔

سہارنپور میں حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے کچے گھر میں کچھ دن قیام رہا، حضرت اقدس مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی آمد پر یہی لحاف تھا جو حضرت شیخ کے حکم پر بچھا دیا تھا، بعد میں اس کو بطور تبرک کے استعمال کرتا تھا۔

حضرت اقدس شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ اور حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی اور حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ سے بہت ہی عقیدت رکھتی تھیں۔

ادھر عرصہ سے ان کو ایک موذی مرض لاحق ہو گیا تھا، ان کا علاج بمبئی میں کرایا، الحمد للہ بظاہر مرض بالکل ختم ہو گیا، مگر بارہ سال کے بعد وہ مرض پھر ظاہر ہوا، اس کے ظاہری علاج کی تدبیریں سب اختیار کی گئیں اور آخری علالت میں یہ ناچیز تقریباً دو ماہ تک ان کی خدمت میں مقیم رہا، اس عرصہ میں ان کو چھوڑ کر صرف دو دن کے لیے ابوظہبی ایک ضروری کام کے لیے جانا ہوا تھا۔

آخر میں ڈاکٹروں نے اطمینان دلایا، اس لیے ان سے اجازت لے کر لکھنؤ آنے کے تیسرے دن فون سے معلوم ہوا کہ طبیعت خراب ہو رہی ہے اور چوتھے دن ۸ دسمبر بروز چہار شنبہ ۲۹ شعبان المعظم ابوظہبی کے لحاظ سے ساڑھے نو بجے اور انڈیا کے ۱۱ بجے دن میں میرے چھوٹے لڑکے عزیز ی ڈاکٹر صفی الدین کا فون آیا کہ دادی صاحبہ کی طبیعت بہت خراب ہے فوراً واپس آ جائیں اور ابھی پوری بات بھی نہیں ہو سکی تھی کہ میرے بڑے لڑکے نے آ کر یہ غمناک خبر سنا دی کہ دادی صاحبہ تو عالم آخرت کو روانہ ہو گئیں، ان کی عادت تھی کہ ہر تکلیف پر سورہ یسین پڑھنے کا مطالبہ کرتی تھیں، چنانچہ اس کا مطالبہ کیا اور جب آخری آیت پر پہونچے تو روح پرواز کر گئی، اِنَّا لِلّٰہ و اِنَّا اِلَیْہ راجعون۔

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر

عمر بھر کی بیقراری کو قرار آ ہی گیا

انتقال سے پہلے انہوں نے نماز جنازہ پڑھانے کے لیے تاکید کی تھی کہ مجھے

لکھنؤ سے بلایا جائے، ان کے ذہن میں یہ تھا کہ ابھی یہ ناچیز لکھنؤ میں حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کے پاس ہے، بہر حال شارقہ سے یہ ناچیز اور عزیزان حافظ ذکی الدین و فہیم الدین اور بھائی زبیر ۸ بجے شام کو روانہ ہو کر ۳ بجے رات میں لکھنؤ ایرپورٹ پر پہنچے، باہر کافی لوگ جمع تھے، ان میں محترم مولانا محمد رابع صاحب ندوی مدظلہ اور مولانا مفتی ظہور صاحب ندوی کے علاوہ ندوہ کے کئی حضرات موجود تھے، مولانا محمد رابع صاحب کی تشریف آوری پر تعجب ہوا کہ سردی سخت تھی، معلوم ہوا کہ حضرت اقدس مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ نے جانے کی تاکید فرمائی تھی، ہم لوگ ۹ دسمبر ۱۹۹۹ء ۳۰ شعبان ۱۴۰۲ھ بروز جمعرات ۱۰ بجے دن میں اپنے وطن پہنچے اور نماز ظہر کے بعد اس ناچیز نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

ہمارے پہنچنے سے پہلے ہمارے دونوں لڑکے عزیزان بدر عالم و صفی الدین سلمہما اور اعزاء واقارب نے سب انتظامات کر لیے تھے، مدرسہ میں چھٹی تھی، نماز میں قرب و جوار و ضلع و بیرون ضلع سے خاصا مجمع آ گیا تھا، گھر میں تعزیت کرنے والی عورتوں کی تعداد تقریباً پانچ سو بتائی گئی ہے۔

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزہ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

والدہ صاحبہ کے انتقال پر حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ نے خصوصی طور پر ایصال ثواب کیا اور اپنی خانقاہ میں جو اس وقت ندوہ میں تھی اس کا اہتمام کرایا،

سہارنپور میں صاحبزادہ گرامی مولانا محمد طلحہ صاحب رحمہ اللہ نے اور مختلف مدارس کے علماء و طلباء نے ختم قرآن کا اہتمام کیا اور مدینہ منورہ سے ہمارے دوست مولانا اسماعیل بدات مرحوم صاحب نے اطلاع دی کہ تین قرآن ختم کر کے والدہ صاحبہ کو ایصال ثواب کیا۔

میں ان تمام دوستوں اور اکابر کا شکر گزار ہوں جنہوں نے خط کے ذریعے یا تار کے ذریعے یا فون کے ذریعے تعزیت کی یا دعائے مغفرت فرمائی۔

بہت سے حضرات نے خطوط کے ذریعے اور بہت سے لوگوں نے فون کے ذریعے تعزیت کی، ان سب کا شکر گزار ہوں، خصوصاً معالی احمد خلیفہ سویدی مستشار رئیس الدولہ نے اور ان کے علاوہ کئی دوستوں نے فون کے ذریعے ابو ظبی سے تعزیت کی تھی، ان کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، آمین۔

مفکر اسلام

حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ

کچھ یادیں اور کچھ باتیں

(۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء - ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء)

حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کے انتقال کے حادثہ فاجعہ پر کئی ماہ سے لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا، مگر قلم اٹھائے نہیں اٹھتا تھا، اور نہ ہی کبھی وہم گزرا تھا کہ یہ حادثہ اتنی جلد پیش آ جائے گا، گرچہ حضرت والا کی عمر و بیماری کو دیکھتے ہوئے اور آپ کا اپنے بارے میں بار بار بے اطمینانی کے اظہار کے باوجود سب متعلقین و خدام کو ایک طرح کا اطمینان تھا، درحقیقت یہ تمام بزرگوں کے ساتھ پیش آیا ہے، حضرت مولانا کی ذات گرامی بہت سی خصوصیات و کمالات کی حامل ہے، اس لیے آپ پر بہت سے اہل قلم اور اہل تعلق کے مضامین آچکے ہیں اور آئندہ بہت کچھ لکھا جائے گا، اس لیے اس ناچیز نے ایسا موضوع اختیار کیا ہے جس میں خود اپنی اصلاح اور دیگر طلبہ اور عامۃ الناس کے لیے پیغام ہے:

گا ہے گا ہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

یہ ناچیز حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کے نام نامی سے مدرسۃ الاصلاح میں اپنی ابتدائی تعلیمی دور میں واقف ہوا تھا، چونکہ یہ ناچیز مدرسۃ الاصلاح سے سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم میں پڑھنے گیا تھا اور وہاں قیام ابتداءً حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے کچے گھر میں تھا، چند ماہ کے بعد دارالطلبہ منتقل ہو گیا تھا، مگر صبح، دوپہر، شام تینوں وقتوں میں حضرت شیخ کے یہاں حاضری دیتا، دوپہر کا کھانا تو حضرت ہی کے دسترخوان پر ہوتا تھا، سہارنپور حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ کی کثرت سے تشریف آوری ہوتی تھی، اس لیے پہلی ہی ملاقات پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اس ناچیز کا حضرت مولانا سے تعارف کرا دیا تھا۔

چونکہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ کے لیے آیا تھا، میری آمد عید الاضحیٰ کے بعد تاخیر سے ہوئی تھی، اس لیے ندوہ میں داخلہ نہ ہوسکا اور مجھے مجبوراً سہارنپور آنا ہوا، حضرت شیخ کی خدمت میں اپنی پہلی حاضری کو لکھ چکا ہوں۔

کبھی فرصت سے سن لینا عجب ہے داستاں میری

حضرت شیخ نے سلام و مصافحہ کے بعد فرمایا کہ ندوہ میں تمہارا داخلہ کس واسطے نہیں ہوسکا، جب کہ مدرسۃ الاصلاح اپنے نصاب و منہج میں ندوہ سے زیادہ قریب ہے، اس ناچیز نے عرض کیا کہ داخلہ میں دشواری نہیں تھی، البتہ وہاں وظیفہ کی گنجائش نہیں تھی، یہ زمانہ ۱۹۵۱ء کا ہے جب کہ طلبہ کی مجموعی تعداد ۷۰،۸۰ کے درمیان رہی ہوگی۔

حضرت شیخ نے میری بات سن کر فرمایا، ”پیارے مئے! میرے یہاں روٹی کا سوال نہیں، مگر ہمارا تمہارا جوڑ کیسے بیٹھے گا؟“ میرے سر پر ٹیڑھی ٹوپی، علی گڑھ پاجامہ اور قمیص زیب تن کئے ہوئے تھا، بہر حال مظاہر میں داخلہ ہو گیا۔

حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے ہر تشریف آوری پر ملاقات کا شرف حاصل ہوتا اور خدمت کی سعادت ملتی، بالآخر جب مظاہر سے ندوہ پڑھنے آیا تو حضرت مولانا نے بہت ہی خیال فرمایا، ہمارا داخلہ فضیلت اول میں ہوا تھا، ہم پانچ ساتھی درجے میں تھے، چھٹے برادر محمد میاں مرحوم ہمارے ساتھ حدیث شریف کے اسباق میں حضرت مولانا شاہ حلیم عطا صاحب کے یہاں شریک ہوتے، فضیلت ادب میں بھی پانچ طلبہ تھے جن میں مولانا سعید اعظمی اور ڈاکٹر احتشام ندوی وغیرہ تھے۔

ہم لوگوں کے لیے حضرت مولانا نے تبلیغی مرکز میں خصوصی درس ”زعماء الاصلاح“، احمد امین کا شروع فرمایا تھا، مگر دیگر مشاغل کی وجہ سے یہ سلسلہ زیادہ چل نہ سکا، البتہ مرکز میں ہر اتوار کو مغرب بعد درس قرآن ہوتا، جس کا حضرت مولانا بہت اہتمام فرماتے اور کافی لوگ شریک ہوتے، ہم لوگ بھی حاضر ہوتے اور مستفید ہوتے، یہ ناچیز حضرت کی مجلس میں اہتمام سے حاضری دیتا تھا، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہؒ بھی اپنے خطوط میں حاضری کی تاکید فرماتے، بلکہ اس ناچیز کے جوابی خط میں حضرت مولانا کے نام ضرور کوئی پیام ہوتا، یہ اس لیے بھی تاکہ قرب کا ذریعہ بن سکے۔

ایک دن حضرت مولانا نے ہمیں تبلیغی مرکز میں دوپہر کے کھانے پر مدعو فرمایا،

جب رخصت ہونے لگے تو تئیں روپے عنایت فرمائے، جو اس زمانے میں بڑی رقم شمار کی جاتی تھی، بہر حال دارالعلوم ندوہ سے فراغت کے درجہ تکمیل میں داخلہ کرایا تھا، اور ہمارے علمی نگرانی حضرت مولانا شاہ حلیم عطا صاحبؒ کے سپرد کی گئی، جو ہمارے حدیث کے استاذ رہ چکے تھے، ان کی زیر نگرانی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کتابیں اور مجدد الف ثانیؒ کے مکاتیب وغیرہ کے مطالعہ کا موقع ملا، اس سلسلے میں حضرت نور اللہ مرقدہؒ بھی رہنمائی فرماتے، وہاں سے اپنے مخصوص حالات کی بنا پر مجبور ہوا، شادی بھی ہو چکی تھی، اپنی ملازمت ہی کی تلاش میں بمبئی جانا ہوا، اور وہاں مولانا اسحاق بنارسى مرحوم کے فلیٹ میں قیام رہا، مولانا نے مدرسہ مظہر العلوم بنارس میں میری ملازمت کے لیے کوشش کی، اس کی تفصیل حضرت مولانا علی میاں صاحب کو لکھی، اس پر حضرت کا جواب حسب ذیل آیا:

۴/ محرم الحرام ۱۳۷۵ھ

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سعادت نامہ ملا، اس سے پہلے مولوی اسحاق صاحب کے خط سے آپ کی موجودگی بمبئی کی اطلاع مل گئی تھی، انہوں نے مجھ سے بھی اس بارے میں مشورہ کیا تھا، میں نے ان کو لکھ دیا ہے کہ مولوی تقی الدین کے انتخاب و تقرر سے مسرت ہوگی، مجھے امید ہے کہ وہ مستعدی اور خلوص کے ساتھ کام کریں گے، مولانا عبدالقیوم بنارسى کا خط بھی آیا تھا، جس میں انھوں نے اپنے یہاں مدرس کی فرمائش کی تھی، ان کو میں نے آپ کا نام لکھ دیا ہے، مجھے

بظاہر یہ جگہ مناسب معلوم ہوتی ہے، اپنے تعلق و تعارف کے لوگ ہیں اور علمی اشتغال اور خدمت کا اچھا موقعہ ہے۔

آپ کے واقعی متعدد خطوط آئے، مگر مناسب جگہ کے حصول میں کامیابی نہ ہونے کی وجہ سے آپ سے شرمندگی رہی، آپ نے اس عرصہ میں جو تکلیف اٹھائی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے اور اس کی برکت عطا فرمائے۔

تدریس میں پوری محنت و عالی ہمت سے کام کیجئے گا، مدرس کا جو ابتدائی نقش اور اثر طلبہ اور منتظمین پر قائم ہو جاتا ہے وہی آخر تک قائم رہتا ہے، یہ سب مطالعہ و محنت پر منحصر ہے، پیدائشی مدرس کوئی نہیں ہوتا، اس لیے محنت کیجئے اور وقار قائم کیجئے۔

والسلام
مخلص۔ ابوالحسن علی

۱۹۵۵ء میں اپنے حالات کی بنا پر صوبہ برار قصبہ مانا میں ملازمت اختیار کر لی تھی، اور وہاں ایک ہائی اسکول کے پاس ایک عربی درس گاہ قائم کی تھی، جس میں اسکولوں کے کچھ طلباء کو ابتدائی عربی کی تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کیا تھا، ایک سال کے بعد اس علاقہ کا حضرت مولانا علی میاں صاحب اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی اور حضرت مولانا عمران خان نور اللہ مرقدہم کا تبلیغی دورہ شروع ہوا، یہ ناچیز بھی تقریباً ایک ہفتہ ان حضرات کے ہمراہ رہا، اس تبلیغی دورے سے اس علاقے میں بہت فائدہ ہوا، اس سفر میں حضرت مولانا نے ہمارے طلباء کا امتحان لیا اور خوش ہو کر فرمایا کہ آپ کی جگہ توندوۃ

العلماء میں ہے، ان شاء اللہ شوال میں آپ ندوہ چلے آئیں گے، ندوہ جانے کی خوشی میں اس ناچیز نے مدرسہ سے استعفیٰ دے دیا، مدرسہ والوں نے بدل کا مطالبہ کیا، اس کے لیے ایک صاحب کو تلاش بھی کر لیا، مگر حضرت مولانا کا کوئی خط نہیں ملا جس سے فکر تھی، اس لیے مجبوراً سہارنپور حضرت شیخ الحدیث صاحب کو پوری تفصیل لکھ دی، حضرت شیخ نے مولانا علی میاں صاحب کو مسوری جہاں حضرت رائے پوری کی خدمت میں ماہ مبارک گذار رہے تھے خط لکھا، اس پر حضرت مولانا کا ایک خط اس ناچیز کے نام آیا کہ آپ ایک خط مولانا عمران خان صاحب کو بھی لکھیں، چنانچہ مولانا عمران صاحب کو پوری بات لکھی، اس کا جواب آیا کہ میں لکھنؤ جا رہا ہوں، شوال سے آپ کی ملازمت کا معاملہ طے ہو جائے گا، چنانچہ آخر رمضان المبارک میں باضابطہ ملازمت کی منظوری کی اطلاع مجھے دی گئی، شوال سے دارالعلوم میں مدرس ہو کر آیا، ۱۹۵۶ء سے لے کر ۱۹۶۷ء تک دس سال دارالعلوم میں مدرس کا زمانہ ہے، ابتدائی کتابوں سے لے کر اوپر کی کتابیں بالخصوص ترمذی شریف متعدد بار اور ابوداؤد شریف اور بخاری شریف باب الوحی و کتاب الایمان تک اور دیگر کتابوں کو پڑھایا۔

دارالعلوم کے لیے مدرسین اور ملازمین کے اسفار:

جیسا کہ اوپر لکھ چکا ہوں رواق شبلی جو چودہ کمروں پر مشتمل تھا اسی میں چھوٹی اور بڑی بورڈنگ دونوں تھی، طلباء کی تعداد ۷۰، ۸۰ کے درمیان تھی، ۱۹۵۶ء میں مولانا عمران خان صاحب کے بھوپال چلے جانے کے بعد دارالعلوم ندوہ شدید مالی بحران میں

بتلا ہو گیا، اس لیے مولانا معین اللہ صاحب ندوی کی تحریک پر حضرت مولانا نے تمام مدرسین کو جمع کر کے دارالعلوم کی امداد کے لیے چھٹیوں میں باہر سفر کرنے کی ترغیب دی، اس ناچیز کے لیے مالگاؤں و بمبئی وغیرہ کا سفر تجویز ہوا، کتابیں ختم کرانے کے بعد سفر کا پروگرام رہتا تھا، ۱۹۵۸ء میں حضرت مولانا علی میاں ندوی پر بمبئی کے سفر کا شدید تقاضا رہا، چنانچہ یہ سفر ہوا، اس ناچیز نے محترم حاجی علاء الدین کی مدد سے بمبئی کے کچھ تجار کو صابو صدیق مسافر خانہ میں جمع کیا، اس میں بارہ آدمیوں نے شرکت کی اور سب لوگوں نے ایک ایک کمرہ کا وعدہ کیا، حضرت مولانا سے بات کرائی گئی، ۱۹۵۹ء میں اس ناچیز کو جب دارالعلوم ندوہ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے پاس بخاری شریف دوبارہ پڑھنے اور فن حدیث پر تیاری کے لیے بھیجا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن عصر کی نماز سے پہلے حضرت مولانا علی میاں صاحب نے اس ناچیز کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ میں آپ کو ایک سال کے لیے حضرت شیخ کے پاس علم حدیث پر تیاری کے لیے بھیجنا چاہتا ہوں، جب میں عصر کی نماز پڑھ کر اپنے کمرے میں واپس آیا تو حضرت شیخ کا گرامی نامہ ملا، جس میں میرے ایک خواب کی تعبیر بیان فرمائی تھی، خواب یہ تھا کہ اس ناچیز کو چند صحابہؓ کے قبور کی زیارت ہوئی، اس میں حضرت ابی بن کعبؓ کا نام یاد رہ گیا اور حدیث پاک کا درس دے رہا ہوں جس میں حب رسول اللہ ﷺ کا ترجمہ چہیتے سے کرایا کہ حضرت زید بن حارثہؓ حضور ﷺ کے چہیتے تھے، حضرت شیخ نے اس خواب کی یہ تعبیر دی تھی کہ ان شاء اللہ تم کو حدیث پاک سے مناسبت ہوگی اور اس

میں اشتغال کی خصوصی توفیق کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت مولانا کا میرے لیے نظام:

یہ حضرت شیخ کی توجہ کا اثر سمجھتا ہوں، چنانچہ حسب پروگرام سہارنپور حضرت شیخ کی خدمت میں ایک سال قیام کے لیے حاضر ہوا، پہنچنے کی حضرت مولانا کو اطلاع دی، اس پر حسب ذیل جواب آیا:

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ وبارک لہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سعادت نامہ ملا، آپ کی سعادت و صلاحیت و شرافت سے دل مسرور و مطمئن ہے، اللہ تعالیٰ دینی و علمی برکات و ترقیات سے مالا مال فرمائے اور سہارنپور کے قیام سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں اور دائمی دولت لے کر آئیں، معلوم نہیں آپ نظام الدین (مرکز تبلیغی) عید الاضحیٰ میں جانے والے ہیں یا ملتوی کر دیا یا نظام بدستور ہے، مولوی معین اللہ صاحب دہلی پہنچ گئے ہوں گے ملاقات ہوئی ہوگی، حضرت شیخ کی خدمت میں ایک مفصل عریضہ بھیجا تھا، کوئی رسید و جواب نہیں آیا، دریافت کیجئے گا کیا سبب ہے؟ دارالعلوم میں سبب خیریت ہے حضرت کی خدمت میں سلام مسنون۔

والسلام

مخلص - ابو الحسن علی

سہارنپور کے یک سالہ قیام کے زمانہ میں ششماہی امتحان کی چھٹی کے موقع پر مولانا معین اللہ صاحب ندوی نے بمبئی کے سفر کی تجویز رکھی تھی، دارالاقامہ سلیمانہ کے

کمرؤں کا جو وعدہ بمبئی والوں نے کیا تھا اس کی تکمیل کرانی تھی، چنانچہ سفر کیا، واپسی میں تین دن کی تاخیر ہوگئی، حضرت شیخ نے بخاری کے سبق کو بند کر رکھا تھا، اس ناچیز کا انتظار تھا، اتنے میں حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ سہارنپور آ گئے، مولانا نے عرض کیا کہ حضرت ان کی جگہ پر میں شریک درس ہوں گا، چنانچہ درس شروع فرمایا، بعد میں بقیہ چھوٹی ہوئی حدیثیں اس ناچیز کو شیخ نے الگ سے پڑھایا، سہارنپور سے واپسی پر ندوہ میں مشکوٰۃ شریف اور ریاض الصالحین وغیرہ کتابیں میرے لیے تجویز کی گئیں، حضرت مولانا عام طور پر مدرسین کے اسباق میں تشریف لاتے تھے، کبھی سبق سنتے اور کبھی طلبہ کا امتحان لیتے، ایک مرتبہ ریاض الصالحین کے سبق میں تشریف لائے، میں نے ایک ذہین طالب علم سے عبارت پڑھنے کے لیے اشارہ کیا، مگر اس نے بہت غلط عبارت پڑھی، اس ناچیز نے اس کو مخاطب کر کے کہا کہ شاید آج جلدی میں بغیر وضو درجہ میں آ گئے ہو، غالباً فجر کی نماز بھی نہیں پڑھی ہے، اس نے اس کا اعتراف کیا، میں نے اس سے کہا کہ جا کر فجر کی نماز قضا پڑھ کر آؤ، اس تنبیہ پر حضرت بہت خوش ہوئے اور اس کا ذکر تقریر عام میں بھی کیا۔

مشکوٰۃ شریف کو میں بہت ہی اہتمام سے پڑھاتا تھا اور کتاب ختم کراتا، اکثر حضرت مولانا ہی کتاب کو ختم کراتے اور دعا فرماتے تھے۔

جب مشکوٰۃ شریف پہلی مرتبہ پڑھائی تو حضرت مولانا درس میں تشریف لائے اور تقریر سنی، یہ ناچیز حدیث قلنتین کو پڑھا رہا تھا، قلة کے معنی بیان کئے اور ماء قلیل و کثیر میں علماء کے اقوال نقل کئے، اور علمائے احناف نے حدیث کی جو توجیہ بیان کی ہے،

بالخصوص حضرت گنگوہیؒ اور علامہ کشمیریؒ نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کو نقل کیا۔
عصر بعد جب مجلس میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ بہت مناسب تقریر کی، مگر ہمیشہ
متقدمین کے اقوال نقل کرنے کی کوشش کریں اور اگر وہاں نہ مل سکے تو متاخرین کی طرف
آئیں، اہم مباحث کا املاء کرا دیں تاکہ طلبہ کے پاس محفوظ ہو جائے، حضرت شیخ کو بھی
ایک خط تحریر فرمایا جس میں ہر طرح اطمینان کا اظہار فرمایا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا فخر کی نماز کے بعد اچانک میرے کمرے میں تشریف
لائے، میں ترجمہ قرآن شریف پڑھانے کا مطالعہ کر رہا تھا، میرے سامنے قرآن مجید کی
آیت ﴿لَا يَغُرَّنْكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ﴾ (آل عمران: ۱۹۶) فرمایا کہ اس
کا ترجمہ پڑھئے، میں نے پڑھ دیا ”اور تجھ کو دھوکہ نہ دے چلت پھرت کافروں کا شہروں
میں“ فرمایا مجھ سے اس کا ترجمہ سنئے ”اور تجھ کو دھوکہ نہ دے شہروں میں کفار کا دور دورہ“
اردو میں یہی تعبیر مناسب ہے۔

جس زمانہ میں ”الأركان الأربعة“ کی تصنیف فرما رہے تھے، اکثر احادیث کی
تخریج اس ناچیز سے کراتے، ایک مرتبہ حدیث ”تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ صَدَقَةٌ“
کی تلاش تھی، مجلس میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ اس حدیث کو تلاش کرایا مگر ابھی تک نہیں ملی، عام
طور پر ذہن کتاب الصدقة وغیرہ کی طرف جاتا تھا، اس زمانہ میں ”معجم المفہرس“
وغیرہ کتابیں طبع نہیں ہوئی تھیں، مجھے بھی تلاش میں دقت ہوئی، ذہن سیرۃ النبی کی چھٹی جلد
کی طرف گیا کہ علامہ سید سلیمان ندوی نے ضرور اخلاق میں اس کو ذکر کیا ہوگا، چنانچہ مل گئی،

سید صاحب نے ترمذی باب صنائع المعروف کا حوالہ دیا ہے، چنانچہ صفحہ و جلد لکھ کر حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کیا، اس پر بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔

اسی طرح مولانا کو ”أرحنا بها یا بلال“ کی ضرورت تھی، یہ ناچیز سفر پر گیا ہوا تھا، واپسی پر مجلس میں حاضر ہوا، فرمایا کہ ہمیں اس حدیث کی تلاش ہے، ابھی تک مل نہیں سکی، مولانا معین اللہ ندوی مرحوم مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا کہ حضرت شیخ کی فضائل نماز میں میں نے تلاش کیا اس میں بھی نہیں ہے، مجھے یہ سن کر تردد ہوا، مگر عرض کیا کہ حضرت میں نے اس کو کسی کتاب میں پڑھایا ہے، کتب خانہ میں آ کر میں نے ”مجمع بحار الانوار“ علامہ طاہر پٹنی کی اٹھائی اور اس میں ”أراح یسریح إراحة کما ورد فی الحدیث: أرحنا بها یا بلال“ مل گئی، اس سے مزید قوت ملی کہ حدیث ہے، اس کے بعد ”احیاء علوم الدین“ دیکھا، اس میں کتاب الصلاة میں امام غزالی نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے، اور عراقی نے حاشیہ پر تخریج کی ہے، آخر جہ ابوداؤد، اس کے بعد سنن ابی داؤد جلد ۴ میں تلاش کیا تو کتاب الآداب کے ”باب فی صلاة العتمة“ میں ملی، جب حضرت کو بتایا تو بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔

اوپر لکھ چکا ہوں کہ رمضان المبارک میں مدرسین کی ایک تعداد دارالعلوم ندوۃ العلماء کی امداد کے لیے سفر کرتی تھی، اس ناچیز نے بمبئی وغیرہ کا تقریباً دس مرتبہ سفر کیا تھا، اسی طرح کے ایک سفر سے دعا کے لیے حضرت مولانا کو ایک خط لکھا، جس کا جواب حسب ذیل ہے:

عزیز مکرم زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سعادت نامہ ملا، پڑھ کر دل پر اثر ہوا، کئی عزیزوں اور دوستوں کے خط دعا کے لیے آئے، لیکن جیسی تحریک دعا کرنے کے لیے آپ کے خط سے پیدا ہوئی ویسی شاید کسی خط سے نہیں پیدا ہوئی، پڑھ کر یہ خیال آیا کہ آپ کی سعادت مندی اور مستعدی نے ہم لوگوں کو فارغ کر دیا ہے، اور آپ ہمارے لیے در بدر پھرتے ہیں، اور رمضان کے عزیز و مبارک اوقات کو صرف کرتے ہیں، پھر آپ کے لیے دل سے دعا کیوں نہ نکلے، کیا عجب ہے کہ ایک دینی مقصد کے لیے اور ایک دینی ادارہ کے لیے آپ کا اس طرح مارا مارا پھرنا بہت سے لوگوں کے ذکر و اذکار سے افضل ہو، اور یہ کیا کم ہے کہ آپ اخیر عشرہ میں اللہ کے مقبول بندہ کے پاس پہنچ رہے ہیں جن کی آپ پر شفقت کی نظر بھی ہے، امید ہے کہ دعاؤں میں ہم کو بھی یاد رکھیں گے، حضرت شیخ کی خدمت میں مؤدبانہ سلام اور درخواست دعا۔

والسلام

ابوالحسن علی ۲۲/رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ

۱۹۶۲ء میں جب حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے اپنے مخصوص حالات کی بنا پر دارالعلوم ندوۃ العلماء سے جہاں وہ ترمذی شریف پڑھاتے تھے معذرت کر دی، یہ سبق ان دونوں حضرات کے مشورے سے اس ناچیز کے حوالہ کیا گیا، بعد میں ابوداؤد شریف بھی میرے ذمہ آگئی تھی، حضرت مولانا سے وقتاً فوقتاً مشورہ کیا کرتا تھا،

اس زمانے میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدنی کے حکم سے حضرت مولانا بھی ندوہ میں کتاب الوحی سے کتاب العلم تک درس دیا کرتے تھے، حضرت مولانا اس درس کے لیے کافی تیاری کرتے، حضرت شیخ نے ایک مرتبہ مجلس میں فرمایا کہ بخاری شریف علی میاں کے مناسب ہے، اس لیے کہ بخاری کی دقت نظر معروف ہے، افسوس کہ آنکھوں کی بیماری کے سبب حضرت مولانا کو درس کا سلسلہ دوسرے کے حوالہ کرنا پڑا۔ ۱۹۶۷ء میں یہ ناچیز مدرسہ فلاح دارین ترکیسر منتقل ہو کر چلا گیا تھا، وہاں بخاری شریف اور ترمذی شریف دونوں کتابیں پڑھاتا تھا، گجرات کے قیام میں حضرت شیخ کی طرف سے الطاف و شفقتوں کی اس ناچیز پر خوب بارش ہوتی تھی، سہارنپور سے پلاؤ و میٹھے چاول گجرات میں ہمیں بھجوایا جاتا تھا، حضرت مولانا علی میاں ندوی بھی خاص اہتمام فرماتے تھے، ایک خط کا جواب حسب ذیل آیا:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسرت نامہ مؤرخہ ۷/ ذی الحجہ کو ملا، امید ہے کہ اس خط کے پہونچنے تک آپ اپنے مستقر پر پہونچ گئے ہوں گے، آپ نے مدرسہ کے خوش کن حالات لکھے ہیں، اللہ تعالیٰ مزید ترقی و توسیع عطا فرمائے، آپ کی عزت و نیک نامی درحقیقت دارالعلوم اور ہم لوگوں کی عزت و نیک نامی ہے، اس لیے آپ کی علمی و دینی ترقی اور نیک نامی سے ہم سب کو مسرت ہے۔

آپ کو حضرت شیخ سے معلوم ہوا ہوگا، غالباً آخری محرم ہی میں حجاز کا سفر پیش آئے گا، کیا عجب ہے کہ شیخ کی معیت بھی نصیب ہو جائے، سفر ان

شاء اللہ بمبئی کے راستہ ہوگا، اس موقع پر آپ سے ملاقات ہو جائے گی، اپنی خیر و عافیت سے ضرور مطلع کرتے رہیں، واللہ معکم۔

والسلام
دعا گو: ابوالحسن علی

۱۴ ذی الحجہ ۸۸ھ

اس خط کے بعد مولانا کا گجرات کا ایک سفر ہوا، ہر جگہ کافی مجمع تھا، سفر سے واپسی پر اس ناچیز نے ایک خط ارسال کر کے خیر و عافیت معلوم کی، اس کا جواب حسب ذیل آیا:

عزیز گرامی!..... بارک اللہ فیہ و نفع بہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسرت نامہ مورخہ ۲۴ محرم کا مجھے تاخیر سے ملا، بمبئی سے رخصت ہو کر بھوپال پہنچا، طبیعت بہت مضطرب رہی، تین دن رہا، لیکن بہت افسردہ، ۱۶ اپریل کو وہاں سے لکھنؤ کے لیے روانہ ہوا، اور لکھنؤ پہونچا تو گھر پہونچنے سے پہلے معلوم ہو گیا تھا کہ میرے بڑے حقیقی ماموں زاد بھائی اور میری اہلیہ کے بڑے بھائی سید سراج النبی صاحب (والد مصباح النبی) کئی روز سے سخت علیل اور بیہوش ہیں، پریشانی کی حالت میں رائے بریلی پہونچا اور ان کو بیہوش پایا، پہچان بھی نہ سکے، بالآخر جمعہ ۱۰ اپریل کی صبح کو ان کا انتقال ہو گیا اور بعد نماز جمعہ تدفین عمل میں آئی، ان کے بیٹے کو تار کیا گیا، وہ انتقال کے بعد پہونچے، آپ سے اور وہاں کے احباب و صلحاء سے دعا و

ایصال ثواب کی درخواست ہے، آج کل میں لامع کا مقدمہ سن رہا ہوں، حضرت نے بڑی معلومات اور مواد جمع کر دیا ہے، آپ کے حواشی و حوالے بھی موجود ہیں۔

”ہندوستانی علماء کی خدمت حدیث“ اچھا موضوع ہے، میری معلومات ”الثقافة الإسلامية في الهند“ اور ”نزهة الخواطر“ تک محدود ہے، وہ دونوں آپ کے سامنے ہیں، اس کے علاوہ اور کبھی آپ دریافت کریں گے تو حاضر ہوں۔

”ارکان اربعہ“ کا شوق سے گجراتی میں ترجمہ کرایئے، لیکن میری ایک دیرینہ خواہش ہے، اس کی تکمیل شاید آپ کے ہاتھوں مقدر ہے، والد صاحب کی کتاب ”یادایام“ تاریخ گجرات پر بہترین کتاب ہے، ابھی کل ہی نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن شیروانی کا ایک خط جو اس کتاب کو پڑھ کر والد صاحب کو لکھا تھا، پڑھا، اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ ان شاء اللہ اس کتاب کا گجراتی میں ترجمہ ہوگا، افسوس ہے کہ یہ پیشینگوئی ابھی تک پوری نہیں ہوئی، میں نے پہلے مولانا حبیب الرحمن غزنوی کو متوجہ کیا تھا، انھوں نے ترجمہ شاید بالاقساط شائع بھی کیا، افسوس ہے کہ علمائے گجرات نے اس کتاب کی قدر و قیمت نہ پہچانی، بہت سے کاموں میں لاکھوں روپے صرف ہوتے ہیں اس رسالہ کا شائع ہو جانا کیا مشکل بات ہے، کیا عجب ہے کہ اب اس کام کا وقت آ گیا ہو، روایت کے الفاظ اور تخریج پہنچی شکریہ۔

احباب کو سلام مسنون۔

بقلم: نور عظیم، دعا گو: ابوالحسن علی

گجرات میں اس ناچیز کا قیام ساڑھے چار سال رہا، اسی زمانے میں ندوہ میں ایک اسٹرائٹ ہوئی، حضرت شیخ کو بہت فکر تھی اور سراپا دعا گورہے، مجھے ایک خط میں حکم دیا کہ ایک مضمون ندوہ کی تائید میں شائع کراؤں، چنانچہ مضمون لکھا اور وہ ندائے ملت میں شائع ہوا، اس کو پسند کیا گیا، حضرت مولانا نے مجھے خط میں تحریر فرمایا:

عزیز گرامی زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسرت نامہ مؤرخہ ۸ جولائی کو ملا، دارالعلوم کے ہنگامہ سے متعلق آپ نے جن تاثرات کا اظہار کیا ہے وہ آپ کے عزیزانہ تعلق کی بنا پر قدرتی ہیں، میرے لیے واقعی یہ حادثہ جانکاہ تھا لیکن ”ہرچہ برسر ابن آدم می آید می گزر د“ خدا اس کو کسی خیر کا ذریعہ بنائے تو سب محنت وصول ہو جائے، ۲ جولائی کو سہارنپور گیا تھا اس پورے عرصہ میں حضرت ہمہ تن متوجہ رہے اور ایسی شفقت فرمائی جس سے زیادہ کا تصور بھی مشکل ہے، آپ کے مضمون کی تعریف خط میں لکھی تھی اور زبانی بھی فرمائی، ہندوستان میں علم حدیث کے عنوان پر آپ کے کام شروع کرنے سے بڑی خوشی ہوئی، اگر تین دوروں پر تقسیم کر دیں تو اور بھی آسانی ہو، پہلا دور شیخ عبدالحق پر، دوسرا حصہ حضرت شاہ ولی اللہ پر، تیسرا دور آخر تک۔ دوسرا عنوان نہایت ہی مفید اور وقت کی ضرورت ہے، اس کو ضرور مکمل کیجئے، مولانا انعام الحسن صاحب کے دورہ گجرات کا علم ہے ”یادایام“ کی تلخیص مناسب نہیں، ترجمہ مکمل ہونا چاہئے، آپ کا خیال صحیح ہے، آپ کے رسالہ کا کوئی نسخہ ابھی ملا نہیں، شاید قمر بھول گئے۔

والسلام

دعا گو: ابوالحسن علی

۵ جولائی ۱۹۷۰ء

اس ناچیز نے اپنی کتاب ”فن اسماء الرجال“ جب مکمل کر لی تو مقدمہ لکھنے کی درخواست کی، اس کا جواب حسب ذیل آیا:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اسماء الرجال پر آپ کی کتاب کی تکمیل پر مسرت ہوئی، یہ سلسلہ بہت مفید ہے البتہ میں اس موضوع پر بالکل طفیلی کی حیثیت رکھتا ہوں اور پہلے آپ کی کتاب (محدثین عظام) پر مقدمہ لکھ چکا ہوں، اس مرتبہ بہتر ہے کہ آپ مولانا منظور نعمانی صاحب یا مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی سے مقدمہ لکھوائیں اس لیے کہ میں تو بالکل گھر کا آدمی ہوں۔

مگر میرے اصرار پر حضرت نے بہت قیمتی مقدمہ تحریر فرمایا جو اردو و عربی ایڈیشن ”علم رجال الحدیث“ کے ساتھ شائع ہوا ہے، اس موقع پر ایک دلچسپ واقعہ تحریر کر رہا ہوں، ۱۹۷۳ء میں حضرت شیخ قدس سرہ کے حکم سے قاہرہ بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد کے چھپوانے کے لیے سفر ہوا، اوجز کا کام پہلے سے شروع تھا، وہ بھی ہماری نگرانی میں آگیا، گرچہ تکمیل بعد میں ہوئی، حضرت شیخ کی خواہش تھی کہ ان دونوں کتابوں پر مصر کے کسی بڑے عالم کا مقدمہ ہو، حضرت مولانا علی میاں نے بھی اس کی پُر زورتائید فرمائی، اس کام کے لیے مصر کے دو مشہور عالم ایک شیخ ابوزہرہ جو اپنے دور میں

عظیم علمی شخصیت کے مالک تھے، دوسرے شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالخلیم محمود جو اپنے منصب اور دینی و علمی حیثیت سے بڑا مقام رکھتے تھے، ان دونوں حضرات کو مقدمہ لکھنے کے لیے انتخاب کیا گیا، سب سے پہلے یہ ناچیز اور ہمارے دونوں ساتھی مولانا عبدالحفیظ مکیؒ اور مولانا عبدالرحیم متالاؒ، ہم سب شیخ الازہر کے یہاں حاضر ہوئے کہ ان سے مقدمہ لکھنے کی درخواست کی جائے، حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے ان کی اس وقت ملاقات تک نہیں ہوئی تھی، بلکہ ۱۹۷۵ء میں ندوہ کے مہرجان میں ملاقات ہوئی، ہم نے شیخ الازہر کے سکریٹری سے وقت لیا، وہاں آفس (قاعة الانتظار) میں کئی ملکوں کے نمائندے بیٹھے ہوئے تھے، ہندی لباس دیکھ کر سکریٹری نے ہمارا کچھ اہتمام نہ کیا، ہم بھی بیٹھ گئے، بہر حال کسی نے ہم سے دریافت کیا کہ ”من أين أنتم یا شیخ“ آپ لوگ کہاں کے ہیں، اس ناچیز نے موقع مناسب دیکھ کر جواب دیا ”من الهند ومن تلامیذ سماحة الشيخ الندوي“ ہم ہندوستان سے آئے ہیں اور شیخ ندوی کے شاگردوں میں سے ہیں، یہ کہنا تھا کہ کئی عرب ہماری طرف متوجہ ہو گئے اور حضرت مولانا کے بارے میں پوچھنا شروع کیا، سکریٹری نے جب یہ منظر دیکھا تو اس کو بہت اہتمام ہوا، اندر جا کر سب سے پہلے ہمارے نام شیخ الازہر کو بتلایا، ہم بلائے گئے، انہوں نے بہت ترحیب کی اور حضرت کی کتابوں کے بارے میں دریافت کیا کہ کوئی نئی تصنیف چھپی ہے؟ ہم نے ”رجال الفكر والدعوة“ کا ذکر کیا، بہر حال دونوں کتابوں پر مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی، شیخ نے دونوں کتابوں پر نظر ڈالی اور فرمایا کہ یہ کتابیں مقدمے کی محتاج نہیں ہیں اور ان

دونوں پر شیخ ابوالحسن ندوی کے مقدمے ہیں، ان کی تحریر کے بعد کسی کے لیے کچھ لکھنا مناسب نہیں اور معذرت فرمادی۔

اس کے بعد ہم لوگوں نے دوسرے دن شیخ ابوزہرہ سے وقت لیا، انہوں نے رات کے کھانے پر مدعو کیا، ہم ان کے مکان پر جو مصرجدیدہ میں واقع ہے، وہاں پہنچے، ملاقات و خیر و عافیت معلوم کرنے کے بعد دونوں کتابوں پر مقدمہ کی فرمائش کی، ان کا بھی تقریباً وہی جواب تھا جو شیخ الازہر کا تھا، وہاں سے ہم لوگ واپس آئے اور اس کی حضرت کو مدینہ منورہ تفصیل لکھ بھیجی، اس پر خوشی کا اظہار فرمایا۔

ہمارا مصر کا سفر حضرت شیخ نے حضرت مولانا کے مشورے پر رکھا تھا، اس کے لیے حضرت مولانا نے پُر زور تائید فرمائی، اس کے بعد ایک سال کے لیے بذل کے حواشی کی ترتیب کے لیے قیام اپنے پاس طے فرمایا اور دوسرے سال بذل و اجز کے لیے قاہرہ بھیجا، ہمارے قاہرہ کے سفر سے پہلے حضرت مولانا نے چند قیمتی نصائح فرمائی تھیں:

(۱) وہاں داعی بن کر رہنے گا ورنہ وہاں کی فضا سے متاثر ہو جائیں گے۔

(۲) دوسروں پر مؤثر بننے کی کوشش کریں گے تاکہ دوسروں کے اثرات نہ قبول کر سکیں۔

(۳) وہاں کے عربی اخبار پر ایک نظر ڈال لیا کریں گے اور کبھی وہاں کے محاضرات میں بھی شرکت کرنے کا وقت نکال لیا کریں گے کہ اس میں بہت فائدہ ہے۔

حضرت مولانا کے نصائح سے بہت فائدہ ہوا، مصر سے واپسی کے بعد حضرت مولانا کی بڑی خواہش تھی کہ ندوہ میں قیام کروں مگر مخصوص حالات کی بنا پر مجھے ابوظہبی آنا

پڑا، چونکہ یہاں چیف جسٹس شیخ احمد بن عبدالعزیز المبارک سے بذل وادجز کی بنا پر تعلق ہو گیا تھا، انہوں نے دونوں کتابوں کی طباعت میں حصہ لیا تھا، حضرت شیخ کے بھی بیحد معتقد تھے، اس بنا پر ۱۹۷۵ء میں میرا ابو ظبی آنا ہوا، انہیں کی دعوت پر حضرت مولانا پہلی مرتبہ ابو ظبی تشریف لائے تھے، اس کے بعد متعدد بار آنا ہوا، یہ ناچیز ہمراہ رہتا تھا، شیخ احمد المبارک نے ندوہ کے مہرجان تعلیمی میں شرکت کی تھی اور وہاں کے کتب خانہ کی سنگ بنیاد بھی رکھی، بڑی عجیب دعا کرائی، جس کو دیکھنے سننے والے ہمیشہ یاد رکھیں گے اور کتب خانہ کی تعمیر کے لیے تین لاکھ درہم کا اعلان کیا، اس ناچیز نے رقم بھیجوائی۔

ملک خالد سے ایک ملاقات:

۱۹۷۶ء میں ہمارا ایک سفر مکہ مکرمہ رابطہ عالم اسلامی کی مؤتمر رسالۃ المسجد کے سلسلے میں ہوا اور وہاں سے طائف ملک خالد بن عبدالعزیز آل سعود سے ملاقات کے لیے ہوا، پہلے سے شیخ احمد نے وقت لے رکھا تھا، بادشاہ کی مجلس میں ہم داخل ہوئے، سلام و مصافحہ کے بعد یہ ناچیز قدرے فاصلہ سے بیٹھا ہوا تھا، بادشاہ نے شیخ احمد سے دریافت کیا کہ یہ کہاں کے ہیں؟ شیخ نے کہا کہ یہ ہندوستانی عالم ہیں ہمارے ساتھ کام کرتے ہیں، اس ناچیز نے ایک جملہ اور بڑھا دیا کہ ”من جماعۃ الشیخ الندوی“ ملک متوجہ ہوئے قریب آنے کا اشارہ کیا اور حضرت مولانا کی خیریت دریافت کی، انہوں نے حضرت مولانا کے ساتھ کئی اسفار کئے ہیں اور کئی کانفرنسوں میں شرکت کی ہے، خاص طور سے قطر کی مؤتمر السیرۃ والسنة میں یہ ناچیز بھی شریک رہا اور حضرت مولانا کے قافلے میں شریک تھا، دبئی

کے سفر پر مستقل مقالہ آ رہا ہے، حضرت نے متعدد بار فرمایا کہ ندوہ میں چند دن قیام کر کے بخاری شریف پڑھا دیں، افسوس کہ اس کا موقع ان کی زندگی میں نہ آ سکا، ۱۹۸۹ء میں جب ہم نے جامعہ اسلامیہ مظفر پور قائم کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت سے مشورہ کیا، تقریباً دس مرتبہ حضرت ہمارے یہاں تشریف لائے اور اس جامعہ میں قیام کر کے خوشی کا اظہار فرمایا، کبھی فرمایا گویا ہم ندوہ میں آ گئے ہیں، کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت ہمارے گھر پر بھی تشریف لائے، ہمارے اعزہ خصوصاً والدہ صاحبہ کو بہت خوشی ہوئی۔

۲۹ شعبان المعظم کو والدہ صاحبہ کے انتقال پر حضرت نے اپنی خانقاہ جو ندوۃ العلماء میں شروع رمضان میں قائم تھی، خصوصیت سے دعا و ایصال ثواب کی تاکید فرمائی، گھر سے واپسی پر چار دن ہمارا بھی وہاں قیام رہا، جو سکون و طمانینت کی کیفیت محسوس ہوتی تھی وہ بیان نہیں کی جاسکتی، حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی مجالس کی یاد تازہ ہوتی تھی، لکھنؤ سے ۱۹ دسمبر کو واپسی ہوئی اور یہاں سے فون سے بات کی اور عرض کیا کہ حضرت عمرہ کی خواہش ہے مگر اوجز کا کام بہت مؤخر ہو گیا، فرمایا عمرہ ضرور کریں، اخیر عشرہ ہے، ہمارے لیے بھی دعا فرماتے رہیں گے، چنانچہ حضرت کے فرمانے پر عمرہ کا سفر ہوا، ۳۱ دسمبر جمعہ کے دن سانحہ وصال کی ناگہانی اطلاع ملی، مسجد نبویؐ میں نماز غائبانہ میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مفکر اسلام

حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ

کا عالمی ایوارڈ کی مناسبت سے دہئی کا سفر

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ کے حادثہ وفات پر اہل علم و علماء و فضلاء کرام کے کثرت سے مقالات شائع ہوئے ہیں اور آئندہ ان پر ابھی بہت کچھ بہت کچھ لکھا جاتا ہے باقی، اور ان کے عظیم الشان کارناموں کو بیان کیا گیا ہے۔

اس ناچیز کا حضرت والا سے تعلق نصف صدی پہلے سے قائم ہوا تھا اور زندگی کے اخیر لمحہ تک الحمد للہ قائم رہا، بلکہ حضرت ہی میرے مربی اور سرپرست تھے، حضرت نے اس ناچیز کی چھ عربی اور تین اردو مولفات پر مقدمے تحریر فرمائے ہیں، اس شفقت و محبت کا تقاضا ہے کہ اس طویل عرصہ میں حضرت والا کو جو کچھ دیکھا اور جو کچھ ان سے سنا اس کو قلم بند کر دیا جائے، اس لیے ”حضرت مولانا کی یادیں اور باتیں“ کے عنوان سے ایک تحریر سپرد قلم کیا ہے، البتہ اس جزء کو جو دہئی سے تعلق رکھتا ہے اس کو الگ سے پیش کیا

جاتا ہے، اس مقالہ میں حضرت والا کے دہئی کے سفر کا آنکھوں دیکھا ہوا حال ہے ”شندیدہ کے بود مانند دیدہ“ حکومت دہئی دو سال سے رمضان المبارک میں مختلف اسلامی ممالک سے حفاظ قرآن کا انتخاب کر کے ۱۲ رمضان المبارک کو دعوت دے کر بلاتی ہے اور علماء قراء کی نگرانی میں حفظ قرآن کا عالمی مقابلہ کرایا جاتا ہے اور کامیاب ہونے والوں کو بڑے بڑے انعامات سے نوازا جاتا ہے اور ان کے علاوہ باہر سے شریک ہونے والے مہمانوں کی بھی تکریم کی جاتی ہے، اس موقع پر عالم اسلامی کی کسی شخصیت کا انتخاب کر کے عالمی جائزہ (ایوارڈ) سے نوازا جاتا ہے، یہ ایوارڈ دہئی کے ولی عہد اور امارات حکومت کے وزیر دفاع شیخ محمد بن راشد آل مکتوم اپنے ہاتھ سے عطا فرماتے ہیں، وہ خود اس احتفال میں شریک ہوتے ہیں۔

اس کے لیے شیخ محمد بن راشد نے دہئی میں ایک کمیٹی قائم کی ہے، اس کمیٹی کی یہ ذمہ داری ہے کہ جامع ازہر سے لے کر العین یونیورسٹی تک تمام عربی و اسلامی یونیورسٹیوں اور مراکز سے رابطہ پیدا کر کے ان کی رائے طلب کرے، اسی قاعدہ کے تحت گذشتہ سال جب یونیورسٹیوں اور مراکز سے اس کمیٹی نے رائے طلب کی تو اجتماعی فیصلہ ان سب کا یہ آیا کہ اس وقت عالم اسلامی کی علمی و دینی شخصیت شیخ ابوالحسن علی ندوی کی ہے اور وہی اس اعزاز کے مستحق ہیں اور اس کی اطلاع جب لکھنؤ حضرت مولانا کو دی گئی تو آپ نے اپنی صحت اور ماہ مبارک کے اہتمام و دیگر وجوہ سے سفر سے معذرت فرمادی، وہ کسی طرح سفر پر تیار نظر نہیں آ رہے تھے، چونکہ امارات کے حضرت کے متعدد

اسفار کے لیے یہ ناچیز ہی واسطہ تھا اس لیے صدر کمیٹی نے اور ان کے ساتھیوں نے باصرار مجھ سے فرمائش کی کہ آپ کسی طرح شیخ کو راضی کر لیں، اس لیے کہ شیخ کے نام کا اعلان ہو چکا ہے، ہمارے لیے شیخ کے نہ آنے پر بہت شدید حرج ہوگا اور دینی حلقہ پر ایک مایوسی کا اثر بھی ظاہر ہوگا، چنانچہ اس ناچیز نے حضرت کے معتمد علیہ و جانشین مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی سے اور مولانا سعید الرحمن اعظمی سے فون پر گفتگو کی، دونوں کی طرف سے جواب آیا کہ حضرت کا سفر ناممکن ہے، لیکن مولانا محمد رابع صاحب نے یہ فرمایا کہ آپ ماموں جی سے براہ راست بات کریں، ہم لوگ بھی تعاون کریں گے، اس ناچیز کا حضرت مولانا سے عرصہ سے ٹیلیفون ہی کے ذریعہ سے رابطہ قائم رہتا تھا اور خیر و عافیت معلوم کرتا تھا، اسی اصول کے مطابق حضرت والا کو فون کیا اور صورت حال سے مطلع کیا کہ کمیٹی کا شدید اصرار ہے اور سفر کے بہت سے فوائد بیان کئے کہ حضرت کی کتابوں کے پڑھنے کا رواج ہوگا، ہندوستانی علماء کا وقار بلند ہوگا، ندوۃ العلماء کا بیش از بیش تعارف ہوگا اور ہم لوگوں کے لیے بھی یہاں کام کا میدان زیادہ وسیع ہو جائے گا، حضرت نے فرمایا کہ انشراح نہیں ہو رہا ہے، اس ناچیز نے عرض کیا کہ حضرت فون ہی پر ایک قصہ سنانا چاہتا ہوں جو جناب والا سے تقریباً چالیس سال پہلے سنا تھا، وہ یہ کہ جناب نے خصوصی مشورہ کے لیے سہارنپور سے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو رائے پور حضرت اقدس رائے پوری کی خدمت میں جانے پر آمادہ کیا تھا، سفر کے لیے ایک تانگہ لایا گیا، اس زمانے میں کاروں کا رواج نہیں ہوا تھا، حضرت شیخ مع اپنے خدام کے اور جناب

والامع اپنے خادم کے تانگے پر سوار ہوئے، گھوڑا بہت اچھا تھا مگر جب تانگے والے نے گھوڑے کو چابک رسید کی تو گھوڑے نے دائیں طرف رخ موڑ لیا پھر گھوڑے کو اس نے سیدھا کیا اور چابک رسید کی تو گھوڑے نے بائیں طرف رخ پھیر لیا، کسی طرح آگے کی طرف بڑھنے کے لیے تیار ہی نہیں ہو رہا تھا، یہ تماشا بہت دیر تک کرتا رہا، اخیر میں شیخ نے فرمایا کہ علی میاں (غایت محبت سے حضرت شیخ مولانا کو اسی لقب سے پکارتے تھے) چلو میں نے نیت کر لی، اس کے بعد تانگے والے نے چابک بھری تو گھوڑا رائے پور جا کر رکا، حالانکہ سہارنپور سے رائے پور کا اچھا خاصا فاصلہ ہے، اس ناچیز نے عرض کیا اگر جناب ارادہ فرمائیں تو اسی طرح یہ سفر آسان ہو جائے گا، اس پر حضرت بہت کھل کھلا کر ہنسے اور فرمایا مولوی تقی الدین صاحب ضرور آؤں گا مگر مجھے عربوں میں خطاب کا موقع دیا جائے، مجھے ان سے کچھ کہنا ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت اس کا موقع تو ضرور رکھا جائے گا، اس پر موافقت فرمائی۔

مولانا محمد رابع صاحب نے کمیٹی کو منظوری کا تار بھیج دیا، یہاں پر ٹی وی، ریڈیو، اخبارات سب نے اس کا اعلان کیا اور حضرت کے حالات بیان کئے جانے لگے کہ اچانک ۱۰ رمضان المبارک کے بعد حضرت کی طبیعت خراب ہو گئی اور روزہ رکھنا مشکل ہو گیا، کمزوری بہت آگئی تھی، مولانا محمد رابع صاحب نے پھر کمیٹی کو معذرت کا تار بھیج دیا کہ شیخ کا سفر نہیں ہو سکے گا، یہ خبر کمیٹی پر ایک حادثہ بن کر گری، کمیٹی کے صدر جناب ابراہیم محمد ابو ملکہ جودہئی کے اٹارنی جنرل بھی ہیں، انہوں نے ہم سے لمبی گفتگو کی اور یہ بتایا کہ کل

تراویح کے بعد شیخ محمد بن راشد کی مجلس میں بہت سے علماء مدعو تھے، جن کی گفتگو کا موضوع شیخ ابوالحسن علی ندوی تھے، ان میں ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اس مجلس میں شیخ کے صفات بیان کئے اور یہ فرمایا کہ شیخ کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اس لیے شیخ کے نہ آنے کا دینی حلقہ پر اور ہم پر بہت شدید اثر پڑے گا، اس ناچیز نے عرض کیا کہ مجھے چند دن کا موقع دیں مگر کمیٹی والے روزانہ ٹیلیفون کرتے رہے، ایک مرتبہ ڈیڑھ بجے فون آیا اور اصرار تھا کہ ہم سب آپ کو لے کر لکھنؤ چلیں گے، میں نے ان سے عرض کیا کہ صبر کریں ان شاء اللہ شیخ آئیں گے، میں بات کروں گا، چند دن کے بعد یہ معلوم ہوا کہ حضرت کی طبیعت اچھی ہو رہی ہے، روزے بھی رکھ رہے ہیں، تراویح بھی پڑھ رہے ہیں اور اندر گھر میں بھی تشریف لے گئے، میں نے فون سے معلوم کیا کہ مولانا محمد رابع صاحب ہیں، معلوم ہوا کہ ندوہ میں تشریف رکھتے ہیں، میں نے فون سے رابطہ قائم کیا، دوسری لائن پر ابراہیم محمد ابو ملکہ مجھ سے بات کرتے تھے، میں نے مولانا محمد رابع صاحب سے کہا کہ بہت نازک مسئلہ ہے، دبئی والے اسپیشل جہاز بھیجنے کے لیے تیار ہیں، پورا وفد ساتھ جائے گا، ڈاکٹر بھی ساتھ ہوں گے، مولانا محمد رابع صاحب نے فرمایا کہ ماموں جی کا موڈ اب سفر کا نہیں ہے اور اس کا بدلنا بہت مشکل ہے اور یہ فرمایا کہ آپ ہی ہماری طرف سے معذرت کر دیں، میں نے کہا کہ ابراہیم محمد ابو ملکہ فون پر ہیں، بڑی مشکل سے مولانا بات کرنے پر تیار ہوئے ان کی گفتگو کے بعد مولانا محمد رابع صاحب نے کہا کہ اپنی ساری گفتگو فیکس سے بھیجے، یہ لے کر میں ماموں جی کے پاس رائے بریلی جاؤں گا، فیصلہ کا انتظار کریں،

بہر حال مولانا محمد رابع صاحب کی مساعی سے حضرت تیار ہو گئے، معاملہ بڑا نازک تھا، اس لیے کہ صحت بڑی کمزور تھی، معتکفین آئے ہوئے تھے، بہر حال حضرت مولانا کی طرف سے یہ تار آیا کہ ہم چند گھنٹے کے لیے جمعرات کو دہی آئیں گے اور جمعہ کو لکھنؤ واپسی ہو جائے گی، پھر کمیٹی نے اس ناچیز سے رجوع کیا کہ یہ بتائیے کہ جہاز جمعرات ہی کو اسی دن جائے جس روز جلسہ ہو رہا ہے یا ایک دن پہلے جائے، جاڑے کا موسم ہے اور آسمان پر کھرا ہے، اگر جمعرات کو وقت پر جہاز نہ آ سکا تو ہمارے لیے بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی، عالم اسلامی کے بڑے بڑے علماء اور یہاں کے بہت سے وزراء اور شیخ محمد اس میں شریک ہوں گے، میں نے عرض کیا کہ میں کچھ دیر کے بعد آپ کو پکا جواب دے سکوں گا، رائے بریلی میں نے فون کیا تو مولانا واضح رشید صاحب ملے، میں نے ان سے عرض کیا کہ حضرت سے جا کر درخواست کریں کہ اگر آسمان پر کھرا ہوا تو جمعرات کو نہیں پہنچ سکیں گے، حضرت نے میری رائے سے موافقت فرمائی، چنانچہ یہ خصوصی جہاز بدھ کو ساڑھے تین بجے لکھنؤ پہنچا اور حضرت اور رفقاء سفر (مولانا محمد رابع صاحب ندوی، مولوی عبداللہ حسنی، بھائی عبدالرزاق اور بھائی عثمان حیدر آبادی) کو لے کر یہ جہاز افطار کے وقت دہی کے خصوصی اپرپورٹ پر پہنچا جہاں حضرت کا استقبال کیا گیا، استقبال کرنے والوں میں کمیٹی کے ذمہ داران اور جناب عبداللہ غریب و مولانا سعید الاعظمی اور یہ ناچیز اور دیگر حضرات تھے، افطار اور مغرب کی نماز جناب عبداللہ غریب صاحب کے مکان پر ہوئی، وہاں تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد حضرت مولانا فندق البستان میں تشریف لائے جہاں

قیام کرنا تھا۔

ہوٹل میں سکورٹی لگا دی گئی تھی کہ لوگ حضرت کو تنگ نہ کریں، جمعہ کی رات کو جو دہئی کی تاریخ سے اکیس رمضان کی شب تھی عشاء کے بعد دہئی کے خصوصی بڑے ہال میں جلسہ شروع ہوا جس میں امراء و حکام و علماء و خواص شریک تھے، ہال کھچا کچ بھرا تھا، ولی عہد خود بھی تشریف رکھتے تھے، کئی مقررین نے حضرت کی زندگی اور کارناموں پر لمبی لمبی تقریریں کیں اور حضرت مع خدام کے ہال کے ایک متصل کمرے میں بیٹھے انتظار کر رہے تھے اور ہم لوگ بھی بیٹھے انتظار کر رہے تھے کہ حضرت وقت پر تشریف لائیں گے، اتنے میں ابو ظہبی سے نائب وزیراعظم شیخ سلطان بن زاید آل نہیان کا اس ناچیز کے پاس فون آیا کہ میں اس وقت والد صاحب یعنی شیخ زاید بن سلطان آل نہیان کی مجلس میں ہوں، شیخ والد صاحب سے ملنے کب آئیں گے؟ اس ناچیز نے ملاقات کا پروگرام پہلے سے طے کر لیا تھا لیکن حضرت کی طبیعت کی کمزوری سے خاموشی اختیار کر لی تھی، میں نے عرض کیا کہ شیخ تو حاضر ہونا چاہتے ہیں، آپ کے والد صاحب اور آپ کی ملاقات کے لیے آنا چاہتے ہیں مگر صحت سے مجبور ہیں، اگر جناب کل تراویح بعد تشریف لائیں تو بیحد خوشی ہوگی اور شیخ بہت دعائیں دیں گے، یہ کہہ کر میں نے ٹیلیفون حضرت کو بڑھادیا اور حضرت مولانا نے سلام کے بعد اپنی معذوری بیان کی اور دعا دی، بہر حال حضرت جلسہ گاہ میں داخل ہوئے، ایوارڈ کا ولی عہد دہئی نے اعلان کیا، اس کے بعد حضرت نے بہت مختصر تاریخی تقریر کی جو ”تعمیر حیات“ اور اخبارات میں آچکی ہے اور اس تکریم کا شکریہ ادا

کرتے ہوئے یہ اعلان فرمایا کہ یہ رقم دینی مراکز کے لیے وقف ہے تو اس پر بہت تالیاں بجیں اور عربوں کو خطاب کرتے ہوئے یہ بتایا کہ میری پیدائش ہندوستان کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ہوئی ہے، میرے والدین کی کوشش سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یہ مقام دیا کہ آج آپ میری تکریم کر رہے ہیں جس پر میں آپ حضرات کا ممنون ہوں، مگر ایک پیغام اپنے ساتھ لایا ہوں وہ علامہ اقبال کا ایک شعر ہے اس کا ترجمہ کیا۔

نہیں وجود حد و دثغور سے اس کا محمد عربیؐ سے ہے عالم عربی

جس میں یہ پیغام تھا کہ عالم عربی کی روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، یہ شعر جس کیفیت سے سنایا گیا اس کا عجب اثر ہوا، پورے مجمع پر آہ و بکا کا عالم طاری ہو گیا، نکلنے وقت مصافحہ کا ہجوم تھا، بڑی مشکل سے نکالا گیا، دوسرے دن صبح کو واپسی کا پروگرام تھا مگر حضرت کا اصرار پیہم تھا کہ میں ہندوستانی مسلمانوں سے مل کر جاؤں گا، آپ نے مجھ پر پہرا بیٹھا رکھا ہے، چنانچہ مشورہ کے بعد مسجد غریب میں نماز جمعہ اور حضرت کا بیان طے کیا گیا، اور جمعہ کو ہوٹل میں لوگ کثرت سے حضرت سے ملنے آئے جن میں بعض بڑے بڑے تجار اور ذمہ داران تھے، حضرت کے ایک ہی فقرے سے بعضوں پر گریہ طاری ہو گیا، بہر حال جمعہ کی نماز مسجد غریب میں پڑھی گئی، حضرت کی ۲۰ منٹ کی تقریر ہوئی، جس میں تبلیغی جماعت اور تبلیغی کام کی اہمیت و ضرورت کو بیان کیا اور اس میں شرکت کی دعوت دی، واپسی میں حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ مولوی تقی الدین صاحب مجھ سے کون سا گناہ ہوا تھا کہ رمضان شریف میں مجھ کو بلایا گیا، میں نے عرض کیا کہ

حضرت آپ کی تقریر سے عرب و عجم دونوں کو فائدہ ہوا، کتنے لوگ رو پڑے، اس پر انشراح ہو گیا، اسی دن عصر کے بعد مجھ کو بلایا کہ مولوی سعید کہہ رہے ہیں کہ شارقہ جانا ضروری ہے، مجھ کو وہاں لے چلئے، جمعہ کے دن کوئی صورت وہاں سے رابطے کی نہ تھی لیکن حضرت ہی کی برکت تھی کہ حاکم شارقہ ڈاکٹر سلطان بن محمد القاسمی جس مجلس میں افطار کرتے تھے اس مجلس تک میرا فون پہنچ گیا، اس ناچیز نے پیغام پہنچایا کہ شیخ بات کرنا چاہتے ہیں، افطار کے بعد حاکم شارقہ نے مجھے فون کیا، میں نے عرض کیا کہ شیخ تو آپ کو یاد کر رہے ہیں اور آپ سے ملنا بھی چاہتے ہیں، مگر اپنی صحت سے معذور ہیں، انہوں نے فرمایا کہ ”لا، لا تاتنی بالشیخ نحن نأتي إلیه“، ”نوبکے کا وقت طے ہوا، چنانچہ ان کے آنے سے پہلے پورا ہوٹل خالی کرا دیا گیا اور پولیس کے انتظام میں آ گیا، ہم چند خدام اور کمیٹی کے لوگ رہ گئے تھے، ہم نے بڑھ کر شیخ کا استقبال کیا، وہ حضرت کے پاس بیٹھ کر آدھے گھنٹے کے بعد واپس گئے، اس کے بعد ابوظہبی سے فون آیا کہ شیخ سلطان بن زاید آل نہیان نائب وزیراعظم ”دولة الامارات“ آ رہے ہیں، ٹی وی، ریڈیو والے سب اکٹھا ہو گئے، ہم نے یہاں بھی بڑھ کر استقبال کیا، انھوں نے سلام و مصافحہ کے بعد حضرت مولانا کو اپنے والد صاحب کا سلام پہنچایا اور بیس منٹ کے بعد واپس آ گئے، دوسرے دن ۲۲ رمضان المبارک بروز شنبہ صبح لکھنؤ واپسی ہوئی اور وہ نورانی مجلس، وہ صحبتیں، وہ ماحول جو رمضان المبارک میں دہی میں پیدا ہو گیا تھا خاص طور پر فندق البستان میں وہ دیکھنے والوں کو تازہ زندگی یاد رہے گا، افسوس صد افسوس کہ یہ

رمضان المبارک جس میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی اور چار دن رہنے کا موقع ملا، انوار و برکات کا سماں ایسا تھا کہ حضرت رائے پوری کی یاد تازہ ہو جائے، اس موقع پر فرمایا کہ امسال انعام کس کو ملے گا؟ میں نے عرض کیا بادشاہ کو اور حضرت کو تو بادشاہوں سے پہلے انعام مل چکا ہے، حضرت نے اس پر تبسم فرمایا، میرا اشارہ شیخ زاید کی طرف تھا جن کو انعام اس سال دیا گیا تھا، افسوس صد افسوس ہندوستان سے واپسی کے بعد مکہ مکرمہ میں یوم جمعہ ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت ہم سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر رخصت ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، ان کی قبر پر انوار کی بارش نازل فرمائے۔ آمین۔

مولانا محمد طاہر صاحب منصور پوریؒ (..... - ۱۴۲۲ھ / ۲۰۰۱ء)

محترم مولانا محمد طاہر حسینی منصور پوری کے سانحہ ارتحال کی خبر اچانک ۹ شوال ۱۴۲۲ھ کو فون سے دی گئی، سن کر بہت ہی قلق ورنج ہوا، ان کی علالت کا سلسلہ عرصہ سے جاری تھا، ان کے سانحہ سے ایک دن پہلے محترم مولانا سید واضح رشید صاحب ندوی سے فون کے ذریعہ خیر و عافیت معلوم کی مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ اتنی جلدی وہ اس دارِ فانی سے دارِ آخرت کی طرف منتقل ہو جائیں گے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

مولانا محمد طاہر منصور پوری، منصور پور مظفرنگر کے حسینی خاندان کے چشم و چراغ تھے، ان کے خاندان کا دیوبند، سہارنپور، رائے پور و تھانہ بھون کے روحانی مراکز سے گہرا تعلق تھا، ان کے والد مرحوم حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت و ارادت کا تعلق رکھتے تھے، اس لئے حضرت والا کی مولانا محمد طاہر پر خصوصی شفقت تھی، اسی تعلق سے حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ سے تعارف و تعلق پیدا ہوا، ان اکابر کے مشورے سے مولانا نے اپنے تعلیمی مراحل رائے پور و نظام الدین اور آخر میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں پورے کئے، دورہ حدیث

مظاہر میں پڑھا، اس طرح حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ سے خصوصی تعلق پیدا ہوا، حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا ۱۹۵۰ء میں جو حجاز مقدس اور بلاد عربیہ کا تاریخی تبلیغی سفر ہوا تھا جس کی تفصیل ”مذکرات سائح فی الشرق الأوسط“ میں لکھی گئی ہے، اس سفر میں مولانا محمد طاہر بھی رفقاء سفر میں تھے، حجاز مقدس میں سعید خان صاحب کی سرپرستی میں تبلیغی کام کرتے رہے، دو حج کی سعادت نصیب ہوئی، تیسرے حج کے بعد اردن و شام و عراق میں تبلیغی کام کرتے ہوئے ہندوستان واپس ہوئے۔

سفر سے واپسی پر جناب ڈاکٹر عبدالعلی صاحب نور اللہ مرقدہ نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے مشورہ سے اپنی صاحبزادی کا رشتہ مولانا سے طے کیا اور حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ نے نکاح پڑھایا، اللہ تعالیٰ نے اس میں خیر و برکت عطا فرمائی، ان کے صاحبزادگان عزیزان مولانا سلمان ندوی و مولانا اسحاق ندوی اور مولانا صہیب ندوی ماشاء اللہ سب کے سب عالم و فاضل ہوئے، ان شاء اللہ یہ سب اپنے والد محترم کے لیے ذخیرہ آخرت بنیں گے۔

اس ناچیز کا حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ سے تعلق ۱۹۵۲ء سے قائم ہوا تھا جو آخری دم تک قائم رہا، طالب علمی میں حضرت کے یہاں قیام و طعام بھی اکثر رہتا تھا، اس طرح حضرت مولانا علی میاں صاحب اور ان کے ساتھ آنے والوں سے بھی تعلق پیدا ہو گیا تھا، ان میں مولانا محمد طاہر صاحب بھی تھے، اس لیے

۱۹۵۶ء میں یہ ناچیز جب ندوۃ العلماء میں مدرس ہو کر آیا اور وہاں دس سال قیام رہا، مولانا محمد میاں صاحب مرحوم میرے رفیق درس تھے، ان کی وجہ سے ان کے مکان پر کثرت سے جانا ہوتا تھا، اس طرح مولانا محمد ثانی اور مولانا محمد طاہر سے تعلق ہو گیا تھا، حضرت شیخ کے تعلق سے اس ناچیز سے یہ دونوں حضرات بہت ہی محبت فرماتے تھے۔

مولانا محمد طاہر صاحب کی ابتدائی زندگی بہت ہی مجاہدہ و صبر آزار ہی ہے، حضرت شیخ کی بڑی خواہش تھی کہ مولانا ندوہ میں پڑھائیں، اس سلسلہ میں حضرت مولانا علی میاں صاحب پر بہت زور دیا، اس طرح کچھ دنوں ”ہدایہ“ پڑھایا پھر ترک کر دیا، وہ غالباً اس لئے کہ حضرت مولانا علی میاں اپنے اعزہ کو دارالعلوم میں ملازم رکھنے کے لیے تیار نہیں تھے، کچھ مدت کے بعد دارالعلوم کے حالات کے پیش نظر ان کی تقرری دفتر نظامت میں کی گئی، جہاں تک یاد پڑتا ہے یہ تقرری جناب مولانا معین اللہ ندوی کے اصرار شدید و سعیِ مبلغ کے بعد ہوئی، دارالعلوم کے حالات کے پیش نظر معین ناظم مالیات کی شدید ضرورت تھی، اس طرح ایک طویل مدت تک مولانا نے دارالعلوم میں پوری مستعدی و اخلاص سے خدمت انجام دی، مگر چند سالوں سے اپنی معذوریوں کی بنا پر ملازمت کو ترک کر دیا تھا۔

مولانا مرحوم حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ سے بیعت تھے اور شیخ ہی کی طرف سے ان کو اجازت و خلافت بھی دی گئی تھی، وہ رمضان المبارک بہت یکسوئی کے ساتھ حضرت شیخ کے یہاں گزارتے تھے، یہ ناچیز بھی تقریباً ہر سال ماہ مبارک وہاں گزارنے

کی سعادت حاصل کرتا، اسی زمانے کے حضرت کے ملفوظات کتابی صورت میں جمع کئے ہیں جو اردو کے علاوہ گجراتی میں کافی تعداد میں شائع ہوئے ہیں، اب معلوم ہوا ہے کہ جنوبی افریقہ میں انگریزی میں ترجمہ کر کے اسے شائع کیا جا رہا ہے۔

مولانا محترم نے تین صاحبزادگان کو چھوڑا، جن میں سب سے مشہور و معروف عزیز گرامی مولانا سید سلمان حسینی ندوی دوسرے صاحبزادے مولوی سید محمد اسحاق حسینی ندوی کا انتقال ہو گیا، تیسرے صاحبزادے مولوی سید صہیب حسینی ندوی ہیں جو ندوۃ العلماء میں استاد ہیں۔

مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب رحمہ اللہ (۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء - ۱۴۲۳ھ / ۲۰۰۲ء)

میں ہندوستان میں تھا کہ یہ اندوہ ناک خبر ملی کی قاضی مجاہد الاسلام کا انتقال دہلی کے اپولو ہسپتال میں ہو گیا اور ان کی تدفین ان کے آبائی گاؤں مہدولی ضلع در بھنگا بہار میں ہوئی، یہ خبر سن کر دل و دماغ پر ایک بجلی سی گر گئی، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

قاضی صاحب مرحوم سے عرصے سے تعلق تھا، ہندوستان اور ابوظہبی میں ان سے برابر ملاقاتیں رہیں، ہر ملاقات میں ان کی لیاقت، صلاحیت، حکمت اور ملک و ملت کے تئیں ان کی فکر اور دلسوزی کے نقش نمایاں تر ہوتے رہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی محنت کو قبول فرمایا اور امارت شرعیہ کی صوبائی حد و قید سے نکل کر ملک گیر پیمانہ پر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، ملی کونسل اور فقہ اکیڈمی کے ذریعہ ان کی خدمات کا دائرہ وسیع ہوا، یہی نہیں عالم عرب میں دیکھا کہ یہاں کے علماء ان کی قدر و منزلت کے معترف اور قائل تھے، خصوصاً ان کے تفقہ، علم فقہ میں ان کے تجر و وسعت نظر اور مسائل و مشکلات کی تہ میں پہنچنے والی ان کی خاص خوبی کا سب کو اعتراف تھا، میری نظر میں یہ کم معمولی بات نہیں، حقیقت بھی یہی ہے کہ فقہ ہی ان کا اصل موضوع اور ان کے لیے مایہ ناز مضمون تھا، ان

کی عمر کا بیشتر حصہ اسی علم شریف کی خدمت میں گزرا، امارت شرعیہ کے قاضی ہونے کی حیثیت سے انہوں نے جو فیصلے کئے اور مسائل کا جس طرح حل تلاش کیا وہ فقہائے متقدمین کے رسوخ فی العلم کی یاد تازہ کرتا ہے، پیش آمدہ ان فقہی مسائل نے شاید ان کی فکر اور جذبہ کو مسلمانوں خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں کے اصل مسائل کی جانب توجہ مبذول کی، اسی درد نے ان سے ملی کونسل کی تشکیل کا داعیہ پیدا کیا اور حضرت مولانا قاری محمد طیب، مولانا منت اللہ رحمانی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہم اللہ جیسے دور اندیش اور صاحب فہم حضرات کی نگاہ جوہر شناس نے مسلم پرسنل لا بورڈ کے لیے ان کا انتخاب کیا، اور جب ان نامور اور تجربہ کار شخصیتوں نے مسند قیادت خالی کی تو قدرتاً ان کی جانشینی کا مسئلہ حل ہو گیا، مسلمانوں کے نقطہ نظر سے ملک کی سیاست کو سمجھنا اور اس کے مطابق لائحہ عمل طے کرنا کامل فراست کا متقاضی ہے، اگر چند مرحلوں کی مجبوریوں کو مد نظر رکھا جائے تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ قاضی صاحب نے ایمانداری اور ہوش مندی سے اس کارامانت کو انجام دیا، لیکن میری نظر میں قاضی صاحب کا اصل میدان عمل، علم فقہ میں جدید مسائل کے حل میں بے مثال فقہی بصیرت کو بروئے کار لانا ہے، اردو اور عربی و انگریزی میں ان کی فقہی تصنیفات کی تعداد تیس سے متجاوز ہے جن میں ان کے فتاویٰ کے مجموعے جیسے فتاویٰ امارت شرعیہ اور نظام الفتاویٰ بھی ہیں، انہوں نے کتاب العشر والزکوٰۃ اور کتاب الفسخ والتفریق لکھی تو جدید تجارتی شکلیں، بیع بالتقسیت اور شیرز اور کمپنی جیسی کتابیں بھی ان کے قلم سے نکلیں، عربی زبان میں نظام القضاء فی الاسلام، الوقف، قضا یا فقہیہ معاصرہ، فقہ المشکلات، صنوان القضاء جیسی قابل قدر کتابیں

بیروت و کویت سے شائع ہوئیں اور جن کی وجہ سے علمائے عرب میں ان کو عزت و احترام اور قدر و قبول کی نظر سے دیکھا گیا، سننے میں آیا ہے کہ انہوں نے کویت کی مشہور مطبوعہ الموسوعۃ الفقہیہ کے اردو ترجمہ کا اہتمام بھی فرمایا تھا، آخر عمر میں انہوں نے مسلم پرسنل لا سے متعلق احکام شریعت کا ایک دفعہ وار مجموعہ ”مجموعہ قوانین اسلامی“ کے نام سے شائع کرایا، امت میں فقہی رجحان و مذاق سے آشنا ہونے کے لیے رسالہ بحث و نظر جاری کیا اور کئی ادارے صرف فقہ کی منہی تعلیم کے لیے قائم کیے، جدید مسائل کے اجماعی حل کی تلاش کے لیے انہوں نے فقہی سمیناروں کا انعقاد کیا اور قدیم فقہ اور جدید ماہرین کو جس خوبی سے ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا وہ بجائے خود ایک کارنامہ ہے، یہاں ان کی اس خوبی کا ذکر بھی ناگزیر ہے جو ان کی زندگی میں سب سے نمایاں رہی اور یہ ان کی بہترین انتظامی صلاحیت تھی، طبقہ علماء میں یہ صفت قریب قریب عنقا ہے، جب ذہن میں کشادگی اور نظر میں وسعت اور دل میں فراخی ہو تو ایسی شخصیت ہی مجاہد الاسلام کے قالب میں نظر آتی ہے، مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم نے ایک بار شاید کسی فقیہ عالم کے بارے میں کہیں لکھا تھا کہ ”جدت و قدامت کا توازن رکھنے والے فقیہ نہیں، جن کی ضرورت ہے اور جو عملاً اس وقت عنقا ہیں، بلکہ قدامت کی طرف پورے جھکے ہوئے اور تشدد کی طرف ایسے ہی مائل جیسے عموماً علماء ہوتے ہیں لیکن پھر کیا کیا جائے“ قاضی صاحب اس وقت ہوتے تو شاید مولانا دریابادی کو اپنے سوال کا جواب مل جاتا، افسوس کہ اس گوہر بے بہا سے ہم ایسے وقت محروم ہوئے ہیں جب ان کی ضرورت ملک و ملت دونوں کو بہت زیادہ تھی، اللہ تعالیٰ ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

مولوی مسعود خاں مرحومؒ

(..... - ۱۴۲۳ھ / ۲۰۰۲ء)

۴ جولائی ۲۰۰۲ء نو بجے رات میں اچانک یہ دلدوز خبر ملی کہ مولوی مسعود خاں کا دہلی میں ایک حادثہ میں انتقال ہو گیا، فون کے ذریعہ ان کے بڑے صاحبزادے (محمود) سے اسی وقت تصدیق ہو گئی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ، ابھی چند ماہ پہلے ہندوستان کے سفر کے موقع پر اپنے وطن مظفر پور میں ان سے ملاقات رہی، میرا ان سے تعلق تقریباً تیس سال کا رہا، اور میرے ہر سفر کے موقع پر وہ متعدد بار تشریف لاتے، اپنی منسٹری کے زمانہ میں بھی اور اس کے بعد بھی، انھوں نے محبت الدین ایجوکیشنل سوسائٹی منگراواں جو کئی تعلیمی اداروں کے چلانے کی ذمہ دار ہے اس کا مجھے صدر بنا رکھا ہے، اور میرا بھی ان کے ساتھ اور ان کے کاموں کے ساتھ ہر طرح کا تعاون تھا، اس لیے ان سے ایک خاص تعلق و محبت پیدا ہو گئی تھی، وہ ہماری ہر خوشی و غم میں شریک رہتے، ہمارے جامعہ اسلامیہ کے کاموں کے سلسلہ میں یا ہماری کوئی ذاتی ضرورت پیش آتی تو اس کے لیے وہ ہر وقت تیار رہتے، اس لیے ان کی جدائی و فراق سے دل پر بہت ہی گہرا اثر ہے۔

دم فرقت عجب عالم ہے دل کی بیقراری کا

کہ جیسے فصل گل ماتم کرے بادِ بہاری کا

مولوی مسعود صاحب کی قدر و قیمت کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جن کو قریب رہنے، قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا، شہرت تو ان کو اس وقت ملی جب ۱۹۷۷ء میں جنتا پارٹی کی حکومت کے زمانہ میں (PWD) کے کاہنی وزیر ہوئے، اور اپنے حسن انتظام سے انھوں نے پورے یوپی اور خاص طور سے اعظم گڑھ میں سڑکوں کی تعمیر کا وہ کارنامہ انجام دیا جس کی مثال نہ پہلے تھی اور نہ بعد میں کسی وزیر سے اس کی توقع رہی۔ ان کا علما و مشائخ اور بالخصوص حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلق تھا، چنانچہ انہوں نے اپنی منسٹری کے زمانہ میں وہ سڑک جو رائے بریلی سے تکیہ تک جاتی ہے اور جس کا بجٹ بھی پاس ہو چکا تھا مگر جو زیر آتا اس کی تعمیر کا وعدہ ہی کرتا، مسعود خاں نے اپنے زمانہ میں اس کو تعمیر کرایا اور حضرت مولانا کی دعاؤں کے حقدار بنے، خاکساری و تواضع اور عوام کی خدمت کا جذبہ ان کے خمیر میں تھا۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ابو ظبی کے ایک سفر میں یہ قصہ سنایا کہ ہم نے ندوۃ العلماء میں اپنی مجلس میں پوچھا کہ مسعود خاں منسٹر ہو گئے ہیں، بہت دنوں سے ہمارے پاس آئے نہیں اور مسعود خاں کمبل اوڑھ کر ہماری مجلس میں سلام کر کے بیٹھے ہوئے تھے، لوگوں نے کہا کہ حضرت، وزیر صاحب آپ کے پاس بیٹھے ہیں، یہ تھی ان کی صفت خاکساری اور یہی ہونا بھی چاہئے تھا، کیوں کہ ان کا تعلق

جس خانوادہ سے تھا وہ آداب تصوف سے آراستہ تھا، ان کے بڑے بھائی مولانا محمد سعید خاں صاحب مجددی سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں صاحب نسبت بزرگ تھے، ان کی تعلیم و تربیت کا فیضان ایسا عام اور عند اللہ مقبول ہوا کہ یہ سلسلہ ملک و بیرون ملک میں پھیلا، مولوی مسعود خان صاحب کو ان کے بڑے بھائی نے مدرسہ بیت العلوم میں داخل کرا کے مشکوٰۃ شریف تک عربی و دینیات کی تعلیم دلائی اور اس کے بعد وہ انگریزی تعلیم میں مشغول ہو کر وکیل ہوئے، ان کا فطری شوق و جذبہ، عوام کی خدمت کا بڑھتا رہا، ان کے سیاسی سفر نے ڈاکٹر فریدی کی ملاقات و تعلق سے ایک خاص رخ اختیار کر لیا، چنانچہ وہ مسلم مجلس کے سرگرم و متحرک ممبر ہو گئے لیکن حالات کے تقاضوں نے اخیر میں ان کو چرن سنگھ سے رشتہ استوار کرنے پر آمادہ کیا اور وہ پھر تادم اخیر ان کے اور ان کے بیٹے اجیت سنگھ کے ساتھ چلتے رہے، چنانچہ وہ یوپی اسمبلی، یوپی کونسل اور پارلیمنٹ کے ممبر مقرر ہوئے لیکن ان ساری کامیابیوں کے باوجود ان کے صوفی منش مزاج میں تبدیلی نہیں آئی۔

ایک مرتبہ ندوہ میں حضرت مولانا علی میاں سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے، رکشہ کر کے آئے تھے، یہ ناچیز بھی مجلس میں حاضر تھا، مولانا نے فرمایا کہ آپ کے پاس گاڑی نہیں ہے، انھوں نے نفی میں جواب دیا، حضرت نے فرمایا کہ بھائی اعظم گڑھ والوں کی ذمہ داری ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت مشکل یہ ہے کہ یہ کسی کی امداد قبول نہیں کرتے ہیں، آخر عمر میں انھوں نے گاڑی خرید لی تھی۔

وہ سیکولر سیاست کے رکن رکین ہونے کے باوجود مسلمانوں کے مسائل کی فکر اور حل کے لئے برابر کوشاں رہتے، ۱۸۰۰ء کے درمیان سبکی و نو ناری گاؤں کے فسادات کی آگ کو بجھانے اور زخموں پر مرہم رکھنے میں غیر معمولی قربانی دی، اعظم گڑھ ضلع یا شہر میں کوئی حادثہ پیش آتا تو اس کو رفع دفع کرنے اور ذمہ داروں سے مل کر سلجھانے میں خصوصی کردار ادا کرتے تھے، ان کی آواز اعلیٰ حلقوں میں سنی جاتی، ان کے مشوروں پر توجہ دی جاتی، ایسے نازک موقعوں پر جس دانائی اور معاملہ فہمی کا ثبوت دیتے اور معاملہ کو جس خوبی سے سلجھاتے اس کا اعتراف سبھی پارٹیوں اور جماعتوں کو تھا، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اخیر میں یوپی اسمبلی کے (ایم ایل سی) بغیر مقابلہ منتخب کئے گئے اور ان کے انتقال کے بعد اعظم گڑھ میں جو جلسہ منعقد ہوا اس میں سبھی پارٹیوں کے لوگ شریک رہے اور ان کو خراج عقیدت پیش کیا، ان کی ذات اعظم گڑھ کے لئے بڑا مرجع تھی، افسوس کہ یہ ایک ایسا خلا پیدا ہوا کہ اب کسی دوسرے مسلمان لیڈر سے بظاہر اس کے پُر ہونے کی امید نظر نہیں آتی، ان کے انتقال سے ملک و ملت اور خاص طور سے اعظم گڑھ کو نقصان ہوا اس کا احساس ہر فکر مند اور درد مند دل کو ہے۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی

اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

انھوں نے منگراواں گاؤں کے مکتب کو بڑے مدرسہ قاسم العلوم میں تبدیل کر دیا، بچیوں کے مدرسے کو نسواں کالج بنایا، انٹر کالج، ڈگری کالج اور ان سب کی طویل

عمارتیں اور ان کا نظم و نسق جس خوبی سے چلایا اس کی مثال بہت کم ہے، انہی خوبیوں اور گونا گوں صلاحیتوں کی وجہ سے انہیں۔

در کف جام شریعت در کف سندان عشق

کا مصداق کہا جاسکتا ہے۔

بہر حال ان کے انتقال سے خود شخصی طور پر مجھے بہت رنج و غم ہے اور ان کے استغناء و بے نیازی کی بہت سے مثالیں میرے سامنے ہیں، اگر بیان کیا جائے تو مضمون طویل ہو جائے گا، کسی موقع پر اس کی تفصیل کی جائے گی، اس مختصر مضمون میں اپنے دلی رنج و غم کا اظہار مقصود ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اولاد (محمود، محفوظ) کو ان کے طریقے پر گامزن فرمائے اور ان کے پورے گھرانے کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے مرحوم کو اپنی رحمتوں سے نوازے اور ان کے اعمال حسنہ کو شرف قبولیت بخشے اور ان کے کاموں اور کارناموں کی پوری حفاظت فرمائے اور ترقی کی راہ پر ہمیشہ گامزن رکھے، آمین۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

آہ ڈاکٹر اشتیاق احمد قریشیؒ

(..... - ۱۴۲۴ھ / ۲۰۰۳ء)

ڈاکٹر اشتیاق احمد قریشی مرحوم اس ناچیز کے مخلص دوستوں میں تھے، ان سے پہلی مرتبہ تعارف اس وقت ہوا جب وہ لندن سے ہومیو پیتھک کی ڈگری لے کر ہندوستان آئے، ان کے والد صاحب بہت مشہور ہومیو پیتھک کے ڈاکٹر تھے اور ان کا ندوۃ العلماء سے خصوصاً حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے خاص تعلق تھا، ڈاکٹر صاحب کی واپسی ۱۹۶۰ء میں ہوئی، اس کے بعد ندوۃ العلماء نے ان سے معاملہ طے کیا کہ ہفتے میں دو دن طلباء کو آکر دیکھ لیا کریں، یہ ناچیز اس وقت چھوٹی بورڈنگ کانگراں بھی تھا، اس لئے ڈاکٹر صاحب کمرے ہی میں تشریف لاتے، اس طرح ان سے تعلق بڑھتا رہا اور ان کا حضرت مولانا علی میاں ندویؒ و حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ سے تعلق بڑھتا رہا اور وہ ان حضرات کے کاموں میں رفیق و مشارک و معتمد علیہ ہو گئے تھے۔

مجلس مشاورت جب قائم ہوئی تو اس کے ایک اہم رکن بن گئے، اس کی طرف سے اخبار ”ندائے ملت“ کا جب نومبر ۱۹۶۳ء میں رسم اجراء ہوا تو ڈاکٹر صاحب نے اس کی خدمت کو اپنے سراوڑھ لیا تھا، اسی طریقے سے دینی تعلیمی کونسل جب قائم ہوئی تو اس

کے بھی رکن رکین رہے اور دینی و ملی کاموں میں پیش پیش تھے، اس کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا علی میاں کے اکثر اسفار میں ان کو رفاقت کا شرف حاصل تھا، ان کی زندگی میں بہت تبدیلی آئی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدنی و حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری و مرکز نظام الدین نئی دلی سے گہرا تعلق پیدا ہو گیا تھا بالآخر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری سے بیعت بھی ہوئے، اسی بنا پر اس ناچیز بھی بہت ہی محبت فرماتے تھے۔

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوائے دوست

انھوں نے اپنی زندگی میں مدرسۃ البنات ”نور الاسلام نسواں“ قائم کیا جو بہت کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے، اپنے صاحبزادوں کی دینی و اصلاحی تربیت فرمائی، ان کے صاحبزادے ڈاکٹر شعیب قریشی الحمد للہ ان کی پوری جانشینی طب و دینی کاموں میں کر رہے ہیں، وہ ندوۃ العلماء کے رکن بھی ہیں، ان کا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کے خلیفہ حضرت مولانا قاری امیر الحسن صاحب سے بیعت و ارادت کا تعلق قائم ہوا اور اس میں ترقی کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی طرف سے اجازت و خلافت کی دولت سے سرفراز ہوئے، اللہ تعالیٰ ان کے فیض کو قائم رکھے، آمین۔

مولانا محمد رضوان القاسمی مرحومؒ

(۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۴ء - ۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۴ء)

آج ڈاکٹر محسن عثمانی صاحب کے فون کے ذریعہ مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب کے سانحہ ارتحال کا علم ہوا، دل بے حد رنج و غم میں مبتلا ہے، مولانا بہت سی خصوصیات و صفات کے حامل تھے، ان کے ذریعہ سے حیدرآباد میں خصوصیت سے بڑا فیض پہنچ رہا تھا، انہوں نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اپنے اکابر کے مشوروں کی بنا پر حیدرآباد کی سرزمین کو اپنے کام کا میدان بنایا، وہاں ایک عظیم الشان درسگاہ دارالعلوم سبیل السلام کے نام سے قائم فرمائی، یہ دارالعلوم ان کے اخلاص و محنت اور جدوجہد اور ان کے مخلص رفقاء کے تعاون سے جنوبی ہند کی ممتاز و معروف دینی درسگاہ بن گیا، حالاں کہ اس کا سنگ بنیاد ۱۹۷۲ء میں رکھا گیا، ۳۲ سال کی مدت اس ادارہ کے عظیم الشان کارناموں کے دیکھتے ہوئے بہت کم ہے، وہاں دورہ حدیث تک کی تعلیم دی جاتی ہے، علمیت و فضیلت کے شعبوں سے سینکڑوں طلبہ فارغ ہو کر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، مولانا اگرچہ اس ناچیز سے عمر میں کچھ چھوٹے تھے لیکن نہایت ہی محبت کا معاملہ فرماتے تھے، میرے علمی و حدیثی کاموں کے لئے بلند کلمات فرما کر تشجیع و حوصلہ

فرماتے تھے، میرے ابو ظبی کے قیام کے موقع پر میرے مقرر العین بھی تشریف لائے اور بیان کیا کہ جب ہم لوگ دارالعلوم دیوبند کے دورہ حدیث میں تھے اس وقت ”محدثین عظام“ ہمارے مطالعہ میں تھی اور ہم نے اس سے پورا استفادہ کیا اور آپ سے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے یہاں بار بار ملاقاتیں رہیں، جب انھوں نے دارالعلوم سبیل السلام میں دورہ حدیث کا سلسلہ شروع کرنے کا ارادہ فرمایا تو جناب مولانا قاضی مجاہد الاسلام مرحوم کے ذریعہ اس ناچیز کو اس میں نہ صرف شرکت کی بلکہ دورہ حدیث کے افتتاح کی دعوت دی اور یہ تاکید فرمائی کہ تقریر صرف علمی ہی نہ ہو بلکہ عوامی بھی رکھنی پڑے گی، لیکن مقدر سے یہ ناچیز العین یونیورسٹی کے امتحانات میں مشغول تھا، ان کی مقررہ تاریخ میں شرکت سے معذرت کی مگر ان کے دارالعلوم کی شہرت، علمی و تحقیقی کاموں کی اطلاع ہوتی رہی، اور خود حضرت مولانا سے بھی برابر رابطہ رہا، امارات کے سفر میں ان سے بار بار ملاقاتیں ہوتی رہیں، وہ تواضع و خاکساری اور محبت و وسعت نظر کا اعلیٰ نمونہ تھے، ابھی ایک ماہ پیشتر اس ناچیز کو پروگرام کے مطابق اکل کوامہاراشٹر اور گجرات کے بعض مدارس میں ختم بخاری کے لئے سفر کرنا تھا، جب مولانا کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے اصرار فرمایا کہ میں خود اکل کوآ کر آپ کو حیدر آباد لاؤں گا، اس ناچیز نے عرض کیا کہ آپ ابھی مریض ہیں، میں خود آئندہ شوال میں ان شاء اللہ حاضر ہونے کی کوشش کروں گا، اس کے بعد اچانک علالت کا علم ہوا، اور آج اس جانکاہ سانحہ کی خبر سنی ۔

نہ سمجھے تھے کہ اس جانِ جہاں سے یوں جدا ہوں گے

یہ سنتے گو چلے آتے تھے اک دن جان ہے جانی

بقیۃ السلف

اور یادگار حضرت حکیم الامت تھانویؒ

مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ

(۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء - ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء)

ناچیز ۱۶ مئی ۲۰۰۵ء کو نظام الدین دہلی آیا ہوا تھا کہ اچانک یہ ناگہانی خبر فون کے ذریعہ دی گئی کہ حضرت محی السنہ وبقیۃ السلف و یادگار حضرت حکیم الامتؒ مولانا شاہ ابرار الحقؒ کا آج پونے نو بجے شب میں انتقال ہو گیا، اپنے ہزاروں، لاکھوں عقیدت مندوں کو چھوڑ کر عالم آخرت کی طرف ان کی روح پرواز کر گئی، إنا لله وإنا الیہ راجعون۔ دل و دماغ اس صدمے سے چور ہے، کس طرح صبر کیا جائے اور کس طرح تعزیت پیش کی جائے اگرچہ حضرت والاؒ کے داماد حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہ العالی جو حضرت والاؒ کے سچے جانشین اور ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ کے خلیفہ ہیں ان کی خدمت میں تعزیت پیش کی اور جو حالات حضرت والاؒ

کی وفات کے وقت پیش آئے ان کی کچھ تفصیلات فون کے ذریعہ معلوم ہوئیں ۔
 نشانِ مردِ مومن با تو گویم چوں مرگ آید تبسم بر لبِ اوست
 حضرت والا کے وصال کے وقت چہرہ انور پر انوار کی بے پایاں بارش ہو رہی
 تھی، جو صرف خواص علمائے امت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہوتا ہے، اس کے آثار
 نمایاں و درخشاں تھے، ہزاروں، لاکھوں کا مجمع اطراف و اکناف اور دور دور سے کشاں
 کشاں چلا آ رہا تھا، نماز جنازہ مولانا امیر حسن صاحب مدظلہ نے پڑھائی جو ہمارے
 استاذ حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے بڑے خلفاء میں ہیں،
 لاکھوں کا مجمع تھا لیکن مجمع پر سکینت اور وقار کی کیفیت طاری تھی۔

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہ اس دور اخیر میں اپنے پیش رو
 علماء و مشائخ اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی آخری یادگار تھے، ان کی مجلسیں بڑی پُر
 کشش ہوتی تھیں اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان پر فیضانِ الہی کی بارش ہو رہی ہے، جو بھی
 اس میخانے میں شریک ہوتا تھا وہ کچھ نہ کچھ ضرور یہاں سے لے کر وہاں سے واپس ہوتا،
 ہم القوم لا یشقی جلسہم ۔

میخانے کا محروم بھی محروم نہیں ہے

آہ! اب یہ نورانی مجلسیں کہاں ملیں گی، اگرچہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی سنت یہ ہے
 کہ ایسے علمائے ربانین کے کاموں کی حفاظت فرماتا ہے اور ان کے خلفاء و مسترشدین
 میں ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیتا ہے جو ان کے کاموں کی ذمہ داری اٹھا لیتے ہیں اور ان کا
 سلسلہ فیض جاری و ساری رہتا ہے، اللہ تعالیٰ سے یہی امید ہے کہ حضرت مولانا کا فیض

جاری و ساری رکھے گا۔

حضرت مولانا کا نام نامی مظاہر علوم و ندوۃ العلماء کی طالب علمی کے زمانے میں سنا تھا اور ان سے واقف تھا، بارہا زیارت کا شرف حاصل ہوا، لیکن ۱۹۸۶ء میں جب سے حضرت اقدس بقیۃ السلف اویس زمانہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی سے تعلق کی سعادت نصیب ہوئی حضرت مولانا سے خصوصی عقیدت و محبت پیدا ہوتی چلی گئی، حضرت مولانا پرتاپ گڑھی ان کے بارے میں بڑے اونچے الفاظ فرماتے اور حضرت والا بھی الہ آباد میں کئی کئی دن قیام فرماتے اور دونوں کے درمیان عجیب مجلسیں رہتیں، حضرت مولانا پرتاپ گڑھی کے وصال کے بعد جب ہم نے جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ قائم کیا اس میں حضرت مولانا کو کئی بار تشریف آوری کی دعوت دی اور آپ متعدد بار تشریف لائے، ایک مرتبہ ہمارے مکان پر بھی تشریف لائے، وہاں ناشتہ کا انتظام تھا، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مدرسہ کا سالانہ جلسہ تھا جس میں حضرت مولانا علی میاں ندوی و دیگر اکابر تشریف لائے تھے اور حضرت والا مدرسہ بیت العلوم جس کے وہ سرپرست تھے وہاں تشریف لائے تھے، اس ناچیز نے دعوت دی، حضرت والا مع خدام کے عصر کی نماز سے پہلے تشریف لائے، عصر کی نماز کے بعد مؤثر وعظ فرمایا، وعظ کے بعد مدرسہ بیت العلوم واپسی کا ارادہ کیا، اس ناچیز نے خواہش کی کہ چائے نوش فرمائیں مگر حضرت والا نے اپنے اصول کے مطابق فوراً واپسی کا تقاضہ کیا، اس ناچیز نے گاڑی کے پیچھے دوسری گاڑی سے خاص آدمی کو لفافے کے ساتھ بھیجا جس میں کچھ نقد

ہدیہ تھا، میں نے اپنے آدمی کو تاکید کر دی تھی کہ حضرت والا جب اپنی مجلس میں اطمینان کے ساتھ بیٹھ جائیں تو تم میری طرف سے سلام عرض کر کے یہ لفافہ حضرت والا کو پیش کر دینا، چنانچہ اس فرستادہ نے ایسا ہی کیا، اس پر حضرت والا نے تبسم فرمایا اور قبول فرمایا، اسی طرح ایک سفر میں یہ معلوم ہوا کہ حضرت والا بیت العلوم تشریف لارہے ہیں، ناچیز نے مدرسہ میں تشریف لانے اور بیان کرنے کی دعوت دی، آگے کی تفصیلات کا مجھے علم نہیں تھا، حضرت مولانا جامعہ تشریف لائے اور ۵۵ منٹ بیان فرمایا، میں ہندوستان آ رہا تھا، جس وقت دلی ایرپورٹ پر پہنچا قلب میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوئی اس کا اثر مسلسل قائم رہا، جب بنارس ایرپورٹ سے گاڑی پر اپنے وطن کے لئے روانہ ہوا تو راستے میں دیکھا کہ حضرت والا مع خدام کے تشریف لارہے ہیں، گاڑی روک کر سلام و مصافحہ کے بعد فرمایا کہ میں آپ کے حکم کی تعمیل میں آپ کے یہاں سے ہو کر آ رہا ہوں، میں نے اندازہ لگایا کہ جس وقت میں نے دلی میں خاص کیفیت محسوس کی یہ وہی وقت تھا جب آپ ہمارے مدرسے میں تشریف لا کر بیان فرما رہے تھے۔

حضرت والا کے سلسلے کا ایک عجیب و غریب واقعہ نقل کر رہا ہوں، ایک مرتبہ حضرت کی جنوبی افریقہ سے ابوظہبی واپسی ہوئی، معلوم ہوا کہ جناب بھائی مظفر کولا صاحب کے گھر پر قیام ہے، میں حاضری کا ارادہ کر رہا تھا کہ دبئی کے ایک بڑے تاجر جن کا تعلق ممبئی سے ہے انہوں نے حضرت والا کی اس زیارت کی مناسبت سے بہت سے اعیان علماء و خواص کو اپنے گھر پر مدعو کر رکھا تھا اور اس ناچیز کو بھی مدعو کیا تھا، ان کا فون آیا

کہ جس وقت آپ دبی پہنچیں، اپنی آمد کی اطلاع کر دیں، میں نے اطلاع کی، وہ صاحب آئے اور کہا میں آپ کے ساتھ حضرت مولانا ہر دوئی کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں، میں نے کہا حاجی صاحب کیا بات ہے؟ کہنے لگے میں نے شہر کے متعدد علماء و اعیان کو دعوت دی ہے جن میں آپ بھی شامل ہیں کہ اچانک معلوم ہوا ہے کہ حضرت والا نے تشریف آوری سے معذرت کر دی، کیا راستہ ہے؟ آپ ہی بتائیں، میں نے کہا گاڑی میں بیٹھ جائیے، حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی، ناچیز نے عرض کیا: حضرت تنہائی میں کچھ عرض کرنا ہے، حضرت نے کمرہ کو خالی کروایا، میں نے عرض کیا حضرت! حاجی صاحب نے آپ کو صرف کھانے ہی پر مدعو نہیں کیا ہے بلکہ وہ آپ کا بیان کرنا بھی چاہتے ہیں، کہنے لگے تب تو ضرور چلوں گا، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت کا ہر کام اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے ہوا کرتا تھا، سارے ہی حضرات ان کے مکان پر حاضر ہوئے، حضرت نے اعلان فرمایا، بیان ۲۰ منٹ ہوگا، بیان شروع ہونے سے پہلے اس ناچیز نے دو چار جملے تمہیدی طور پر کہے، جس میں یہ بیان کیا کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے کہ کسی اللہ والے کا خوش ہو جانا دعائے مستجاب کے درجہ میں ہے، ناخوشی کا وہی وبال ہے جو ہونا چاہئے، اس لئے آپ حضرات کوشش کریں کہ حضرت والا یہاں سے خوش اور راضی جائیں، حضرت کو بڑا انشراح ہوا، اور تقریباً ۵۵ منٹ بیان ہوا، اس کے بعد حضرت اٹھ گئے، میزبان نے کہا کھانا، میں نے کہا چپ رہئے، حضرت کو گاڑی پر بیٹھا دیا گیا، اور دوسری گاڑی سے کھانا حضرت والا کے میزبان

کے مکان پر بھیجا گیا، جب دسترخوان بچھایا گیا تو اس پر حاجی رصاصی صاحب کا ہی کھانا لگایا گیا، اس واقعہ کا حضرت والا سے کئی بار ذکر کیا حضرت کھل کھلا کر ہنسے، واقعہ ہے کہ حضرت والا میری ہر حاضری پر نہایت شفقت اور اہتمام فرماتے اور حضرت مولانا محمد احمد صاحب پر تپا گڑھی سے میرے تعلق کا خاص خیال فرماتے، او جز المسالک کی تحقیق و تعلق کے زمانے میں حضرت سے اس ناچیز نے حج کی خواہش کا اظہار کیا، حضرت نے فرمایا: او جز کی خدمت حج سے مقدم ہے، جب او جز کی طباعت مکمل ہو گئی تو جس طرح اس کا پہلا نسخہ سہارنپور بھیجا اسی طرح حضرت والا کی خدمت میں بھی ایک نسخہ بھیجا جس پر نہایت خوشی کا اظہار فرمایا، اور ایک تحریر وصولیابی کی لکھوائی اور میرے چھوٹے لڑکے ڈاکٹر صفی الدین جو علی گڑھ میڈیکل کالج کے طالب علم تھے ایک آدمی بھیج کر ان کو تلاش کروایا تاکہ وہ تحریر ان کے حوالہ کر دی جائے کہ وہ میرے پاس پہنچ وادیں۔

حضرت مولانا، حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سب سے صغیر السن خلیفہ تھے، بالکل نوجوانی میں ۲۱-۲۲ سال کی عمر میں حضرت نے انہیں خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا تھا، وہ طالب علمی کے زمانے میں نہایت ذکی اور ذہین تھے، انہوں نے دورہ حدیث مظاہر علوم میں پڑھا، بخاری شریف جلد اول اور ابوداؤد شریف ہمارے استاذ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی، اور ترمذی شریف مولانا عبدالرحمن کیمل پوری سے پڑھی تھی جو حدیث کے بڑے زبردست اور جلیل القدر عالم تھے، اور بقیہ کتابیں دیگر اساتذہ سے پڑھی تھیں، ان کے رفقاء درس میں حضرت مولانا محمد

یوسف صاحب کاندھلویؒ اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلویؒ تھے، اس ناچیز نے حضرت والاؒ سے حدیث شریف کی اجازت طلب کی تو بہت ہی تکلف فرمایا اور کہا کہ آپ نے تو ہمارے بڑوں سے پڑھا ہے اور اصرار کرتے ہیں تو آپ کو اجازت ہے۔

بہر حال پوری زندگی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ اور دعوت کو پھیلانے میں صرف کی، تجوید و قراءت جو علماء و خواص میں متروک ہو رہی تھی اس کا حضرتؒ کے ذریعہ احیاء ہوا، اس لئے حضرت والا کا ”محی السنہ“ لقب بر محل اور مناسب تھا، اس آخری عہد میں حضرت والاؒ کی ذات گرامی علماء و مشائخ کا مرجع بن گئی تھی، جہاں جاتے وہاں لوگ پروانہ وار ٹوٹ پڑتے، گذشتہ سال بنگلہ دیش کے سفر میں تقریباً پانچ ہزار علماء ان کے بیان میں شریک ہوئے، ان میں سے بہت سے لوگ بیعت سے سرفراز ہوئے، انہیں ذکر و تسبیح کی تلقین فرمائی، اسی طرح ہندوستان میں ممبئی، پاکستان میں کراچی اور افریقہ ہر جگہ حضرت والاؒ سے لوگ استفادہ کے لئے پروانہ وار گرتے تھے، افسوس کہ یہ آخری یادگار ہم سب سے رخصت ہوئی، جہاں کی حاضری سے دل کو درماں، روح کو فرحت، دماغ کو سکون حاصل ہوتا تھا، ذکر و عبادت، دعا و تلاوت میں خاص کیفیت پیدا ہوتی تھی، ان شاء اللہ حضرتؒ کے متعلقین و خلفاء ان کے کاموں کو اور ان کے مشن کو جاری رکھیں گے، اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت والاؒ کے کاموں کی حفاظت فرمائے، اور ان کے اعزہ خاص طور پر حکیم کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم اور خلفاء و متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، اور حضرت والاؒ کے درجات بلند فرمائے۔

آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندویؒ

(۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء - ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء)

مولانا مجیب اللہ صاحب کی شخصیت، علمی اور ندوی حلقہ میں محتاج تعارف نہیں، وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ممتاز فضلاء میں تھے جنہوں نے حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ سے خصوصی استفادہ کیا تھا اور مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی وغیرہ کے ساتھیوں میں تھے، نیز دارالمصنفین اعظم گڑھ کے رفیق اور علامہ سید سلیمان ندویؒ سے خصوصی استفادہ کرنے والے، جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کے بانی اور دیگر مختلف دینی و سیاسی تحریکوں سے وابستہ رہے ہیں، اس ناچیز کا ان سے تقریباً پچاس سال سے تعلق و ربط تھا، ادھر عرصہ سے مولانا علیل چل رہے تھے، ہندوستان آمد کے موقع پر ہر سفر میں ان کی مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوتا رہا، اور اپنے ہندوستان کے قریبی سفر میں یہ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا کی طبیعت بہت علیل ہے، وہ موت وزیست کے مراحل سے گذر رہے ہیں، ان کی مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوا، گرچہ وہ صاحب فراش تھے، مگر ہوش و حواس پوری طرح کام کر رہے تھے، میری آمد پر نہایت ہی خوشی کا اظہار فرمایا، اس ناچیز نے بھی ایسے کلمات کہے جن سے انھیں خوشی حاصل ہوئی، ان کی تمنا تھی کہ ان کے مدرسہ

کی مسجد میں تھوڑی سی اعانت کر دی جائے، الحمد للہ اس کی بھی اللہ تعالیٰ نے سعادت دی کہ ان کی حیات میں ہی اس کام کو انجام دینے کی توفیق ملی، ہندوستان سے واپسی کے بعد ۱۳ مئی کی شام کو آٹھ بجے یہ اطلاع ملی کہ مولانا کالکھنوا اسپتال میں انتقال ہو گیا، اور ۱۴ مئی کی صبح کو بعد نماز ظہر جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں نماز جنازہ ادا کی جائے گی، اس خبر ناگہانی کو سن کر دل و دماغ پر بے حد اثر پڑا اور ماضی کی ساری تاریخ سامنے آ گئی۔

چنانچہ دوسرے دن مولانا کی نماز جنازہ ایک جم غفیر کے ساتھ ادا کی گئی اور تدفین ان کے مدرسہ کے بغل میں عمل میں آئی، مولانا درجنوں کتابوں کے مؤلف ہیں، وہ دبستان شبلی کے ایک ممتاز صاحب قلم تھے، جن کی تربیت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے زیر نگرانی ہوئی تھی، ان سب کی تفصیل وہ خود اپنے قلم سے ”الرشاد“ میں شائع کر چکے ہیں۔

وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اپنی طالب علمی کے زمانہ میں انجمن الاصلاح کے ناظم تھے، جب حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے قافلہ کی آمد ۱۹۴۴ء میں ہوئی اور ان حضرات نے انجمن الاصلاح کا معائنہ فرمایا، معائنہ کی تحریر حضرت شیخ الحدیثؒ کے قلم سے ہے جس میں تحریر فرمایا ہے کہ ”انجمن کے ناظم نوجوان صالح مجیب اللہ ندوی ہیں“، اخیر زندگی میں ان کا تعلق حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اور ان کے بعد حضرت مولانا محمد احمد صاحب پر تاپ گڑھیؒ سے بھی رہا، بلکہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پر تاپ گڑھیؒ نے ان کو اجازت و خلافت بھی عطا فرمائی ہے۔

مولانا نے دارالمصنفین چھوڑ کر جامعۃ الرشاد کی بناء اعظم گڑھ شہر میں ڈالی جہاں

کوئی دینی اچھا مدرسہ نہیں تھا اور نہایت عسرت و تنگی اور فقر کے ساتھ زندگی بسر کی، مگر ان کے عزم و حوصلہ میں کبھی پستی نہیں آئی، وہ بڑے باہمت اور با حوصلہ تھے، اس ناچیز کا بھی مولانا کے اس مدرسہ سے شروع سے تعلق رہا ہے، بلکہ ابتدا میں اپنی کمیٹی کا صدر بن رکھا تھا، جب انہوں نے مجلہ ”الرشاد“ کا اجراء کیا تو حقیقت میں یہ ایک متوکلا نہ اقدام تھا، اس ناچیز نے ان کی اس پرچے کے اجراء میں بھی اعانت و مدد کی، اعظم گڑھ شہر میں اس ادارہ کی بڑی شدید ضرورت تھی اور ایسی شخصیت کی بھی ضرورت تھی جو دینی اور سیاسی امور میں مسلمانوں کے لیے مرجع بن سکے، مولانا نے اپنی جدوجہد اور غیر معمولی مجاہدے سے اپنی ذات اور مدرسہ کو مشرقی یوپی کا ایک خصوصی مرجع و مرکز بنادیا اور الحمد للہ مدرسہ روز بروز ترقی کر رہا ہے، مولانا پر مستقل مقالہ کی ضرورت ہے، اس وقت انھیں مختصر تاثرات اور تعزیتی کلمات کے ساتھ تحریر ختم کر رہا ہوں اور مولانا کے متوسلین و متعلقین خصوصاً مولانا کے صاحبزادگان عزیزان مولانا عامر رشادی اور حکیم محمد عمار صاحبان کی تعزیت کر رہا ہوں، اور اس امید کے ساتھ کہ یہ لوگ نہ صرف یہ کہ مولانا کے کاموں کو باقی رکھیں گے بلکہ ان کو پروان چڑھانے کے لیے کوشاں رہیں گے، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

حضرت مولانا نے اپنے پیچھے جامعۃ الرشاد اور اس کے علاوہ اپنی مؤلفات کا بہت قیمتی سرمایہ چھوڑا ہے، جو ان کی بقائے دوام کی ضمانت ہوگی، اس سے اہل علم تا قیامت استفادہ کرتے رہیں گے۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

عالم مکۃ المکرمہ شیخ علوی مالکیؒ

(۱۳۶۲ھ/۱۹۴۴ء - ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء)

۱۵ رمضان المبارک کو اچانک یہ خبر معلوم ہوئی کہ مکہ مکرمہ کے مشہور عالم دین ڈاکٹر شیخ سید محمد علوی مالکی کا اچانک انتقال ہو گیا، دکتور محمد علوی مالکیؒ سے اس ناچیز کا تقریباً ۳۰ سال سے تعلق رہا ہے، ان سے سب سے پہلی ملاقات مکہ مکرمہ میں ۱۹۷۳ء میں ہوئی، اس کے بعد وقتاً فوقتاً بعض مؤتمرات میں اور خاص طور سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہر جان تعلیمی میں جو ۱۹۷۵ء میں منعقد ہوا تھا، جو ہندوستان کی تاریخ میں ایک یادگار کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں جامعہ ازہر مصر سے شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالعلیم محمود وغیرہ اور متحدہ عرب امارات سے وہاں کے چیف جسٹس وغیرہ کے ساتھ یہ ناچیز بھی اس میں شریک ہوا تھا، اور ڈاکٹر علوی مرحوم بھی حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی دعوت پر تشریف لائے تھے، حضرت مولاناؒ نے ان کا بہت اہتمام فرمایا تھا اور ان کی تقریر سے پہلے ان کا تعارف کرایا تھا، ان کے والد حجاز مقدس کے تنہا وہ عالم دین تھے جن کا حرم شریف میں سب سے بڑا حلقہ درس تھا اور پورے اہل حجاز نے ان سے فائدہ اٹھایا۔

ڈاکٹر سید علویؒ کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ۱۳۶۲ھ میں ہوئی تھی، انھوں نے اپنے والد اور دیگر علمائے مکہ سے علم حاصل کیا، مدرسۃ الفلاح اور مدرسۃ الصولتہ وغیرہ میں بھی تعلیم حاصل کی تھی، ان کے والد نے ان کو حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی خدمت میں بھیجا تھا، اس طرح وہ ہندوستان بھی کسب فیض کے لیے تشریف لائے اور حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ سے اجازت حدیث حاصل کی، جیسا کہ ان کے والد نے بھی اجازت لی تھی، انہوں نے جامعہ ازہر کے کلیۃ اصول الدین سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی پھر جامعہ ام القریٰ میں ۱۳۹۰ھ میں مدرس مقرر ہوئے، لیکن کچھ دنوں کے بعد یہ ملازمت ترک کر دی، اور ان کا حلقہ درس مسجد حرام میں جاری رہا جو ان کے والد مرحوم کی جگہ تھی، تدریس کے علاوہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بھی ان کے دینی بیانات ہوتے رہے اور ان کے ذریعہ رابطہ عالم اسلامی کے موسم ثقافتی کا افتتاح کرایا جاتا رہا، جیسا کہ ان کے والد محترم مرحوم سے کرایا جاتا رہا ہے اگرچہ یہ سلسلہ بعد میں باقی نہ رہ سکا، انہوں نے مغرب، افریقہ، ہندوستان و پاکستان کے علاوہ مختلف ملکوں کا سفر کیا، جہاں ان کی تقاریر اور بیانات کا سلسلہ جاری رہا، ان کے محبین و معتقدین کی تعداد حد شمار سے زیادہ ہے، انہوں نے بہت سی تصنیفات بطور یادگار چھوڑی ہیں، مرحوم کا ہندوستانی علماء سے غیر معمولی تعلق رہا ہے، اس ناچیز سے بے حد محبت و شفقت فرماتے تھے، اخیر میں ان کا حلقہ درس مکہ مکرمہ میں ان کے مقرر پر بھی لگتا تھا، ایک مرتبہ یہ ناچیز رفقاء کے ساتھ ان کی زیارت کے لیے حاضر ہوا تو بخاری شریف کا درس دے رہے تھے، اس ناچیز کو دیکھ کر اٹھ

گئے اور ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر بٹھایا، اور بخاری کا یہ جملہ ”کذب أبی بن کعب“ کی اس ناچیز نے تشریح کی کہ ”کذب“ سے یہاں معروف معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ”أخطأ“ ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے ”أهل الحجاز يطلقون كذب موضع أخطأ“ یہ تو صحابی کی طرف منسوب ہے، اس لیے ”أخطأ“ کے معنی میں ہے، اس پر شیخ بہت خوش ہوئے، ابھی چند ماہ قبل ابو ظہبی اور دبئی کے دورے پر آئے تھے، چونکہ ان دونوں جگہوں کا سرکاری مسلک مالکی ہے، اس لیے یہاں کے شیوخ نے ان کا بے حد احترام کیا، جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ان کے انتقال کے دن اس ناچیز کا قیام مکہ مکرمہ میں تھا، اس لیے نماز جنازہ میں شریک بھی ہوا، اور ان کے اعزہ و اقارب کی خدمت میں جا کر تعزیت بھی پیش کی، ان کے انتقال سے علمی دنیا میں ایک خلا پیدا ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے اور ان کے فیض کو جاری و ساری رکھے، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

عزیز گرامی مولانا قاری اختر عالم مظاہریؒ

(۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء - ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء)

عزیز گرامی مولانا اختر عالم مظاہری جن کا سن ولادت مارچ ۱۹۵۰ء ہے بہت تھوڑی عمر پائی تھی، قاری صاحب کے والدین بڑے دین دار تھے، خاص طور پر والد حاجی محمد سعید صاحب حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ کے خاص مریدین میں سے تھے اور عرصہ تک الہ آباد ریلوے میں ملازم رہے، اور حضرت شاہ صاحبؒ کے قیام الہ آباد میں بار بار حاضر ہوتے رہتے تھے، معمولات کے بہت پابند تھے، ان کی تمنا تھی کہ میرے دونوں بچے حافظ و عالم بن جائیں، چنانچہ حفظ اور مدرسہ مظاہر علوم سے فراغت حاصل کی اور ان دونوں بھائیوں نے بھی کوشش کی کہ ہمارے بچے حافظ و عالم بنیں، قاری صاحب کا دعوتی و تبلیغی کام مشرقی یوپی کے مختلف علاقوں میں پھیلا ہوا تھا جن کے وعظ و بیان پر لوگ پروانہ وار ٹوٹے پڑتے تھے، وہ مدرسہ قاسم العلوم کے بانی و مؤسس تھے، زہد و تقویٰ اور فہم و فراست میں ایک بے مثال عالم دین تھے، ادھر عرصہ سے ان کی علالت کا سلسلہ جاری رہا، مگر تقدیر الہی سے چارہ کار نہیں کہ اچانک بتاریخ ۲۵ اگست

۲۰۰۵ء ساڑھے تین بجے لکھنؤ ایف، آئی اسپتال میں انتقال ہو گیا، وہ اپنے اعزہ و اقارب، دوستوں اور متعلقین کو چھوڑ کر اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخصت ہوئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مولانا قاری اختر صاحب مرحوم میرے داماد مولوی ارشد عالم مظاہری کے بڑے بھائی ہیں، ان سے شناسائی مظاہر علوم کی آمدورفت میں ہوئی تھی، اکثر جناب مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث کے کمرے میں ان سے ملاقات ہوا کرتی تھی، انہوں نے مظاہر علوم سے ۱۹۷۱ء میں فراغت حاصل کی اور اس کے بعد ان کے بھائی مولوی ارشد عالم سے میری لڑکی کا رشتہ طے کر دیا گیا جس میں واسطہ حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور جناب مولانا مفتی محمد حنیف صاحب تھے، اور نکاح کی تقریب مدرسہ مظاہر علوم میں ہی ۱۳۹۵ھ کے درس مسلسلات میں منعقد ہوئی، نکاح حضرت مفتی محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ کے ایماء پر پڑھایا، حضرت نے نکاح کی خاطر تھوڑی دیر کے لیے درس کو موقوف فرما دیا تھا اور جو لوگ بارات میں گئے تھے حضرت نے بہت خیال و اکرام فرمایا، اس کے بعد اس ناچیز کی بذل المجہود کے سلسلے میں قاہرہ روانگی ہوئی، اس طرح مولانا قاری اختر صاحب سے خصوصی تعلق تھا اور یہ تعلق بڑھتا چلا گیا۔

جس مدرسہ میں وہ مدرس تھے یعنی مدرسہ قاسم العلوم وہاں کسی زمانہ میں ان کے شیخ حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں قیام کر چکے تھے اور حضرت مولانا

ہی نے ان کو یہاں مقرر کیا تھا اور حضرت مولانا ہی کے توجہ دلانے پر اس ناچیز کی بھی توجہ اس طرف ہو گئی تھی اور الحمد للہ وہاں مسجد و مدرسہ اور اس کے تمام لوازمات وجود میں آتے چلے گئے، قرب وجوار میں مولانا قاری اختر عالم صاحب کے ذریعہ بہت سے مدارس و مکاتب قائم ہوئے اور وہاں کے علماء و مدرسین سے خصوصی تعلق تھا، یہاں تک کہ ایک زمانے میں اس ناچیز کے مشورے سے یہ خیال ہوا کہ ریاض العلوم گورنری میں وہاں کی ضرورت کے تحت قاری صاحب کو منتقل کر دیا جائے، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو مجھ پر بہت شفیق اور بہت زیادہ میرا خیال فرماتے تھے انھوں نے منظور بھی فرمالیا تھا لیکن نریاؤں کے لوگ ایک بڑا وفد بنا کر حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوئے اور اس کے بعد میرے پاس آکر اصرار کیا کہ ان کو نریاؤں میں ہی رہنے دیا جائے، وہ مدرسہ بھی آپ ہی کا ہے، چنانچہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب بھی وہاں بار بار تشریف لے جاتے تھے، دو ایک بار اس ناچیز کو بھی ان کے ساتھ وہاں حاضری کا موقع ملا ہے، حضرت مولانا سے بہت لوگ مانوس اور متعلق تھے، وہاں کا سفر بھی بڑا دل پذیر رہتا تھا۔

مولانا قاری اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا کے بھی عزیز تھے اور آپ سے بھی بیعت و اجازت کا تعلق رکھتے تھے، حضرت مولانا سے خصوصی قرب پیدا کر لیا تھا، حضرت ان کے وعظ و بیان سے بہت خوش ہوتے تھے، اس ناچیز نے ۱۹۸۹ء میں جب اپنے جامعہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی تو جناب قاری صاحب کو ناظم مقرر کیا، چند سال

تک وہ اپنی ذمہ داری بہت اہتمام سے نبھاتے رہے، لیکن اپنی بیماریوں اور معذوریوں کی وجہ سے اخیر زمانے میں جامعہ سے تعلق برائے نام رہ گیا تھا، لیکن میری ہندوستان حاضری پر وہ ضرور چند دنوں کے لیے تشریف لاتے، ان کی آمد سے خوشی ہوتی اور ان کے مشورے سے فائدہ اٹھایا جاتا، مدرسہ کے سالانہ جلسوں میں اہتمام سے اپنے طلبہ و مدرسین کو خدمت کے لیے بلاتے رہتے تھے، افسوس کہ قضا و قدر کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے کہ ان کا آخری وقت آگیا اور ہم سب کو چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

قاری صاحب کی آخری علالت:

ان کی زندگی بہت سادہ تھی، علاج و معالجہ کا کوئی خصوصی اہتمام نہیں تھا اور علالت کے ایام ادھر ادھر کے اطباء کے علاج پر گزار رہے تھے، صحت میں نشیب و فراز آتا رہتا تھا، لیکن مجھے جب یہ معلوم ہوا کہ مقامی علاج کارگر نہیں ہے اور ان کی صحت گر چکی ہے تو میں نے بے حد اصرار کیا کہ آپ کسی بڑے اسپتال میں بنارس یا لکھنؤ جا کر علاج کروائیں مگر وہ آمادہ نہیں ہو رہے تھے، ابھی مئی کے مہینے میں میرا ہندوستان کا سفر ہوا تو فون پر باتیں ہوتی رہیں، لیکن بار بار ارادے کے باوجود وہ ہمارے یہاں آنے سے معذور رہے، اس لیے میں نے خود ان کے یہاں جا کر عیادت کی، دیکھا کہ بے حد کمزور ہو چکے

ہیں، میں نے اپنے داماد اور نواسوں سے اصرار کیا اور غصہ بھی ہوا کہ ان کو کسی اسپتال میں لے جائیں، لیکن معلوم ہوا کہ قاری صاحب خود تیار نہیں ہو رہے ہیں، اخیر میں وہ اس پر تیار ہوئے اور اپنے متعلقین کے مشوروں سے لکھنؤ کے اسپتال میں داخل کئے گئے، اسی دوران ان کے بھتیجے اور میرے نواسے عزیز مولوی اسعد عالم سلمہ جو میرے پاس ہی رہتے ہیں، علاج و خدمت کے لیے وہاں گئے، انہوں نے بہت تندہی سے علاج کرایا، مگر مقدر سے چارہ کار نہیں، ڈاکٹروں نے ان کے علاج کا بے حد اہتمام کیا اور پچاس فیصد شفا کی امید دلائی، قاری صاحب کو جب بھی ہوش آتا تو ان کی زبان پر کلمہ لا الہ الا اللہ ہوتا اور بلند آواز سے پڑھتے اور کبھی پست آواز سے، ڈاکٹر اپنی طرف سے تدبیر کر رہے تھے اور ہم لوگ امید لگائے بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک اللہ کا فیصلہ آ گیا کہ وہ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہوئے اس دنیا سے فانی ہوئے، چنانچہ رخصت ہوئے، چنانچہ رخصت ہو گئے، جنازہ ان کے مدرسہ قاسم العلوم نریاؤں لایا گیا، بارش اور سیلاب کے باوجود نماز جنازہ میں ہزاروں کا مجمع تھا جو عند اللہ ان کی مقبولیت کی علامت ہے، اللہ تعالیٰ قاری صاحب کی مغفرت فرمائے، ان کی قبر کو انوار سے پُر فرمائے، عرش الہی کے نیچے ان کو جگہ عنایت فرمائے اور اپنے مقربین و صالحین میں ان کا شمار فرمائے، ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم، آمین۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے قائم کردہ مدرسے کی حفاظت فرمائے اور ہمیشہ قائم و دائم رکھے اور ان کی اولاد اور بھائی بھتیجوں سب کو اللہ تعالیٰ صبر جمیل کی توفیق دے، آمین۔

حضرت قاری امیر حسن صاحب رحمہ اللہ

(..... - ۱۴۳۳ھ / ۲۰۱۲ء)

اچانک بتاریخ ۲ مارچ ۲۰۱۲ء جمعہ مبارک ایک صاحب نے بمبئی سے فون سے اس ناچیز کو اطلاع کی کہ آج حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دار فانی سے دار آخرت کی طرف رخصت ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت قاری صاحبؒ سے اس ناچیز کا تعلق اور محبت تقریباً پچاس سال سے رہی ہے، یہ ہمارے استاذ و شیخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے بڑے خلفاء میں تھے، ابتدا میں حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا سلسلہ قائم فرمایا تھا، ان کے وصال کے بعد حضرت اقدس شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ ہو گئے تھے اور حضرت کی طرف سے ان کو خلافت و اجازت سے بھی نوازا گیا تھا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ میں عام طور پر ماہ رمضان المبارک میں حضرت قاری صاحبؒ سے ملاقات و زیارت کا شرف رہتا، وہ ان بزرگوں میں ہیں جنہوں نے غایت محبت و شفقت سے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات جمع

کرنے اور شائع کرنے کی تاکید فرمائی تھی، ان کی ذات سراپا تواضع و خلق نبویؐ کا نمونہ تھی، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک مجلس میں فرمایا کہ میرے لوگوں میں دو آدمیوں کو نسبتِ استحضار حاصل ہے، ان میں ایک نام قاری امیر الحسن صاحبؒ کا تھا، مظاہر علوم سے فراغت کے بعد حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (جو حضرت قاری صاحبؒ اور حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ کے استاذ تھے) کے مشورہ سے حضرت قاری صاحبؒ، حضرت ہردوئیؒ کے مدرسہ میں مدرس ہو گئے اور وہاں پوری زندگی گزار دی، حضرت ہردوئیؒ، حضرت قاری صاحبؒ سے بے حد محبت رکھتے تھے، چنانچہ حضرت قاری صاحبؒ حضرت ہردوئیؒ کے مشورہ سے چند ایام حیدر آباد اور جنوبی ہند میں گزارتے تھے، ان کی مجالس و بیانات سے کافی لوگ مستفید ہوتے تھے، ان علاقوں میں ان سے بیعت و ارادت کا تعلق رکھنے والوں کی تعداد بھی خاصی ہے، حضرت ہردوئیؒ کے وصال کے بعد ان کے جانشین و خلیفہ حضرت حکیم کلیم اللہ صاحبؒ سے بھی وہی تعلق رکھا جو حضرت ہردوئیؒ سے تھا، اور حضرت حکیم صاحبؒ بھی ان کا بے حد خیال فرماتے تھے، بارہا علی گڑھ میں حضرت حکیم صاحبؒ کے دولت کدہ پر اور ہردوئیؒ میں حضرت والاؒ کی خانقاہ میں زیارت و ملاقات کا شرف حاصل رہا، آخری ملاقات ان کے خلیفہ محب گرامی ڈاکٹر شعیب صاحب قریشی کے دولت کدہ (لکھنؤ) پر ہوئی تھی، اس ناچیز کو دیکھ کر باغ باغ ہو گئے اور بہت دعائیں دیں، بار بار فرماتے رہے کہ ہمارے شیخ کی کتابیں آپ کے ذریعہ پورے عالم میں پھیل رہی ہیں، امسال کے آخری سفر حج میں

معلوم ہوا کہ حضرت قاری صاحب اور حضرت حکیم صاحب دونوں حج میں تشریف لائے ہیں، لیکن مقدر سے ملاقات کا شرف حاصل نہ رہا، جس کا اب تک افسوس ہے، یہ ناچیز حضرت کے پورے خاندان اور حضرت ہردوئی کے جانشین اور خانقاہ و مدرسہ کے متولی حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کے فیوض و برکات کو قائم و دائم رکھے، اور انہیں جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام میں جگہ نصیب فرمائے۔

آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزہ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

چچا محترم الحاج عبدالرشید صاحب مرحومؒ

(..... - ۱۴۳۳ھ / ۲۰۱۲ء)

آج بتاریخ ۹ جون ۲۰۱۲ء کو ہمارے چچا محترم (الحاج) عبدالرشید صاحب ولد محمد حسن مرحوم ہم سب کو داغ مفارقت دے کر اس دار فانی سے دار بقا کے لیے روانہ ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مرحوم میرے والد محترم کے چھوٹے بھائی تھے، عمر تقریباً ۹۴ سال تھی، پوری زندگی سادگی اور اوراد و وظائف اور تلاوت قرآن پاک میں گزاری، میرے والد صاحب میری پیدائش ۱۲/۱۲/۱۳۴۲ء کے ایک ماہ کے بعد کالرا کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال فرما گئے تھے، والدہ محترمہ نے ۱۲ سال کی مدت بیوہ ہونے کی حالت میں گزاری، اعزہ واقارب کے اصرار پر ان کا میرے چچا سے نکاح ہوا، جن سے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔

چچا مرحوم کا میری طالب علمی میں میری تعلیم و تربیت میں بڑا حصہ ہے، ابتدائی زندگی زمینداری کے باوجود بڑی عسرت اور تنگی میں گزری تھی، لیکن انھوں نے کوشش کی کہ مجھے کسی طرح کی کوئی تکلیف نہ ہو، حرام اور مشتبہ مال سے انھوں نے ہمیشہ

گریز کیا، ہمارے خاندان میں ایک صاحب نے زمین کا ایک حصہ نکال کر وقف کر دیا تھا اور مجھ سے اصرار کرتے رہے کہ میں وہ زمین خرید لوں، چچا صاحب نے کہا کہ حرام مال نہ خریدیں اور نہ اپنی اولاد کو کھلائیں۔

ان کی علالت کی خبریں سن رہا تھا، میری بڑی تمنا تھی کہ ان کے جنازہ میں شرکت کروں اور نماز جنازہ پڑھاؤں، اتفاق سے اچانک یہ حادثہ میری موجودگی میں پیش آ گیا، ۹ جون کو نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت نصیب ہوئی، سخت دھوپ اور موسم کی شدت کے باوجود جامعہ کے اساتذہ و طلبہ کے علاوہ قرب و جوار سے بڑی تعداد میں لوگوں نے جنازہ میں شرکت کی۔

مجھ سے چھوٹے بھائی زبیر احمد جو ابوظہبی میں ملازم ہیں، وقت پر آ گئے تھے، اور ان سے چھوٹے بھائی جعفر جو پہلے ہی سے موجود تھے، سبھی جنازہ میں شریک ہو گئے۔

۷ جولائی ۱۹۸۹ء بروز چہار شنبہ ۱۱ بجے صبح کو جامعہ اسلامیہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا، اس ناچیز کی درخواست پر حضرت اقدس مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لانے والے تھے، مگر علالت کی وجہ سے سفر ملتوی کرنا پڑا، تاہم حضرت مولانا عمار احمد صاحب اور جناب کامل صاحب چانکی کو معذرت لکھ کر بھیجا کہ سنگ بنیاد میں شریک ہوں، چنانچہ اس ناچیز نے چچا جان سے اس جامعہ کی بنیاد رکھوائی، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور ان کے فیوض و برکات کو عام فرمائے، ناظرین و دوستوں سے ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

میری اہلیہ محترمہ کا سانحہ ارتحال

(..... - ۱۴۳۳ھ / ۲۰۱۲ء)

انسان کی زندگی میں نشیب و فراز آتے ہی رہتے ہیں، وہ خوشی و غم دونوں حالات سے دوچار ہوتا ہے، لیکن بعض واقعات ایسے پیش آتے ہیں کہ انسان کو بہت زیادہ صبر و تحمل، توکل علی اللہ اور رضا بالقدر کی ضرورت رہتی ہے، ان واقعات میں سے کسی کی نیک و صالح، اطاعت گزار، مطیع و فرماں بردار، ذاکرہ و شاکرہ اہلیہ کا اچانک سانحہ ارتحال ہے، وہ اہلیہ جو اپنے شوہر کی خدمت اور اولاد کی تربیت کے پورے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرتی رہی ہو، اور زندگی کا بڑا حصہ اسی حال میں گزار چکی ہو، اس کے سانحہ ارتحال سے شوہر پر غیر معمولی اثر پڑتا ہے، وہی انسیت و بے تکلفی کا ذریعہ رہتی ہے، اور اولاد پر بھی غیر معمولی اثر ہوتا ہے، جس کی تعلیم و تربیت پر زندگی کا بڑا حصہ اس نے صرف کیا ہو، جب کہ وہ کثیر الاولاد ہو اور سارے خاندان کو جوڑے ہوئے ہو۔

اسی طرح کا حادثہ میری اہلیہ مرحومہ کا بھی ہے، وہ میرے ماموں شیخ عبدالکریم کی صاحبزادی تھیں، جو اعظم گڑھ کے مشہور گاؤں چاندپٹی کے رہنے والے تھے، ان کا سانحہ ارتحال ۱۱/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۸/ اکتوبر ۲۰۱۲ء بروز اتوار صبح نماز فجر کے

وقت لکھنؤ کے سہارا اسپتال میں پیش آیا، علاج و معالجے کی ساری تدبیریں ہم نے اور ہمارے لڑکوں نے کی تھیں لیکن ان سب پر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ غالب آیا، وہ مسلسل ۲۴ گھنٹے تک استغفار و کلمہ شہادت پڑھتی رہیں اور کلمہ پڑھتے ہوئے اس دار فانی سے عالم آخرت کی طرف کوچ کیا، وہ بالکل اس شعر کے مصداق تھیں ۔

نشانِ مردِ مومنِ باتو گویم

چوں مرگِ آید تبسم بر لبِ اوست

انتقال سے پہلے ان کی بعض نصائح بھی تھیں، وہ یہ کہ اپنے رشتہ دار کے مقابلے میں اپنے کو متواضع بنا لینا چاہئے، اس کو اپنے سے بڑا نہ سمجھے تاکہ محبت قائم رہے، خاص طور سے آخری گفتگو میں یہ فرمایا کہ آپ کا بڑھاپا ہے اس حال میں اپنی سب اولاد کو اپنی چادر میں سمیٹے رہئے گا۔

زندگی کے آخری لمحات کے ساتھ چھوٹے لڑکے ڈاکٹر صفی الدین، عزیز نصیر الدین، نواسے عزیز مولوی اسعد عالم ندوی، عزیز محمد علی اور لڑکی اور بہو وغیرہ موجود تھیں، وہ سب ساتھ ساتھ گاڑی کر کے ساڑھے چار بجے شام کو مظفر پور پہنچے۔ اس ناگہانی خبر کو سن کر قرب و جوار کا ایک جم غفیر اکٹھا ہو گیا، ضلع کے لوگوں کی آمد کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا، نماز جنازہ کا وقت عشاء کے بعد مقرر کیا گیا تھا، ہمارے لڑکے ڈاکٹر ولی الدین ندوی، حافظ ذکی الدین، فہیم الدین جو ابوظہبی ودئی میں رہتے ہیں وہ اپنی والدہ کو آخری بار دیکھنے اور جنازہ میں شرکت کے لیے تڑپ رہے تھے، غیبی طور پر

ان کے سفر کا بروقت انتظام ہو گیا اور وہ لوگ بھی قدرے تاخیر سے آ گئے، اور ان کو اپنی والدہ کی زیارت اور نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔

جنازہ کی نماز جامعہ اسلامیہ کے صحن میں ادا کی گئی، مرحومہ کی خوش نصیبی اور ہماری خوش قسمتی رہی کہ نماز پڑھانے کے لئے رائے بریلی سے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ اور محترم جناب مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی مع اپنے رفقاء کے بے حد تکلیف اٹھا کر تشریف لائے، ان کی آمد بھی وقت پر ہو گئی، نماز جنازہ سے قبل حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہ نے تسلی کے چند مؤثر کلمات بھی ارشاد فرمائے، اس کے بعد تدفین عمل میں آئی۔

نماز جنازہ میں جم غفیر نے شرکت کی جن میں بہت سے اہل ذکر علماء و مشائخ بھی تھے، مدارس کے ذمہ دار اور طلبہ بھی تھے، ان سب کے علاوہ حکومت کے بعض ذمہ دار وزراء و اہل تعلق بھی شریک ہوئے، غیر مسلموں کی خاصی تعداد بھی تعزیت کے لیے آئی۔

۱۱ بجے شب میں تدفین و دعا سے فراغت ہوئی، دوسرے دن صبح کو دروازے پر گاؤں و قرب و جوار کی خاصی تعداد تعزیت کے لیے آئی تھی ان سے ملاقات کے بعد جامعہ اسلامیہ آمد ہوئی اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب نے ہمارے لڑکوں و نواسوں اور پوتوں کو قیمتی نصائح فرمائیں، اس کے بعد حضرت مولانا کی لکھنؤ واپسی ہوئی۔

بہت سے بزرگوں اور اہم شخصیات نے جو یہاں سے بہت دور تھے انہوں نے

ٹیلی فون کے ذریعہ تعزیت کی اور ایصالِ ثواب و دعائے مغفرت کی اطلاع دی، بعض لوگوں نے بیت اللہ کا طواف ایصالِ ثواب کے لیے کیا، خصوصی طور سے حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب جانشین حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدنی نے بہت ہی اہتمام فرمایا اور اپنے متعلقین کو فون کر کے ہر جگہ اطلاع کرائی اور ایصالِ ثواب کی تاکید کی، چنانچہ مدینہ منورہ سے حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم نے، چپاٹا سے محترم مولانا عبدالرحیم متالا صاحب نے تعزیت کی اور اپنے مدرسے میں ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمایا اور لندن سے ان کے بھائی مولانا یوسف متالا نے، محترم جناب حکیم کلیم اللہ صاحب جانشین حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نے تعزیت و ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمایا، محترم مولانا اسماعیل بدات صاحب نے تعزیت کرتے ہوئے بتایا کہ دس ختم قرآن کریم ایصالِ ثواب کی نیت سے کر رہے ہیں اور مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی خلیفہ حضرت شیخ الحدیث، محترم مولانا سعید الرحمن صاحب اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، محترم مولانا خالد رشید فرنگی محلی، مولانا نسیم الدین ندوی استاذ جامعہ و حافظ عبدالباطن صاحب استاذ جامعہ نے مکہ مکرمہ سے فون کیا، گجرات سے مفتی احمد خانپوری نے، مکہ مکرمہ سے پیر ذوالفقار نقشبندی صاحب نے تعزیت فرمائی اور بعد میں ہماری قیام گاہ ابو ظبی العین بھی تشریف لائے اور میرے لڑکوں اور پوتوں کو جمع کر کے صبر و تعزیت کی تلقین فرمائی، الہ آباد سے محترم مولانا محمد قمر الزماں صاحب نے اپنے لڑکے، داماد اور لڑکی کو تعزیت کے لیے بھیجا۔

موجودہ حکومت کے بعض وزراء اور سابق حکومت کے وزراء کے تعزیت نامے آئے، ہندوستان کے نائب صدر جناب محمد حامد انصاری صاحب، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ڈاکٹر کفیل احمد صاحب و ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی صاحب اور جامعہ ملیہ اسلامیہ سے پروفیسر شفیق احمد خان ندوی نے زبانی اور تحریری تعزیت کی، اسی طرح جناب مولانا محمود اسعد مدنی، دارالعلوم دیوبند سے حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ اور ان کے ہمراہ مفتی منظور احمد قاضی شہرکانپور جامعہ تشریف لائے، اس سے پہلے مولانا عبداللہ معروفی صاحب تشریف لائے تھے، وفات کی خبر ملتے ہی محترم مولانا مفتی سعید احمد شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے تعزیت کی اور ایصال ثواب کا اہتمام فرمایا، مولانا عبدالرحیم صاحب ناظم مدرسہ ریاض العلوم گورینی نے مکہ مکرمہ سے فون کر کے تعزیت کی، ان کے علاوہ بہت سے علماء جس میں خاص طور سے محترم مولانا عبداللہ کاپوردروی اور مولانا غلام محمد وستانوی شیخ الجامعہ اشاعت العلوم اکل کو شامل ہیں، محترم مولانا عبداللہ کاپوردروی صاحب نے گجرات، ری یونین، لندن اور افریقہ کے علماء و مدارس کو اطلاع دی، ری یونین فرانس سے محترم سعیدانگار صاحب نے، بنگلور سے جناب مفتی اشرف علی صاحب اور مولانا سید مصطفیٰ رفاعی جیلانی ندوی نے تعزیت کی، ہندوستان کے اکثر مدارس و ذمہ داران جو یہاں موجود تھے انہوں نے فون کر کے تعزیت کی اور قرب و جوار کے مدارس کے لوگوں نے جنازہ میں شرکت کی، الہ آباد سے حضرت مولانا عمار احمد صاحب اور ان کے ہمراہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی کے صاحبزادے محترم ارشاد احمد

صاحب جنازہ میں شریک ہوئے، ابو ظہبی سے معالی احمد خلیفہ سویدی سابق وزیر خارجہ
 و صدر کے خصوصی نمائندہ اور سمو الشیخ سلطان بن زاید آل نہیان کے سکریٹری اور حاکم
 شارقہ کے عزیز شیخ سالم بن محمد القاسمی اور شیخ عبداللہ سلطان طاہری و دیگر حضرات نے
 فون سے تعزیت کی اور گہرے رنج و غم کا اظہار کیا، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے ے
 آسماں اُن کی لحد پر شبنم افشانی کرے
 سبزہ نورستہ اُس گھر کی نگہبانی کرے

عالم ربّانی

مولانا عبدالرحیم متالا رحمہ اللہ

(..... - ۱۴۳۲ھ / ۲۰۱۲ء)

۹ دسمبر ۲۰۱۲ء کو ۱۲ بجے دن میں مفتی محمد یونس گجراتی کا مدینہ منورہ سے فون آیا کہ میں بہت حسرت اور رنج و غم کے ساتھ آپ کو یہ اندوہ ناک خبر سنارہا ہوں کہ آپ کے دوست حضرت مولانا عبدالرحیم متالا صاحب کا آج ساڑھے آٹھ بجے صبح چپاٹا ”زامبیا“ میں انتقال ہو گیا، ان کے ساتھی اور آپ کے خصوصی دوست مولانا محمد اسماعیل بدات زار و قطار رو رہے ہیں، یہ ناگہانی خبر اس ناچیز کے دل و دماغ پر بجلی بن کر گری، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم سے میرے تعلقات تقریباً ۴۵ سال سے تھے، ہمارے شیخ و استاذ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی اپنی علمی و روحانی اور حدیثی خدمات میں سلف صالحین کی یادگار تھی، رائے پور اور تھانہ بھون کے خالی ہونے اور حضرت مدنی کی وفات کے بعد طالبین اور اہل تعلق نے آپ کی ذات گرامی

کی طرف پروانہ وار رخ کیا، آپ کی خانقاہ اپنے دور میں حضرت نظام الدین اولیاء کی خانقاہ کی یاد تازہ کر رہی تھی، اس ناچیز کا تعلق حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی سے ۱۹۵۱ء سے اخیر حیات تک رہا، اس کی تفصیل ”داستاں میری جلد اول“ میں بیان کردی گئی ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مسترشدین میں محترم مولانا عبدالرحیم متالا مرحوم اور ان کے چھوٹے بھائی عزیز گرامی مولانا محمد یوسف متالا مرحوم کا خاص مقام تھا، اس ناچیز کی سال میں متعدد بار حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری ہوتی تھی، مولانا مرحوم اور ان کے رفقاء مولانا غلام محمد ٹیل مرحوم اور مولانا محمد اسماعیل بدات مرحوم اور مولانا مرحوم کے چھوٹے بھائی، ان سب سے ان لوگوں کی ابتدائی آمد کے زمانہ ہی سے تعارف و تعلق ہو گیا تھا، ۱۹۶۷ء میں فلاح دارین ترکیسر گجرات میں میری آمد کے بعد اس تعلق میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تھا، یہ تعلق محبت و یگانگت کا تھا، مولانا عبدالرحیم مرحوم جب سہارنپور سے گجرات اپنے وطن وریٹھی اور نانی نرولی آتے تھے تو ان کے گاؤں میں میری متعدد بار حاضری ہوتی تھی، اور وہ بھی ترکیسر میری ملاقات کے لیے کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر اور کبھی دوسری سواری سے بار بار تشریف لاتے، اور بڑی پُر نور اور پُر لطف مجالسیں رہتیں، ان میں بعض علماء اور اہل تعلق بھی شریک ہوتے، خصوصیت سے ہمارے فاضل دوست مولانا عبداللہ کا پودروی صاحب مرحوم جب شرکت کرتے تو مجلس کی رونق دو بالا ہو جاتی۔

مولانا اکثر قرب و جوار میں اور اپنے اعزہ و اقارب کے یہاں بھی پروگرام بنا

کر ہمیں لے جاتے اور وعظ و تقریر کا بھی نظام مرتب کرتے تھے، میری ہر تقریر پر یہ فرماتے کہ آج آپ نے ایک نیا نکتہ بیان کیا، یہ کہاں سے لائے اور خوشی کا اظہار فرماتے۔

مولانا مرحوم نے ایک رسالہ ”حقیقت شکر“ کے عنوان پر قیام گجرات کے زمانہ میں تالیف کیا تھا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس ناچیز سے تاکید فرمایا: ”اس پر اہتمام سے نظر ثانی کر لو اور مقدمہ لکھ کر اپنی نگرانی میں شائع کراؤ“، چنانچہ یہ رسالہ ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا، میں نے اس کا ایک نسخہ مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کی خدمت میں بھیج دیا تھا، اس پر مولانا نے صدق جدید میں کلمہ تحسین تحریر فرمایا، حضرت شیخ نے فرمایا کہ تم نے بہت جرأت مندانہ اقدام کیا کہ مولانا دریابادیؒ کا معیار تو بہت اونچا ہے، اس رسالہ کے مقدمہ میں ناچیز نے مولانا عبد الرحیم متالا مرحوم کے تعارف میں لکھا تھا:

”عزیز موصوف نے جامعہ حسینیہ راندیر میں نہایت محنت اور ذوق و شوق سے اپنی تعلیم کی تکمیل کی، فراغت کے پانچ سال سے استاذی و مرشدی حضرت اقدس برکتہ العصر شیخ الحدیث صاحب مد فیوضہم کی خدمت میں قیام کا شرف حاصل رہا، اسی طرح تین سال حضرت اقدس کے درس بخاری میں شرکت کی سعادت حاصل رہی، ان کی سعادت مندی کی وجہ سے حضرت کی ان پر خصوصی شفقت کی نظر بھی ہے، اس لیے اس کتاب میں جا بجا حضرت اقدس کے ملفوظات بھی نقل کیے گئے ہیں یا ان سے استفادہ کیا گیا ہے۔“

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے جب بذل المجہود کو ندوۃ العلماء لکھنؤ سے چھ جلدوں کی طباعت کے بعد بقیہ جلدوں کی طباعت اور اجزا المسالک کی طباعت کا قاہرہ میں فیصلہ فرمایا تو اس ناچیز کو محترم مولانا عبد الحفیظ مکی کے اصرار پر اس کی تصحیح و نگرانی کے لیے مقرر فرمایا، میری معاونت و مساعدت کے لیے مولانا مرحوم کا انتخاب فرمایا، چنانچہ ہم لوگوں کا سفر مکہ مکرمہ سے عمرہ کرتے ہوئے ۲۰ شعبان ۱۳۹۲ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۷۲ء کو قاہرہ کا ہوا، مولانا قاہرہ مع اپنی اہلیہ کے تشریف لائے تھے کہ کھانے وغیرہ میں سہولت رہے گی، وہاں کے ایک سالہ قیام میں بذل المجہود کی بقیہ جلدیں مکمل ہوئیں اور اجزا کی صرف دو جلدیں ہو سکی تھیں، طباعت کی دشواریوں کی بنا پر بقیہ جلدیں بیروت منتقل کر دی گئیں اور وہاں مولانا عبد الحفیظ صاحب مکی نے اپنی نگرانی میں طباعت مکمل کرائی۔

سہارنپور میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی رمضان المبارک کی مجلس میں ہم دونوں کے لیے خصوصی دعاؤں کا اہتمام کیا گیا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک گرامی نامہ میں اس ناچیز کو لکھتے ہیں کہ تم دونوں کے لیے دعاؤں کا تو جس قدر زور مولانا عبید اللہ صاحب نے باندھ رکھا ہے کہ مجھے بھی بسا اوقات خیال ہوتا ہے کہ سننے والوں کی گرانی تک نہ پہنچ گیا ہو، مولانا عبید اللہ صاحب کو اللہ جزائے خیر دے کہ وہ نظام الدین کے اصول کے موافق ختم خواجگان کے بعد اتنی لمبی چوڑی دعائیں کراتے ہیں جس سے یقین ہو گیا کہ اللہ کی مدد ضرور تمہارے ساتھ ہوگی۔

قاہرہ سے اس ناچیز کی واپسی ایک سال کے بعد مکہ مکرمہ ہوئی، بذل المجہود کی

آخری جلد ہمارے ساتھ تھی، آمد پر حضرت شیخ نے بہت ہی خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا لیکن مولانا مرحوم اور ان کی اہلیہ اور مولانا عبدالحفیظ کی آمد میں قدرے تاخیر ہوئی، اس لیے کہ وہاں پر مولانا مرحوم کے صاحبزادے عبدالحلیم کی ولادت ہوئی تھی، واپسی پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بیحد خوشی کا اظہار فرمایا اور شیرینی تقسیم کرائی اور خصوصی دعوت کا اہتمام فرمایا۔

مولانا مرحوم جب ذکر کے لیے بیٹھتے تھے تو ایک خاص فضا پیدا کر دیتے تھے، آواز میں بڑا درد اور کشش تھی، حضرت شیخ نے دونوں بھائیوں کو اجازت و خلافت سے نوازا، اپنے ایک گرامی نامہ میں جو مولانا احمد گوندھروی کے نام تھا، تحریر فرمایا کہ تمہاری تحریض پر دولاڈ لے عبدالرحیم اور محمد یوسف میری طرف متوجہ ہوئے اور نہ معلوم کہاں تک پہنچ گئے۔

ایک مرتبہ مولانا عبدالرحیم مرحوم کی سہارنپور آمد کی اطلاع کے بعد حضرت والاؒ اپنے مکان کے اندر زنان خانہ میں تشریف لے گئے، گھر والوں سے فرمایا آج کچھ اچھا پکا لینا، پوچھا گیا کہ کس کی آمد کی اطلاع ہے، حضرت نے فرمایا ارے تینوں عاشقوں کا معشوق آ رہا ہے، پوچھا گیا کہ وہ تین عاشق کون؟ اور معشوق کون؟ تو حضرت نے مولانا عبدالرحیم صاحب کا نام لینے کے بعد عاشقوں کے بارے میں فرمایا: بابا، بیٹا اور نصیر، مراد حضرت شیخ خود اور صاحبزادہ گرامی مولانا محمد طلحہ صاحب اور مولانا نصیر الدین صاحب ناظم کتب خانہ، یہ میں نے اس لیے نقل کر دیا کہ مولانا مرحوم اور ان کے بھائی

مولانا محمد یوسف متالا کا حضرت سے تعلق کا اندازہ لگایا جاسکے، چنانچہ مولانا محمد یوسف متالا برطانیہ بولٹن تشریف لے گئے، اور وہاں پر ایک بڑے دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی جس کا حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو جواہتمام تھا اس سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت خود باوجود معذوری کے بولٹن تشریف لے گئے اور چند دن قیام فرمایا، اب وہاں جناب مولانا یوسف متالا کا علمی و روحانی فیض عام ہو رہا ہے، ان کے شاگردوں اور مریدوں کا ایک بہت بڑا حلقہ ہے، اسی طرح مولانا عبدالرحیم مرحوم زامبیا والوں کی طلب پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے وہاں تشریف لے گئے، زامبیا سے باہر قصبہ چپاٹا ۱۹ اکتوبر ۱۹۸۹ء بروز جمعہ معہد رشید کی بنیاد رکھی گئی، اور وہاں بھی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنی معذوری کے باوجود تشریف لے گئے، اس معہد کا فیض افریقہ کے بڑے حصہ میں پہنچ رہا ہے، مختلف افریقی ملکوں کے لڑکے یہاں تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں، مولانا مرحوم ہر سال صاحبزادہ گرامی حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب اور دیگر علماء کو دعوت دے کر وعظ و تقریر کے لیے بلاتے رہتے تھے، جس سے پورا علاقہ فیض یاب ہوتا تھا، اسی طرح مولانا مرحوم کا قیام کناڈا میں بھی رہتا تھا، وہاں بھی ان سے بہت سے لوگ فیض یاب ہوتے رہتے تھے، ماشاء اللہ یہ معہد روز افزوں ترقی کی راہ پر گامزن ہے، اس ناچیز کو بھی کئی مرتبہ انہوں نے چپاٹا آنے کی دعوت دی، لیکن مقدر سے یہ سفر نہ ہو سکا (۱)، البتہ حرمین شریفین میں ملاقات ہوتی رہتی تھی۔

(۱) الحمد للہ ۲۰۱۷ء میں زامبیا اور چپاٹا کا سفر ہوا، تفصیل ”داستان میری“ دوسری جلد میں مذکور ہے۔

۲۸ اکتوبر ۲۰۱۲ء کو ہماری اہلیہ محترمہ کا سانحہ ارتحال پیش آیا، مولانا مرحوم کو جب علم ہوا تو انہوں نے فون کے ذریعہ بڑی لمبی تعزیت کی اور یہ فرمایا کہ ہماری خانقاہ میں آپ کی اہلیہ کے ایصال ثواب اور ختم قرآن کا اہتمام کیا گیا، اور آپ کے لیے بھی خصوصی دعائیں کی جا رہی ہیں کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا کام کر رہے ہیں، تقریباً اس مہینہ میں فون پر پانچ مرتبہ گفتگو ہوئی اور آخری گفتگو ۱۵ منٹ تک رہی، اور بہت ہی محبت آمیز اور درد آشنا جس کی لذت اب تک محسوس ہو رہی ہے، مگر کیا معلوم کہ یہ جانکاہ حادثہ پیش آنے والا ہے۔

نہ سمجھے تھے کہ اس جان جہاں سے یوں جدا ہوں گے

گو سنتے یوں چلے آئے تھے اک دن جان ہے جانی

اس مختصر تحریر میں اسی پر اکتفاء کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے اس سلسلہ کو باقی رکھے اور ترقیات سے نوازے، ان کا مدرسہ معہد رشید ترقیات کی راہ پر گامزن رہے، اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کی تکمیل فرمائے، ان کی کتاب ”سراج القاری لکل صحیح البخاری“ جس کی طباعت و اشاعت کا ان کو بیحد اہتمام تھا اس کی بھی تکمیل فرمائے، ان شاء اللہ عبدالحلیم اور ان کے بھائیوں سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں، یہ سب عزیز گرامی عالم ربانی محترم مولانا محمد یوسف صاحب متلا حفظہ اللہ تعالیٰ کی سرپرستی میں سب کام انجام دیتے رہیں گے، حضرت مولانا کی زندگی کے آخری لمحات میں بہت سے اہل ذکر نے مبشرات و روایا دیکھے جن میں خاص طور سے ان کی بہن ہیں کہ مولانا کے

لیے بہت سی بشارتیں دی گئیں، اس کی تفصیل محترم مولانا محمد یوسف صاحب کے مقالہ میں آئے گی، اس ناچیز نے شخصی طور پر ختم قرآن کیا اور ایصالِ ثواب کیا اور کر رہا ہوں، اور ہماری جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ میں خصوصی اہتمام کیا گیا، اخیر میں مولانا مرحوم کے چھوٹے بھائی اور صاحبزادگان اور اعزہ و اقارب کی خدمت میں تعزیت پیش کر رہا ہوں، اور اس شعر پر اپنی بات کا اختتام کر رہا ہوں ۔

آسماں اُن کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نو رُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آہ! مولانا سید عبداللہ محمد الحسنی ندویؒ

(۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء - ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء)

مولانا مرحوم کا حادثہ فاجعہ اور اس پر اپنے تاثر کا اظہار اپنے تعزیت نامے میں جو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کی خدمت میں ارسال کیا تھا ذکر کر چکا ہوں، اب ان پر خصوصی نمبر پیش کیا جا رہا ہے، اس میں متعدد مقالات ان کی حیات و خدمات پر آ رہے ہیں، میری مختصر تحریر بھی نقوش و تاثرات کی حیثیت رکھتی ہے، ان کے والد مرحوم مولانا سید محمد الحسنی متوفی ۱۳/ جون ۱۹۷۹ء میرے رفیق درس رہے ہیں، وہ شاہ حلیم عطاء صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء کے درس صحیحین میں شریک ہوتے تھے اور حضرت شاہ صاحبؒ ان کے والد محترم حضرت ڈاکٹر عبدالعلی صاحب سے خصوصی تعلق کی بنا پر اہتمام فرماتے تھے، ہمارے درس میں کل بشمول مولانا مرحوم کے چھ طالب علم تھے، لیکن مولانا کا تعلق زیادہ تر اس ناچیز سے تھا، ایک دوسرے ہمارے ساتھی مولانا مطیع الرحمنؒ ندوی مقيم جدہ تھے، ان کا تعلق ان کے ماموں مولانا سید واضح رشید ندوی سے زیادہ تھا جو ہم سے ایک سال آگے تخصص ادب میں تھے، ہمارا

اور محمد میاں مرحوم کا تعلق آئندہ چل کر بڑھتا رہا، میرے ندوے کے زمانے میں تقریباً پانچوے گھنٹے میں ترمذی کی تدریس سے فارغ ہو کر ان کی آفس میں ملاقات کے لیے جو انس و دل بستگی کی علامت ہوتی شرکت کرتا، عام طور پر مولانا سعید الرحمن ندوی مہتمم ندوۃ العلماء درس سے فارغ ہو کر آ جاتے، باری باری سے چائے نوشی ہوتی، ہوٹل پر یا مہتمم صاحب کے مکان پر جہاں بہت لذیذ نفیس چائے بنتی تھی، پھر جب انہیں عربی میں ایک بولٹن نکالنے کا خیال پیدا ہوا تو اس کی ممبری میں میرا نام بھی رکھا تھا اگرچہ میری تدریسی ذمہ داریوں کی وجہ سے وقت بہت کم ملتا تھا لیکن کبھی کبھی چھٹیوں میں گوئن روڈ ان کے مکان پر حاضری دیتا اور ان کی مجلسوں میں شرکت کرتا، وہاں پر مرحوم ضیافت و مہمان نوازی فرماتے، بہت نفیس چائے پلانے کا انتظام کرتے، ایک مرتبہ حضرت گنج کے عمدہ ہوٹل میں ہم سب لوگ چائے نوشی کے لیے گئے، داعی ہمارے ایک ساتھی تھے، بل چودہ روپے کا آیا لیکن ادائیگی سے پہلے وہ اٹھ کر چل دیئے، کسی نے ادائیگی نہیں کی، مرحوم نے بل ادا کیا، ان کے حالات میں اپنے مقالے میں لکھ چکا ہوں، ندوۃ العلماء سے جانے کے بعد میرا ان کا تعلق اسی طرح باقی تھا، صحبتے با اولیاء کی طباعت کے بعد انہوں نے تعمیر حیات میں ایک تحریر لکھی ”مولانا تقی الدین صاحب ندوی پر اللہ تعالیٰ کے بہت سے انعامات ہیں، ان میں سے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کی توجہ و شفقت ہے“ مجھے یاد ہے کہ ان کی یہ تحریر پڑھ کر مجھ پر گریہ طاری ہو گیا، اسی طرح مولانا عبد اللہ صاحب کی ولادت پر ہم سب کو بڑی خوشی ہوئی تھی، ان کی بڑی خواہش تھی

کہ میرا یہ بچہ تعلیمی مراحل طے کر کے محدث اور داعی بنے، مولانا مرحوم میں یہ دونوں صفت پیدا ہو گئی تھی، ندوہ میں حدیث شریف کا درس دینے لگے تھے، وہ جلسوں میں ایک اچھے واعظ و مقرر کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے آئے، ذکر و فکر و انابت الی اللہ کی دولت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو سرفراز کیا تھا، اس لیے حضرت مولانا علی میاں نے ان کو اجازت و خلافت کی دولت سے سرفراز فرمایا اور ان کی تبلیغی و دعوتی حکمت عملی سے بڑی تعداد میں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو رہے تھے، اس میدان میں ان کو انفرادی حیثیت حاصل تھی، ان کی پُرکشش شخصیت لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی، مولانا کو اللہ تعالیٰ نے استغناء و توکل کی صفت سے بھی نوازا تھا، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حاکم شارقہ شیخ سلطان بن محمد القاسمی نے دواہیہ علماء کو طلب کیا جو شارقہ کی ٹی وی سے اردو میں خطاب کر سکیں، اس ناچیز نے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے ذریعہ مولانا سلمان ندوی و مولانا عبداللہ مرحوم کو متعین کیا، دونوں شارقہ آئے، پروگرام ختم ہونے پر ان کے لیے ایک رقم پیش کی گئی جس کو دونوں نے لینے سے انکار کر دیا، اس استغناء کا ان لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑا، جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے شیخ کے قریبی عزیز شیخ سالم بن محمد القاسمی جو مجھ سے بے حد محبت رکھتے ہیں ان کو فون کیا کہ میں حاجت مند ہوں، مجھ کو وہ رقم بھجوائیے، چنانچہ وہ رقم میرے پاس آئی اور ان دونوں کو زبردستی حوالہ کیا اور کہا کہ ابھی آپ دونوں ”حضرت“ نہیں ہوئے ہیں، ندوے کے ہر آدمی و رفت میں ہمیشہ ایک دو مرتبہ ملاقات کے لیے آتے اور اپنی تبلیغی کوششوں کا ذکر فرماتے، ان کو جامعہ اسلامیہ

آنے کی بار بار دعوت دی، بعض مرتبہ طلبہ میں بیان بھی کرایا جو بڑا موثر تھا، اپنی آخری علالت سے چند روز پہلے بھی ندوے میں مجھ سے ملاقات کے لیے آئے اور اپنی علالت کا ذکر کیا، لیکن کہیں سے یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ آخری وقت آنے والا ہے، ان کی علالت کی خبر سن کر اس ناچیز نے بھی اللہ سے فریاد کی اور بہت سے علماء و اہل ذکر نے دعائیں کی لیکن قضاء و قدر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں، چنانچہ ان کا وقت موعود ۳۱ جنوری ۲۰۱۳ء کو آ گیا۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

فاضل گرامی

مولانا اعجاز احمد اعظمی رحمہ اللہ

(۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء - ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء)

اچانک بتاریخ ۲۲/ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۹/سمتبر ۲۰۱۳ء کی فجر کی نماز کے بعد فون سے جناب محترم مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کے سانحہ ارتحال کی اطلاع ہوئی، موصوف سے اس ناچیز کا تعلق بہت قدیم تھا، ان کے گراں قدر مضامین و مقالات کو دیکھنے اور پڑھنے کا موقع ملا وہ ایک مدت تک مدرسہ ریاض العلوم گورنری جوینپور میں بھی استاذ رہے اس کے بعد وہ شیخوپور کے مدرسہ شیخ الاسلام میں سرپرست اور استاذ کی حیثیت سے کام کرتے رہے، ان کا قلم بہت ہی سنجیدہ اور منجھا ہوا تھا، جس پر ان کی کتابیں اور مقالات شاہد ہیں، ایسے فاضل گرامی عالم کا اس دنیا سے ارتحال ایک بڑا حادثہ ہے، ان کے دعوتی کاموں سے اعظم گڑھ شہر اور قرب و جوار کے لوگ مستفید ہو

رہے تھے وہ عرصہ سے علیل چل رہے تھے، دوا علاج کی ساری تدبیریں اختیار کی گئیں، مگر مشیت الہی کے سامنے کوئی چارہ کار نہیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کی پوری پوری مغفرت فرمائے اور جنت کے اعلیٰ مقام میں جگہ نصیب فرمائے، آمین، ان کے صاحبزادگان مولانا محمد عارف صاحب اور ان کے بھائیوں اور اعزہ واقارب سب کو صبر جمیل عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو توفیق عطا فرمائے کہ ان کے کاموں اور ان کے مشن کو جاری رکھیں، یہ مرحلہ موت سب کو پیش آنا ہے، کل من علیہا فان، دینی، علمی اور دعوتی خدمت کرتے ہوئے اس دنیا سے جانا بڑی سعادت مندی کی بات ہے، یہ ناچیز ان کے اعزہ کے غم میں شریک ہے ان کے لیے جامعہ اسلامیہ مظفر پور میں ایصال ثواب کیا گیا اور اس ناچیز نے بھی اس کا اہتمام کیا۔

فقط والسلام

شریک غم

تقی الدین ندوی مظاہری

العین ۲۳ / ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ

استاد محترم

مولانا احتشام الدین صاحب مرحوم

(..... - ۱۴۳۷ھ / ۲۰۱۶ء)

اچانک ۳ مئی ۲۰۱۶ء بروز منگل حضرت مولانا احتشام الدین صاحب اصلاحی کے سانچے ارتحال کی خبر سن کر بے حد قلق و افسوس ہوا، مرحوم اپنی عمر کے ۹۳ سال کے مرحلے سے گزر رہے تھے، دو سال قبل ان کے وطن ”منڈیار“ ضلع جونپور میں ان کی زیارت کے لیے ناچیز خود حاضر ہوا تھا، کبر سنی اور ضعف و نقاہت کے باوجود مولانا بہت نشیط نظر آ رہے تھے۔

مولانا مرحوم میرے استاد تھے، ان کی ذات سے ناچیز کی ماضی کی تاریخ وابستہ ہے، یہ ناچیز مدرسۃ الاصلاح کا طالب علم رہا ہے، مکتب چہارم میں مولانا اسماعیل میرٹھی کی کتاب مولانا انوار صاحب مرحوم پڑھاتے تھے، جو مولانا کے ساتھی اور رفیق تھے، دونوں میں بہت گہرا تعلق تھا، مدرسۃ الاصلاح میں ان کی ایک خاص حیثیت تھی، مولانا

انوار مرحوم شاعر بھی تھے، ان کا دیوان بھی چھپ چکا ہے، آپ اشتیاق بیڑی والے کے بھائی تھے۔

مولانا احتشام الدین صاحب مدرسۃ الاصلاح کے اہم استادوں میں تھے، نحو و صرف کی کتابیں پڑھاتے تھے، مولانا اختر احسن اصلاحی مرحوم نے ان کی خاص تربیت کی تھی، ان سے اس ناچیز نے درجہ سوم میں ”دول العرب والإسلام“ اور درجہ چہارم میں ”المفصل للزمخشری“ پڑھی تھی، درجہ عربی سوم میں اتفاق سے میں تنہا طالب علم تھا، اس لیے ”دول العرب والإسلام“ کو مولانا بہت اہتمام سے پڑھاتے تھے۔ ایک لطیفہ یاد آگیا، سالانہ امتحان کا زمانہ تھا، انہوں نے اپنے کمرے میں کسی ضرورت سے ناچیز کو بھیجا، وہاں ”دول العرب والإسلام“ پر نظر پڑ گئی، اس کو کھول کر دیکھا تو سوالات تحریر کئے ہوئے تھے، جلدی جلدی ایک نظر سوالات پر ڈال لی اور فوراً سامان لے کر واپس آیا، مولانا بہت ذکی الحس تھے میری اس حرکت کو بھانپ لیا اور سوالات میں تبدیلی کر دی، اور بعد میں فرمایا: تم کو میں نے ماند کر دیا (یعنی کوئی مزاحیہ جملہ فرمایا)۔

”مفصل للزمخشری“ کا کچھ حصہ بہت دقت اور سہل اسلوب میں انھوں نے پڑھایا تھا، ان کی تفہیم کا انداز بہت نرالا تھا، گرچہ یہ کتاب ان کے لیے جدید تھی، مدرسۃ الاصلاح سے کنارہ کش ہونے کے بعد بھی ان کا مدرسۃ الاصلاح سے گہرا ربط تھا، ناچیز سے بھی اپنے تعلق کا اظہار فرماتے تھے، جامعہ اسلامیہ قائم ہونے کے بعد کئی بار

جامعہ کے پروگراموں میں شرکت کے لیے تشریف لائے اور اپنی محبت و تعلق کا اظہار فرمایا۔

ان کی وفات سے اصلاحی حلقے میں خاص طور سے ضلع اعظم گڑھ میں ایک علمی و دینی شخصیت کا خلا پیدا ہو گیا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے حسنات کو قبول فرمائے، سینات سے درگزر فرمائے، اور جنت الفردوس ان کا ٹھکانا بنائے، آمین۔

یہ ناچیز ان کے تمام پسماندگان اور خاندان کے تمام افراد اور مدرسۃ الاصلاح کے جملہ اراکین کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
کہ سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ

بانی و شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

(۱۳۳۵ھ/۱۹۲۶ء - ۱۴۳۸ھ/۲۰۱۷ء)

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم بانی و شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی ہندوپاک کے مشاہیر علمائے حدیث میں سے تھے، جن کے شاگردوں میں مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی اور مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی وغیرہ شامل ہیں، مولانا اپنی زندگی کے ۹۱ سال پورے کر رہے تھے کہ اچانک دوروز سے علیل تھے اور مختصر علالت کے بعد ۱۵ جنوری ۲۰۱۷ء عشاء کے بعد اس دار فانی سے دار آخرت کی طرف ارتحال فرمایا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مولانا سے اس ناچیز کی سب سے پہلی ملاقات دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ۱۹۶۲ء میں ہوئی تھی، اسی زمانہ میں مولانا نے صرف ایک ماہ میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا، اور رمضان میں تراویح بھی سنائی، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی دعوت پر ندوۃ العلماء تشریف لائے تھے، چونکہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے جو دارالعلوم ندوۃ

العلماء کے شیخ الحدیث تھے، اپنے حالات کی بنا پر تدریس سے معذرت کر دی تھی، ان کی جگہ پر تقرری کے لیے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کا خیال تھا کہ مولانا سلیم اللہ صاحب کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں لایا جائے، لہذا انھیں کی دعوت پر وہ دارالعلوم تشریف لائے تھے، مگر مولانا مرحوم سفر پاکستان کے لیے تیار تھے، اس لیے کوئی بات طے نہیں ہو سکی، اسی دوران یہ ناچیز اور ہمارے رفیق مولانا محمد میاں مرحوم دونوں کا رائے پورا سفر ہوا، جہاں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی خانقاہ تھی، ہمارے استاذ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ وہاں تشریف فرما تھے، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ خاص اہم معاملات میں حضرت شیخ سے رجوع فرماتے تھے، چنانچہ حضرت مولاناؒ حضرت شیخ کے کمرہ میں تشریف لائے، یہ ناچیز بھی وہاں بیٹھا ہوا تھا، حضرت مولاناؒ مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی تقرری کے بارے میں مشورہ کیا، شیخ نے فرمایا کہ ”مولوی صاحب وہ نکلیں گے نہیں“، معلوم تھا کہ ان کا سفر پاکستان کا ہونے والا ہے، اور حضرت شیخ نے اس ناچیز کی طرف نظر فرمائی ع

نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

لکھنؤ واپسی کے بعد مولانا منظور نعمانیؒ کا ترمذی کا گھنٹہ خالی چل رہا تھا، طلبہ کی اچھی تعداد تھی، ان کا مطالبہ تھا کہ مولانا خود پڑھائیں یا استاد لایا جائے، لیکن وہاں اکابر کی موجودگی میں ان دونوں حضرات کا متفقہ فیصلہ ہوا کہ درس ترمذی تقی الدین کے حوالے کیا جائے، چنانچہ پانچ سال تک ترمذی کا درس اس ناچیز کے پاس ہی رہا۔

ابوظی آنے کے بعد حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب سے پھر دوبارہ رابطہ پیدا ہوا، موصوف نے ناچیز سے ”بذل المجہود“ اور ”بخاری شریف“ ودیگر کتابوں کی فرمائش کی، جو ان کی خدمت میں بھیجی گئیں، اور انہوں نے اپنی کتاب بخاری کی شرح ”کشف الباری“ جو بیس جلدوں تک پہنچی ہے ہدیہ بھجوا یا، ادھر چند مہینے قبل ان کے خادم نے فون کیا کہ حضرت مولانا آپ کی سوانح ”داستان میری“ دیکھنا چاہتے ہیں، اس کی دونوں جلدیں بھی اس ناچیز نے بھجوائیں، معلوم ہوا کہ اس کو پڑھنے کے بعد فرمایا: ”کہ مولانا تقی الدین ندوی کی کتاب ”داستان میری“ کی افادیت کے پیش نظر اس کو تین مرتبہ پڑھنی چاہیے“، دیگر رسالے و کتب بھی اس ناچیز کو بھجوانے والے تھے کہ اچانک سانحہ ارتحال کی خبر آ گئی۔

مولانا نے اپنی عربی کی تعلیم مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں حاصل کی، اور دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث ودیگر کتابوں سے فراغت ۱۹۴۷ء میں حاصل کی، اور چند سال ہندوستان کے مختلف مدرسوں میں تدریس کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے، جہاں انہوں نے دارالعلوم کراچی اور بنوری ٹاؤن میں پڑھانے کے بعد خود جامعہ فاروقیہ کراچی کی بنیاد رکھی، جو ان کے اخلاص و کوششوں کی برکت سے پاکستان کا ایک بڑا ادارہ بن گیا، اس کے علاوہ حضرت مولانا وفاق المدارس الاسلامیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ بھی رہے ہیں، اس کے نصاب میں اس ناچیز کی کتاب ”محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے“ بھی رکھی تھی، ان کے شاگردوں اور تلامذہ کی تعداد سینکڑوں اور ہزاروں

میں ہوگی، وہ اپنی ذات اور شخصیت سے مرجع علماء بنے ہوئے تھے۔

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب ”کشف الباری“ کے بارے میں اپنے تاثرات لکھتے ہیں کہ ”اپنے درس بخاری کے درمیان جب میں شروح بخاری کے مطالعہ کے بعد ”کشف الباری“ کا مطالعہ کرتا تھا تو ظاہر ہوتا تھا کہ اس کتاب میں مذکورہ تمام کتابوں کے اہم مباحث دلنشین انداز میں اس طرح یکجا ہو گئے ہیں جیسے ان شروح کا لب لباب اس میں سمٹ آیا ہو اور اس کے علاوہ بہت سے مسائل مستزاد ہیں۔“

اسی طرح سے دیگر علماء نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے، ہمارے سامنے بھی اس کی جلدیں ہیں، آخری جلد ”کتاب الرقاق“ پر ختم ہو رہی ہے، خدا کرے کہ حضرت نے بقیہ کا تکملہ فرما دیا ہو (۱)، اسی طرح سے مشکوٰۃ و ترمذی پر بھی ان کی تحقیقات شائع ہوئی ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے فیض کو باقی رکھے اور جامعہ فاروقیہ کو ان کی نیک تمناؤں کے ساتھ ان کے صاحبزادگان کو ترقی کی راہ پر گامزن رکھیں، تاکہ ان کی روح کو خوشی حاصل ہو، اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرما کر ان کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔

(۱) الحمد للہ یہ کتاب مکمل پاک و ہند سے شائع ہو چکی ہے۔

عالم ربانی

حضرت مولانا ملک عبدالحفیظ صاحب مکیؒ

(۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء - ۱۴۳۸ھ/۲۰۱۷ء)

مورخہ ۱۷ جنوری ۲۰۱۷ء کو جناب مولانا محترم ملک عبدالحفیظ صاحب مکیؒ کے
سانحہ وفات کی المناک خبر سن کر دل و دماغ پر بے حد اثر ہوا، مرحوم سے واقفیت تو اس
زمانہ سے تھی جب وہ مکہ مکرمہ سے ثانویہ کی تعلیم مکمل کر کے اپنے والد محترم ملک عبدالحق
صاحب مرحوم کے ہمراہ نظام الدین حاضر ہوئے، اور وہاں سے حضرت شیخ الحدیثؒ کی
خدمت میں حاضر ہوئے، وہ زمانہ میرے ندوۃ العلماء میں مدرسہ کا تھا، کثرت سے
چھٹیوں میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوتی، وہاں
پر ان سے سرسری ملاقات ہوئی، معلوم ہوا کہ سعودی عرب سے ایک طالب علم یہاں
آئے ہیں، حضرت شیخؒ ان کا بے حد خیال فرماتے، ناشتہ میں ان کے لیے لسی کا اہتمام
کیا جاتا، اور مجلس ذکر میں ان کے ذکر کی ایک خاص کیفیت ہوتی، اس کے بعد مختلف
اسفار میں خاص طور سے ماہ مبارک میں ان سے ملاقات رہا کرتی تھی۔

۱۹۱۷ء میں ناچیز ترکیسر کی شیخ الحدیثی چھوڑ کر حضرت شیخ کی خدمت میں حاشیہ بذل المجہود کی خدمت کے لیے حاضر ہوا، اس زمانہ میں حضرت شیخ کے قلب مبارک میں ”اوجز“ و ”بذل“ کو ٹائپ پر چھپوانے کا جذبہ غالب تھا، اور اس کی طباعت کا سلسلہ ندوۃ العلماء میں شروع بھی ہو گیا تھا بلکہ بذل المجہود کی چھ جلدیں چھپ بھی گئی تھیں، لیکن بسیا رحمت کے باوجود کام قابو میں نہیں آ رہا تھا، اسی دوران مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی جو مظاہر العلوم سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ میں مقیم تھے، نے یہ تجویز رکھی کہ یہ کتابیں قاہرہ میں طبع کی جائیں، اس سے طباعت کے ساتھ ساتھ یہ کتابیں عالم عربی میں بھی پھیل سکیں گی، حضرت شیخ سے غیر معمولی محبت و عشق کی وجہ سے ان کی مخلصانہ تجویز رنگ لائی اور حضرت نے ان دونوں کتابوں کے قاہرہ میں طباعت کا فیصلہ فرمایا، اور ندوۃ العلماء سے یہ کام قاہرہ مولانا عبدالحفیظ صاحب کے پاس منتقل ہو گیا، اس فیصلہ اور کام کی ابتدا کے بعد مولانا محترم نے حضرت شیخ کو باصرار لکھا کہ ان دونوں کتابوں کی خدمت کے لیے مولانا تقی الدین ندوی کی سخت ضرورت ہے، اس طرح اس ناچیز کا قاہرہ کا سفر مقدر ہوا، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، اس سے پہلے مولانا محترم کی زندگی کا مختصر خاکہ پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

ولادت و تعلیم: مولانا کی پیدائش امرتسر مشرقی پنجاب میں ۱۹۴۶ء میں ہوئی، ان کا پورا خاندان ہجرت کر کے پاکستان فیصل آباد چلا گیا، ابتدائی تعلیم وہاں کے اسکول میں ہوئی، اس کے بعد ان کے والد صاحب مع اہل و عیال مکہ مکرمہ منتقل ہو گئے، یہاں آ کر

ان کی ابتدائی و ثانوی تعلیم مکمل ہوئی اور ۱۳۸۸ھ کے ثانویہ کے امتحان میں امتیازی نمبرات حاصل کئے، جس کی وجہ سے سعودی حکومت کی طرف سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے یورپ و امریکہ میں اونچی تعلیم حاصل کرنے کا موقع بھی تھا، لیکن حضرت مولانا عبید اللہ بلیاویؒ جو مکہ مکرمہ میں مقیم تھے، اور مولانا کے والد جناب ملک عبدالحق صاحب مرحوم کا ان سے خاص تعلق تھا، انہوں نے مولانا عبدالحفیظ صاحب کو کہیں باہر بھیج کر تعلیم دلانے سے منع کیا، اس لیے ان کے والد صاحب ان کو لے کر ہندوستان حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کی خدمت میں نظام الدین آئے، اور وہاں سے کچھ دنوں کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے والد نے بڑے آہ و زاری کے ساتھ حضرت شیخ سے دعا کی درخواست کی، اور ان کو حضرت شیخ کے سپرد کر دیا، اس قیام کے دوران انہوں نے تبلیغی جماعت میں بھی وقت گزارا، اور درحقیقت ان کے سرپرست حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب تھے، جو حضرت شیخ کے بڑے خلفاء میں تھے، ان کا حجاز مقدس میں قیام تھا، وہ دعوت و تبلیغ کے بڑے ذمہ داروں میں تھے، مولانا کو تبلیغ میں ان کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع ملا جس سے بے حد فائدہ ہوا، مظاہر کے قیام کے دوران انہوں نے باضابطہ تعلیم حاصل نہیں کی بلکہ بخاری اور دیگر حدیث کی کتابوں کی سماعت کی، لہذا ان کی تعلیم تشنہ تھی، اس لیے انہوں نے بقیہ کتابوں کی دوسرے اساتذہ سے تکمیل کی، ان میں خاص طور سے ”مشکاۃ المصابیح“ مولانا محمد یونس صاحبؒ شیخ الحدیث مظاہر علوم سے پڑھی اور ان سے اجازت

بھی لی، اور پھر ۱۳۶۸ھ میں باضابطہ دورہ حدیث میں داخلہ لیا، بخاری شریف جلد اول حضرت شیخ الحدیث سے اور جلد ثانی حضرت مولانا مظفر حسین صاحب سے پڑھی، حضرت شیخ کی تدریس کا یہ آخری سال تھا، اس کے علاوہ دیگر حدیث کی کتابیں دوسرے اساتذہ سے پڑھی۔

تبلیغی اسفار: جیسا کہ پہلے ذکر آیا کہ انھوں نے جوانی ہی سے تبلیغی سرگرمیوں میں حصہ لیا، حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب کے ساتھ وقت گزارا، اور یہ سلسلہ ان کی زندگی میں قائم رہا، ہندوستان، پاکستان، حجاز مقدس میں خاصا وقت گزارا، اس کے علاوہ تھائی لینڈ، جاپان، ہین لولو، سانس فرانسکو، امریکہ کے مغربی کنارہ کے اسفار بھی کئے، اس میں چار مہینے لگائے، کینڈا اور انگلینڈ کے بھی تبلیغی اسفار کئے، اور ان کے علاوہ بھی مختلف دعوتی و تبلیغی اسفار کئے۔

حضرت شیخ سے محبت و عقیدت اور ان کی کتابوں سے غیر معمولی شغف: مولانا عبدالحفیظ صاحب کو حضرت شیخ الحدیث سے غیر معمولی محبت و عقیدت تھی، اور ان کی خدمت کو سعادت سمجھتے تھے، رمضان المبارک میں حضرت شیخ کے مہمانوں کی خوب خدمت کرتے تھے، مولانا محترم کو حضرت شیخ کی ذات گرامی سے عشق تھا، ان کے پورے خاندان نے بالخصوص مولانا محترم نے حضرت شیخ کی اور ان کے خدام و متعلقین کی جو خدمت کی ہے وہ نادر المثال ہے، میری نگاہوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہے، حضرت شیخ کو بھی مولانا محترم سے اور ان کے والد سے بے پناہ محبت تھی، اور وہ بھی میری دیکھی

ہوئی ہے ۔

شنیدہ کے بودمانند دیدہ

اوجز المسالک اور بذل المجهود کی طباعت: جیسا کہ تمہید میں بذل واوجز کی قاہرہ میں طباعت کی مختصر روداد آئی ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت شیخ کے آخری زندگی کے ایام میں اپنی کتابوں کو خاص طور سے اوجز المسالک اور بذل المجهود کو عربی ٹائپ پر طبع کرانے کا جوداعیہ پیدا ہوا اس کو حضرت نے اس ناچیز کے نام خط کے جواب میں یوں تحریر فرمایا: ”تم نے اپنے سابقہ خط میں بذل المجهود کی طباعت کے سلسلہ میں کچھ لکھا تھا، تمہیں معلوم ہے کہ میں خود تقریباً بیس پچیس سال سے اس کے لیے متمنی اور کوشاں ہوں، اب علی میاں (اللہ انھیں بہت ہی جزائے خیر دے اور بلند درجات عطا فرمائے) اس میں میری معاونت کے لیے تیار ہیں، اس سے پھر امنگ پیدا ہوگئی ہے، اور تمہارے اس وقت کے خط نے ایک شعلہ سا پھر پیدا کر دیا ہے، تم نے لکھا کہ سال بھر میرے پاس رہنے کو جی چاہتا ہے، اگر بذل المجهود کی طباعت کا ولولہ و جذبہ نہ ہوتا تو میں ہرگز آپ کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ آپ تدریس حدیث چھوڑ کر یہاں قیام کریں، یہ تو بہت نقصان دہ ہے، البتہ اگر آپ یہاں کے ایک سال کے قیام میں بذل المجهود کے میرے حواشی جو بہت ہی کثرت سے ہیں اور آپ کے دیکھے ہوئے ہیں ان کو انتخاب کر کے بذل کی طباعت ایک سال میں کرادیں تو یقیناً آپ کے لیے بڑا صدقہ جاریہ ہے اور حدیث کی بہت بڑی خدمت، اور میری دیرینہ تمنا پورا ہونے کا ذریعہ الخ۔“

(داستان میری: جلد اول ص ۲۰۴)

حضرت شیخ نے ایک خط میں تحریر فرمایا: ”میری تمنا ہے کہ میری زندگی میں بذل ٹائپ پر چھپ جائے، میرے حضرت (مولانا خلیل احمد سہارنپوری) نے حجاز مقدس سے واپسی پر ۱۳۳۶ھ میں مجھے بذل المجہود کی طرح شرح ترمذی لکھنے کا حکم فرمایا تھا، جس کی تعمیل اپنی نالافتی سے نہیں کر سکا، چند سال سے یہ خیال ہو رہا ہے کہ بذل المجہود کی خوب اشاعت کر جاؤں۔“

(الحمد للہ حضرت شیخ کی دعاؤں کی برکت اور اس ناچیز کی جدوجہد سے بذل المجہود ۱۴ جلدوں میں اور اوجز المسالک ۱۸ جلدوں میں تحقیق و تعلیق کے ساتھ شائع ہو کر پورے عالم میں پھیل رہی ہے، ترمذی شریف مع متن کی تحقیق اور حاشیہ پر الکوکب الدرر مع الإضافات کے ۹ جلدوں میں اس ناچیز کی تحقیق کے ساتھ طبع ہو کر آگئی۔)

حضرت مولانا علی میاں کے تعاون سے بذل المجہود کی طباعت کا کام ندوۃ العلماء میں شروع ہوا، لیکن اس کام میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، محترم مولانا عبد الحفیظ صاحب کی تجویز آئی کہ اس کام کو قاہرہ منتقل کر دیا جائے، وہاں کی طباعت بھی عمدہ ہوگی، اور کتابوں کے عالم عربی میں پھیلنے کا موقع ملے گا، چنانچہ انہوں نے قاہرہ کا سفر کر کے مطبع دار السعاده سے بات بھی کر لی، بلکہ اوجز المسالک کا کام بھی شروع کرا دیا، لیکن انہوں کام شروع کرنے کے بعد حضرت شیخ کو مکرر خط لکھا کہ اس کتاب کی تصحیح و نگرانی کے لیے مولانا تقی الدین ندوی کی اشد ضرورت ہے، اس خبر سے حضرت شیخ کو بڑی مسرت ہوئی، اور انہوں نے قاہرہ جانے کے لیے میرا انتخاب فرمایا،

اس سلسلہ میں مولانا عبدالحفیظ صاحب کا مکتوب گرامی میرے نام مندرجہ ذیل تھا:

”مکرم و محترم جناب مولانا تقی الدین صاحب زادکم اللہ قبولاً و برکۃً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ موصول ہوا، حالات سے آگاہی ہوئی، مولانا عبد الرحیم صاحب مدینہ منورہ میں ہی ہیں، کل پیر کو یہ عاجز مدینہ منورہ جا رہا ہے، آپ کا گرامی نامہ جو مشترکہ ہم دونوں کے نام ہے ساتھ لیتا جاؤں گا تاکہ وہ بھی پڑھ لیں، بلکہ پورا ان کے حوالہ ہی کر دوں گا، اب تو ہم صرف آنجناب کے ہی منتظر ہیں، آپ خوش قسمت ہیں کہ حضرت والا کی عین منشا کے مطابق ان شاء اللہ سب کام کریں گے، حضرت کے آخری خطوں میں بہت ہی خوشی کا اظہار تھا، اللہ تعالیٰ ہی آپ کے درجات بلند فرماویں اور نعم البدل تدریس کی جگہ بفضلہ نصیب فرماویں، اللہ تعالیٰ آپ کے فیوض کو زیادہ سے زیادہ علی احسن وجہ عام فرماویں اور عالم کو متمتع فرماویں، آمین۔

اب تو یہاں جو بھی ملتا ہے آنجناب کی آمد کے بارے میں ہی پوچھتا ہے، کہ یہ خبر تو سب کو ہو چکی ہے کہ حضرت والا نے آنجناب کو منتخب فرمایا ہے، اس عظیم اور مبارک کام (بذل المجہود و اوجز المسالک) کے لیے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے زیادہ سے زیادہ قبول فرماویں، اور سفر و جد و جہد خالصاً لو جہہ فرما کر آنجناب کو بھی ہر قسم کی ترقیات عظیمہ سے نوازیں، آمین۔

امید ہے واپسی ڈاک کی آنجناب اطلاع دیں گے ٹکٹ کے بارے میں بھی پتہ نہ چلا کہ کیا بنا، یہاں سے ضرورت ہو تو فوراً تحریر فرمادیں، مصر میں اوجز جو چھپ رہی ہے تو وہ لوگ اسی نستعلیق خط کو پڑھ لیتے ہیں، اسی سے چھاپ

رہے ہیں، مطب والے اس کے پڑھنے میں ماہر ہیں، اس لیے مستقل ٹائپ یا لکھائی کی ضرورت نہیں پڑی، دعاؤں کی درخواست ہے۔

فقط

والسلام مع الاکرام

عبدالحفیظ غنی عنہ

۲۵/رجب ۱۴۹۲ھ

چنانچہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے حکم سے اس ناچیز اور مولانا عبدالرحیم صاحب متالامرحوم کا مکہ مکرمہ ہوتے ہوئے قاہرہ کا سفر ہوا، یہاں پہنچ کر ایک ہوٹل میں قیام ہوا، ناچیز اور مولانا عبدالرحیم متالا کے لیے یہ ایک اجنبی شہر تھا، لیکن مولانا محترم وہاں سے واقف تھے، خاص طور سے مطب السعاده کے مالک الحاج علی اسماعیل سے ان کے تعلقات پیدا ہو گئے تھے، ہم لوگوں کی ان سے ملاقات کرائی، اور اس کے بعد طباعت کے مراحل طے ہوئے جس کی ایک مستقل تاریخ ہے، اس کی تفصیل ناچیز کی کتاب ”داستاں میری“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ناچیز سے مولانا کی وابستگی: اس طرح مجھے مصر بلانے میں مولانا عبدالحفیظ صاحبؒ کی تحریک تھی اور ہمارے ساتھ تقریباً ایک سال قاہرہ میں ان دونوں کتابوں کی خدمت کے لیے ان کا قیام بھی رہا، وہ تواضع و خاکساری کے عجیب و غریب نمونہ تھے، اس قیام کے دوران ہم دونوں کی بڑی ناز برداریاں کیں، ہماری ہر فرمائش کو پورا کرتے تھے، حج کے زمانہ میں جب ہم حرمین شریفین واپس آئے تو اس موقع پر بھی انہوں نے بڑی

خدمت کی، ابو ظبی کے قیام میں ایک سفر حج ناچیز نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ کیا، اس موقع پر بھی مولانا محترم نے منی و عرفات میں ہمارا سارا انتظام کیا، ان سے تعلقات میں مزید اضافہ ہوتا رہا، حرمین کے قیام میں ان کے گھر پر مکہ مکرمہ میں کئی کئی دنوں قیام رہا، ادھر کئی سالوں سے حرمین شریفین کی زیارت کے موقع پر وہ کھانا و ہدایا کے ساتھ اپنے صاحبزادوں کو لے کر ہوٹل میں تشریف لاتے، ہماری اہلیہ کے انتقال پر بہت اہتمام سے اپنی خانقاہ میں دعا کرائی۔

اس ناچیز سے محبت و تعلق کو برابر قائم رکھا، راستے میں ابو ظبی اتر کر مجھ سے ملاقات کا معمول تھا، ہمارے علمی کاموں کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے، یہ ناچیز بھی عام طور سے اور خصوصاً مکہ مکرمہ حاضری کے موقع پر فون کر کے دعاؤں کا طلبگار ہوتا، ابھی چند روز پیشتر فون سے گفتگو ہوئی، میں نے سنن ترمذی کے ساتھ ”الکوکب الدری مع العلل والشمائل“ ۹ جلدوں میں شائع ہونے کی خبر دی، جس سے باغ باغ ہو گئے اور بہت دعائیں دیتے رہے، اور یہ بھی فرمایا کہ میں خود ابو ظبی العین حاضر ہو رہا ہوں اور آ کر آپ سے کتاب لوں گا، کیا معلوم تھا کہ اس سے پہلے ہی وہ سفر آخرت کے لیے روانہ ہو جائیں گے، ان کی وفات کی خبر سے جامعہ اسلامیہ میں غم و اندوہ کی لہر دوڑ گئی، تعزیتی نشست منعقد ہوئی اور ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا گیا، ناچیز نے اپنے اہل تعلق سے بھی ایصالِ ثواب کی تاکید کی۔

علمی کارنامہ: جیسا کہ سابق میں ذکر آیا کہ اجز و بذل کی طباعت میں مولانا محترم کا بڑا

حصہ ہے، اسی طرح حضرت شیخ کی دیگر کتابوں کی طباعت میں بھی ان کا بڑا حصہ ہے، قابل ذکر کام یہ ہے کہ جب ”لامع الدراری“ ٹائپ پر چھپ کر آئی تو مولانا نے (اور ان کے ساتھ مولانا اسماعیل بدات بھی تھے) حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ لامع کو اصل قرار دیتے ہوئے اس میں جو مواد الابواب کا رہ گیا ہے اسی طرح جو مواد تقریر بخاری اردو کا اس میں نہیں آسکا ہے اس کو معرب کر کے ان مواقع پر بڑھا دیا جائے، اور اصل متن بخاری کے ساتھ چھپوایا جائے، تاکہ یہ بخاری کی مکمل شرح ہو جائے، حضرت شیخ نے ان کی اس تجویز کو بہت پسند فرمایا اور اس کی اجازت دے دی، چنانچہ مولانا نے اپنے بعض احباب کے تعاون سے اس خاکہ کو عملی جامہ پہنایا، اور مجوزہ خاکہ کے مطابق مفصل حواشی لکھوائے، اور اس ناچیز اور مولانا تقی عثمانی صاحب و دیگر علماء کی تقریظات کے ساتھ ”الکنز المتواری“ کے نام سے ۲۴ جلدوں میں شائع کرایا جو اپنی مثال آپ ہے اور یہ اس قابل ہے کہ مولانا کے عظیم کارناموں میں شمار ہو۔

مولانا نے حضرت شیخ کی کتاب ”شریعت و طریقت“ اور ”الاعتدال فی مراتب الرجال“ کی تعریف کر کے بھی شائع کی۔

مدرسہ و خانقاہ کی تاسیس: مولانا محترم نے مکہ مکرمہ میں ایک مدرسہ اور ایک خانقاہ بھی قائم کی تھی، مدرسہ کی بنیاد حضرت شیخ الحدیثؒ نے رکھی تھی، ان کی خانقاہ میں ذاکرین و شاغلین کا مجمع رہتا تھا، ان کا یہ فیض پاکستان اور جنوبی افریقہ تک پہنچ گیا تھا، اور ہزاروں آدمی ان سے استفادہ کے لیے مکہ مکرمہ میں ملاقات کرتے، یا دعوت دے کر لے جاتے،

ان کی دعاؤں میں بڑی تاثیر تھی، مسجد نبوی شریفؐ میں حضرت شیخؒ کے قیام کے دوران اکثر رمضان میں ختم سورہ لیس کے بعد دعا مانگنے کا حضرت شیخؒ نے ان کو ذمہ دار بنایا تھا، جس سے اس وقت ایک خاص سماں پیدا ہو جاتا تھا۔

پسماندگان: مولانا کے پسماندگان میں چار صاحبزادے ہیں، بڑے مولوی عبد الرؤوف ہیں جو مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں حدیث کی بڑی کتابیں پڑھا رہے ہیں، دوسرے لڑکے عمر و معاذ اور انس ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے والد کے کاموں کی تکمیل کی توفیق دے۔

وفات: جنوبی افریقہ میں مولانا اپنی خانقاہ میں تشریف لے گئے تھے، وہیں پراچانک قلبی دورہ پڑا، اور ان کی روح قفصِ عنصری سے پرواز کر گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون، ان کے ساتھ ان کے صاحبزادے مولوی عمر سلمہ تھے، ان کی نعش وہاں سے مدینہ منورہ منتقل کی گئی، اور حرم مدنی میں ۱۹ جنوری بروز جمعرات بعد نماز فجر نماز جنازہ ادا کی گئی، امام حرم مدنی شیخ صلاح بن محمد البدر نے نماز جنازہ پڑھائی، تقریباً ساڑھے تین ہزار علماء و اہل علم اور دیگر حضرات نے سفر کر کے ان کی نماز جنازہ میں شرکت کی، اور ساڑھے آٹھ بجے جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی، اور اس طرح انھیں بارگاہ رسالتؐ میں پہنچ کر اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کے جوار میں مدفون ہونے کی سعادت حاصل ہوئی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ ۷

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت فرمائے، ان کے درجات کو بلند کرے اور جنت
 الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے فیوض کو جاری و ساری رکھے، آمین۔
 آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حضرت مولانا شاہ محمد سعید مجددیؒ

(۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۸ء - ۱۴۳۸ھ / ۲۰۱۷ء)

حضرت مولانا شاہ محمد سعید مجددی صاحبزادہ گرامی حضرت شاہ یعقوب مجددی کے اچانک ارتحال کی خبر سن کر بہت ہی رنج و قلق ہو رہا ہے، مولانا اپنے والد صاحب شاہ یعقوب مجددیؒ کی یادگار تھے، سلسلہ مجددیہ کی شاخ جو حضرت شاہ عبدالغنیؒ کے ذریعہ اوپر تک پہنچتی ہے، اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی حضرت مولانا شاہ یعقوب مجددیؒ ان کے والد محترم تھے، جن کی زیارت کی سعادت اس ناچیز کو متعدد بار حاصل ہوئی ہے۔

”محدثین عظام“ کی طباعت کے بعد بھوپال کے اجتماع میں شرکت ہوئی، حضرت مولانا شاہ معین الدین صاحبؒ ندوی کی رفاقت میں حضرت شاہ صاحبؒ کی زیارت کی، ان کی ذات سراپا عشق و محبت کا نمونہ تھی، جب میں نے اپنی کتاب ”محدثین عظام“ پیش کی تو حضرت نے حدیث پاک کے اکرام میں اس کتاب کو اپنے سر مبارک پر رکھ لیا، اور بہت دعائیں دی، مجلس میں جو گفتگو فرمائی اس پر حضرت مولانا شاہ معین الدین صاحب نے نکلنے کے بعد فرمایا کہ مولانا کا ایک ایک جملہ بڑی بڑی تقریروں پر

بھاری ہے، اس کے بعد مولانا سے خط و کتابت بھی رہی۔

حضرت شاہ یعقوب مجددیؒ کے ملفوظات کو حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے کتابی شکل میں جمع فرمایا، جس کو ندوہ کے مکتبہ سے شائع کیا گیا۔

اسی طرح ان کے صاحبزادے مولانا شاہ محمد سعید مجددیؒ سے بھی بار بار ملاقات رہی، خاص طور پر وہ دارالمصنفین اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس شوریٰ میں شرکت فرماتے تھے، ایک مرتبہ ہماری دعوت پر ہمارے جامعہ اسلامیہ بھی تشریف لائے، عربی میں بھی تقریر فرمائی اور اردو میں بھی، اور بہت دعائیں بھی دی، اس ناچیز کو دارالعلوم تاج المساجد بھوپال کا ممبر مجلس استشاری بھی بنایا، افسوس کہ ان کی حیات میں وہاں کے سفر کا موقع نہیں مل سکا، اگر اللہ کو منظور ہوا تو اس کی تلافی کی جائے گی۔

مولانا محمد سعید مجددیؒ میں انتظامی صلاحیت بھی تھی، شوریٰ میں بہت اچھے مشورے پیش کرتے تھے، دارالعلوم تاج المساجد کی ترقی اور وہاں کی شیرازہ بندی میں بھی ان کا بہت بڑا رول رہا ہے، افسوس کہ ان کی ذات سے فیض کا جو سلسلہ وہاں جاری تھا، وہ بند ہو گیا، اللہ کرے ان کے صاحبزادگان و متوسلین میں کچھ لوگ ان ذمہ داریوں کو اٹھائیں جو حضرت مولانا چھوڑ گئے ہیں۔

یہ ناچیز ان کے ورثاء اور متعلقین کی خدمت میں سلام مسنون کے بعد تعزیت پیش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

علم حدیث کا مہر تاباں غروب ہو گیا

جونصف صدی سے ایک عالم کو منور کرتا رہا

(حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوری کا سانحہ ارتحال)

(۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۷ء - ۱۴۳۸ھ / ۲۰۱۷ء)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (متوفی ۱۱۷۱ھ) اور ان کے شاگردوں نے خاص طور سے علم حدیث میں ہندوستان کا پایہ اتنا بلند کر دیا کہ کوئی دوسرا اسلامی ملک اس کی ہم سری نہیں کر سکتا، اسی سلسلہ ولی اللہی کے چشم و چراغ حضرت مولانا محمد اسحاقؒ (متوفی ۱۲۶۲ھ) مسند الہند کی ذات گرامی ہے، ان کے شاگردوں میں علم حدیث کے بڑے بڑے علماء و صاحب فن پیدا ہوئے، جن میں عالم ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (متوفی ۱۳۲۳ھ) اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (متوفی ۱۲۹۷ھ) کی ذات گرامی ہے، ان کے شاگردوں میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ (متوفی ۱۳۳۹ھ) اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ (متوفی ۱۳۴۶ھ) جو مدرسہ مظاہر علوم کے سرپرست اور شیخ الحدیث بھی رہے ہیں، ان کے شاگردوں میں کئی

باکمال شخصیتیں نظر آتی ہیں، جن میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب (متوفی ۱۳۶۳ھ) بانی تبلیغ ہیں، جن کی دعوت و تبلیغ کا فیض پورے عالم میں پہنچا، جس سے پوری دنیا فیض یاب ہو رہی ہے، اسی طرح علمی میدان میں حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی (متوفی ۱۳۹۴ھ) کتاب ”اعلاء السنن“، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی (متوفی ۱۳۸۵ھ)، حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی (متوفی ۱۳۹۴ھ) اور حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی (متوفی ۱۳۳۴ھ) جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے تلمیذ خاص اور معتمد ہونے کے ساتھ حضرت سہارنپوری کے علمی و روحانی دونوں سلسلوں میں ان کا بہت عظیم الشان مقام ہے۔

ان کے صاحبزادے ہمارے استاذ و شیخ حضرت مولانا محمد زکریا شیخ صاحب الحدیث نور اللہ مرقدہ (متوفی ۱۴۰۲ھ) ہیں، جن پر حضرت مولانا گنگوہی کی نورانی و ربانی نظر تھی، اور ان کے والد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب علم و عمل میں ہندوستان کی تاریخ میں ایک درخشاں تارہ تھے، انھوں نے اپنے صاحبزادہ کی تعلیم و تربیت میں بھی ایک نرالا انداز اختیار فرمایا، جس کی وجہ سے عشق و محبت اور حب رسول ﷺ کا جذبہ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے خمیر میں داخل ہو گیا تھا، پھر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے تلمذ و تربیت نے ان کو آفتاب و ماہ تاب بنادیا، یہاں تک کہ حضرت سہارنپوری نے ”بذل المجہود“ کے مقدمہ میں تحریر فرمایا کہ: (قرۃ عینی و قلبی)، اور مناسب ہے کہ اس کتاب کا انتساب مولوی محمد زکریا کاندھلوی کی طرف کیا جائے،

کیوں کہ مراجع و مصادر کی تلاش حضرت شیخ الحدیث کرتے تھے، اور ان پر نظر ثانی کے بعد شیخ املا کراتے تھے، لیکن سعادت مند شاگرد نے کسی طرح اس کو گوارا نہیں کیا۔

حضرت شیخ کی تدریس کے زمانہ میں دیوبند و سہارنپور میں بڑے بڑے علماء و افاضل موجود تھے، لیکن حضرت شیخ کا درس حدیث اپنی جامعیت اور وسعت نظر، دقت معلومات میں نرالا درس تھا، جس کی تفصیل اس ناچیز نے تقریر بخاری کے مقدمہ میں کر دی ہے، ساتھ ہی ساتھ مجلس درس میں ہر شریک ہونے والا محسوس کرتا کہ گویا وہ باغ رسول ﷺ میں بیٹھا ہوا ہے۔

ع انھیں کے میکدہ سے ہے بڑا فیضان اے ساقی

حضرت شیخ الحدیث کے درس کی تشبیہ:

ع بلبل چمک رہی ہے باغ رسول میں

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے سامنے اس ناچیز نے ”الجامع الصحیح للبخاری“ شروع سے لے کر اخیر تک پڑھی ہے، اور شیخ کو میرے درس کا بہت اہتمام تھا، وہ زمانہ حضرت شیخ کی صحت و نشاط کا تھا، یہ واقعہ ۱۹۵۷ء کا ہے، میرے اس قیام کے زمانہ میں محترم مولانا محمد یونس صاحب مرحوم اور مولانا محمد عاقل صاحب مشکاة پڑھتے تھے، اسی زمانہ میں مولانا محمد یونس صاحب کا مجھ سے تعارف ہوا کہ ہمارے قریبی علاقے گرینی کے رہنے والے ہیں، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جو پوری (متوفی ۱۴۲۰ھ) کے خاص شاگرد ہیں، اور وہ ایک سال پہلے مظاہر میں داخل ہوئے ہیں، اور حضرت شیخ کی خاص نظر ان پر ہے، میرا قیام مدرسہ قدیم کے حجرہ میں تھا، کھانا ناشتہ سب حضرت شیخ کے

دستر خوان پر ہوتا، وہی زمانہ ہے جب مولانا یونس صاحب کوشدت علالت کی وجہ سے وہاں کا قیام اور تعلیمی سلسلہ جاری رکھنا مشکل ہو رہا تھا، لیکن اللہ کا فضل اور ان کی ہمت اور علمی ذوق کی بنا پر وہ کسی قیمت پر مظاہر سے اپنے وطن جانے کے لیے تیار نہیں ہوئے، اسی زمانے سے ان کا حضرت مولانا مظفر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ (متوفی ۱۳۲۴ھ) ناظم (۱) مدرسہ مظاہر علوم سے گہرا تعلق قائم تھا، اور حضرت مفتی صاحب ان کی پوری

(۱) مدرسہ مظاہر علوم کی عمارت دارالطلبہ جدید کی مسجد میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اپنے سفر مدینہ سے قبل ایک خطاب کے درمیان فرمایا کہ: میں نے تین دعائیں کی تھیں، ان میں دو دعائیں قبول ہو گئیں، پہلی دعا تھی کہ مدرسہ کو اس کے شایان شان ناظم مل جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی، اور حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب کو متفقہ طور پر اس کا ناظم مقرر کیا گیا، (یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس ناچیز کو حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمہ اللہ اور ممبران شوری کے مشورہ سے حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب نے ہی شوری کا ممبر نامزد فرمایا تھا) حضرت شیخ نے فرمایا: کہ دوسری دعا میں نے کی تھی کہ میرے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کی ”بذل المجہود“ شائع ہو جائے، (اس پر اتنا اضافہ کر رہا ہوں کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس ناچیز کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا کہ ”تمہارے خط سے میرے دل میں ایک شعلہ موجزن ہو گیا جو ۲۵ سال سے دل کے اندر تھا، وہ یہ کہ میرے حضرت کی ”بذل المجہود“ پورے عالم میں عام ہو جائے“۔ الحمد للہ حضرت شیخ کی حیات میں اس ناچیز کی نگرانی میں مصر سے شائع ہوئی، اور دوبارہ تحقیق و تعلیق کے ساتھ ۱۴ جلدوں میں سموالشیخ سلطان بن زاید آل نہیان نائب وزیر اعظم متحدہ عرب امارات ابوظہبی کے تعاون سے پورے عالم میں کئی ہزار نسخے شائع ہو کر تقسیم کئے گئے، اور بیروت و ہندوستان سے تو بار بار یہ کتاب شائع ہو رہی ہے، اور ہر طبقے میں مقبول ہے)۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ: تیسری دعا میں نے یہ کی تھی کہ میرا انتقال مدینہ پاک میں ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے حضرت کی دعا قبول فرمائی (ماخوذ از مقالہ مولانا محمد سعیدی صاحب، نقوش نمبر)۔

سرپرستی فرما رہے تھے، یہ خود میرا چشم دید مشاہدہ ہے۔

ان کے دورہ حدیث کے زمانہ میں یہ ناچیز دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مدرس ہو گیا تھا، لیکن میری آمد و رفت سہارنپور میں کثرت سے رہتی، اور مولانا سے ملاقاتیں بھی رہتیں، ان کے ایک دوست مولانا اطہر صاحب مرحوم تھے جو ان کے استاذ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ کے چھوٹے بھائی اور مولانا سعیدی سلمہ کے والد جو ہمارے ہم درس بھی تھے، عربی ادب سے اچھی مناسبت تھی، ان سے مولانا کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔

مولانا محترم کے دورہ حدیث میں آنے کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ سے ان کے سوالات و جوابات کا سلسلہ تھا، جس سے شیخ بہت مسرور ہوتے تھے، اور اس طرح حضرت شیخ کی سرپرستی میں علمی مراحل طے کرتے رہے، دنیا سے بالکل یکسو، گویا اپنے کو بالکل آستانہ نبوت پر ڈال رکھا تھا، شادی وغیرہ کا ذکر آیا تو اپنے علمی اشتغال و امراض وغیرہ کی وجہ سے ہمت نہیں کرتے تھے۔

میرا تیسرا قیام سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں ”بذل المجہود“ کی حواشی کی ترتیب و تحقیق کے سلسلہ میں تھا، کبھی کبھی اس مجلس میں مولانا بھی شریک ہوتے تھے، اور بعض مسائل پر آپس میں مشورہ بھی ہوتا جس سے ان کی وسعت معلومات کا مزید اندازہ ہوتا تھا، اسی زمانہ میں انھوں نے وہ مقدمہ جو میں نے تقریر بخاری پر تحریر کیا تھا پڑھا اور بہت خوش ہوئے اور ایک نمبر کا اس میں اضافہ کیا، اور

یہ مقدمہ جب حضرت شیخ الحدیثؒ کی مجلس میں پڑھا گیا تو بہت خوش ہوئے، اور حضرت شیخؒ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی جب میں نے یہ شعر پڑھا ۔

بادِ صبا آج بہت مشک بار ہے شاید ہوا کے رخ پر کھلی زلفِ یار ہے
کبھی مولانا سے حضرت شیخ سوالات بھی کرتے تھے، جن کے جوابات وہ لکھ کر لاتے تھے، اور ان کو پڑھ کر سناتے تھے، اس پر حضرت شیخ خوشی کا اظہار فرماتے تھے، اخیر میں جو سوالات حدیثی آتے تو حضرت شیخ سب انھیں کی طرف محول فرما دیتے تھے، حضرت شیخ الحدیثؒ کی کبرسنی و علالت اور مدینہ منورہ کے سفر اخیر کے موقع پر یہ مسئلہ درپیش تھا کہ بخاری شریف کی تدریس کی ذمہ داری کس پر ڈالی جائے، حضرت شیخ نے بے تکلف مظاہر کے ذمہ داروں اور مفتی محمود الحسن صاحبؒ اور مفتی مظفر حسین صاحبؒ کے سامنے فرمایا کہ مولوی یونس کے ذمہ کر دیا جائے وہ ماشاء اللہ اچھا پڑھا لیں گے، ان دونوں حضرات نے اس کی پُر زور تائید فرمائی۔

الحمد للہ ان کی صغرسنی کے باوجود ان کا درس بخاری ایک امتیازی شان رکھتا تھا، وہ شروح بخاری، رجال، جرح و تعدیل، بخاری کے اسرار و حکم ان ساری چیزوں کو مختلف مراجع و مصادر کو پیش نظر رکھ کر اس کا خلاصہ بیان کرتے تھے، مراجع و مصادر کا حوالہ دیتے چلے جاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو قوت حافظہ، ذکاوت و فطانت کی دولت سے نوازا تھا، ان دونوں کا جمع ہونا بھی بہت کم ہوتا ہے، چنانچہ ان کی بخاری شریف کی تقاریر کا ریکارڈ بہت سے شاگردوں نے جمع کیا جن میں بعض لوگ شائع کرنے کا ارادہ کر رہے

ہیں اور کچھ شائع بھی ہو گئی ہے۔

حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کے خلیفہ خاص تھے، افسوس کہ مظاہر جب دو حصوں میں تقسیم ہوا، اور محترم مولانا محمد یونس صاحب کا کتب خانہ اور ان کی کتابیں ان کے حجرہ میں ہی رہ گئی تھیں، ان کتابوں کے دار جدید میں منتقلی کا مسئلہ تھا، جس کا حضرت مولانا یونس صاحب پر بہت اثر تھا، یہ ناچیز سفر کر کے سہارنپور حاضر ہوا، اور حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کی، اس ناچیز نے شروع سے ہی یہ کوشش کی تھی کہ حضرت مفتی صاحب سے میرے تعلقات ویسے ہی برقرار رہیں جیسے سابق میں تھے، چنانچہ میں نے کتابوں کی واپسی کے سلسلہ میں گفتگو کی، اور ان دونوں کے تعلقات کا ذکر کیا تو کھلکھلا کر ہنسے، میں نے ان سے یہ بھی عرض کیا کہ اس مظاہر کے دوسرے مظاہر سے اگر کچھ مطالبات ہیں حضرت فرمائیں تو میں ادا کر دیتا ہوں، فرمایا: ہر گز نہیں، میں کتابیں واپس کراؤں گا، چنانچہ ان کی کتابیں انھوں نے واپس کرادیا، جو حضرت مفتی صاحب کے اخلاص و محبت کی دلیل ہے، اس واقعے سے خوش ہو کر مولانا محترم نے اس ناچیز کو بہت دعائیں دیں، زندگی کے اخیر میں ان کا تعلق مظاہر وقف سے بھی ویسے ہی قائم ہو گیا تھا جیسا پہلے تھا۔

جامعہ اسلامیہ مظفر پور میں ان کو دو مرتبہ اس ناچیز نے دعوت دی، دوسری مرتبہ تین روز قیام کیا، زیادہ وقت ان کا ہمارے کتب خانہ میں گذرتا تھا، جس میں ہم نے مختلف ملکوں سے مطبوعات اور بعض مخطوطات کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے، جن کی تعداد اس

وقت ۸۵/ ہزار ہے، بخاری شریف کے بعض نسخے جن میں یونینی و صغانی اور بصری کے نسخے شاید ہی دنیا کے کسی کتب خانہ میں یکجا مل جائیں، اس موقع پر مولانا نے بہت حوصلہ افزائی کے کلمات مدرسہ کے بارے میں فرماتے رہے، اور دعائیں دیتے رہے، اور یہاں تک فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ میرا دفن یہ جامعہ بنے۔

میری ہر کتاب کو غور سے پڑھتے، اور بہت دعائیں دیتے، ہمارے بخاری شریف کے نسخے کو انہوں نے جزو دان میں رکھوایا تھا، ان کا خادم اس کو لے کر دار الحدیث جاتا، اور اسی میں پڑھاتے تھے، ”لمعات التنقیح شرح مشکاة المصابیح“ (دس جلدیں) ان کی شدت علالت کے زمانہ میں ان تک پہنچی، کسی نے فوٹو بھیجا کہ وہ اس کا مطالعہ کر رہے ہیں، افسوس کہ ”الجامع الكبير للترمذي مع الكوكب الدرّي والشمائل“ (۹ جلدیں) جن کے وہ بہت مشتاق تھے، ہندوستان سہارنپور پہنچ کر بھی یہ کتاب ان تک نہیں پہنچ سکی، انھوں نے ری یونین سے واپسی پر دبی ایرپورٹ پہنچ کر اپنے خادم خاص مولانا محمد یونس گجراتی سلمہ اللہ تعالیٰ کے ذریعہ فون کرایا اور اس کتاب کی طباعت کی تکمیل پر اپنی خوشی کا اظہار فرمایا۔

میرا سفر ابوظہبی سے ۱۱ جولائی کو ممبئی کا ہوا، نوبے صبح اچانک فون سے اطلاع آئی کہ جناب مولانا محمد اسماعیل بدات صاحب جو مدینہ شریف میں رہتے تھے اور آپ کے خاص دوست تھے، ان کا رات میں انتقال ہو گیا، ان کا تاثر دل و دماغ پر باقی ہی تھا کہ کچھ دیر بعد یہ خبر آئی کہ حضرت مولانا محمد یونس صاحب اچانک اپنے شاگردوں اور

دوستوں کو چھوڑ کر اس دار فانی سے دار آخرت کی طرف رخصت ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ خبر دل و دماغ پر بجلی بن کر گری، ہندوستان کے سفر میں میرا سہارنپور حاضری کا اور حضرت مولانا یونس صاحب اور حضرت مولانا طلحہ صاحب سے خاص طور سے ملاقات کا عزم تھا، لیکن ”تجری الرياح بما لا تشتهي السفن“۔

مولانا مرحوم کے انتقال سے ہندوستان کی علمی بہار جاتی رہی، یہ فقرہ کبھی اس سے پہلے میں نے حضرت مولانا حبیب الرحمنؒ کی شان میں تحریر کیا تھا۔

مولانا کے علمی کمالات اور ان کی ذات پر حضرت شیخ الحدیثؒ و دیگر علماء کا اعتماد، ان کا تدریسی و روحانی فیض، ان کے اہم تلامذہ، حرمین شریفین کے اسفار، علمائے عرب کا ان سے استفادہ و اجازت حدیث اور دیگر ملکوں کے اسفار، اس کی تفصیلات مکمل مضمون کی محتاج ہے، ابھی سفر حج کی تیاری کر رہا ہوں ان شاء اللہ واپسی پر مفصل مضمون تحریر کرنے کا ارادہ ہے، واللہ الموفق۔

آہ! مولانا اسماعیل بدات صاحبؒ بھی چل بسے

(..... - ۱۴۳۸ھ / ۲۰۱۷ء)

۱۱ جولائی ۲۰۱۷ء کی شب میں یہ ناچیز عزیز ڈاکٹر ولی الدین ندوی سلمہ کے ہمراہ ابوظہبی سے روانہ ہو کر بمبئی پہونچا، دوسرے دن ڈاکٹروں سے معائنہ کرانا تھا، صبح نو بجے اچانک مدینہ منورہ سے یہ خبر پہونچی کہ آپ کے دوست، آپ سے خصوصی محبت رکھنے والے حضرت مولانا اسماعیل بدات صاحبؒ اس دار فانی سے دار بقا کے لیے روانہ ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا محترم ہمارے استاذ و شیخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے اخص خدام میں سے تھے، اس ناچیز کی ۱۹۶۷ء میں جب سہارنپور حاضری ہوئی، تو وہاں مولانا عبدالرحیم صاحب متالا، مولانا غلام محمد صاحب ترکیسری اور مولانا اسماعیل بدات صاحب وغیرہم سے تعارف ہوا، دیکھا کہ ان حضرات پر شیخؒ کی خصوصی نظر عنایت ہے، میرے فلاح دارین ترکیسر آمد میں ان حضرات کا بہت بڑا کردار رہا ہے، جب میں دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر منتقل ہو کر آیا تو ان حضرات اور ان کے ساتھیوں سے تعلقات میں مزید اضافہ ہوتا رہا۔

مولانا موصوف کا اصلی وطن ”نانی نرولی“ سورت ہے، اور یہی جگہ ہمارے دوست مولانا عبدالرحیم متالا اور جناب مولانا یوسف متالا کی پرورش گاہ ہے، ان کی خالہ کا یہی وطن تھا اور یہیں پر یہ لوگ اپنا زیادہ وقت گزارتے تھے، اسی لیے ہمارے مولانا عبدالمنان مرحوم نے نانی نرولی پر پورا قصیدہ کہا ہے، جو اس وقت ذہن میں نہیں ہے، اب تو وہاں بھی ایک بڑا مدرسہ دورہ حدیث تک وجود میں آ گیا ہے، یہی جگہ مولانا مرحوم کی جائے پیدائش ہے۔

انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں ہی حاصل کی اور حفظ قرآن کی دولت سے سرفراز ہوئے، اس کے بعد جامعہ حسینیہ سورت میں آ کر اپنی تعلیم مکمل کی، ان کے استاذوں میں مولانا شمس الدین افغانی اور شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صاحب رحمہ اللہ تھے، ان سب سے ناچیز کے بھی تعلقات تھے، مولانا اسماعیل صاحب نے فراغت کے بعد حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری دی، اور ان کی خدمت اور ان سے استفادہ کو اپنی زندگی کا مقصود و مطلوب بنالیا، گرچہ وہ سورت کے قریبی گاؤں کو ساڑی میں ابتدائی مدرس ہو گئے تھے، ان کے گاؤں میں بھی کئی مرتبہ جناب مولانا عبدالرحیم متالا صاحب کے ہمراہ حاضری ہوئی، مولانا کے یہاں اچھی دینی مجلس رہی، ان کی مسجد میں میرا بیان بھی ہوا۔

حضرت شیخ الحدیث کے آخری سفر مدینہ کے وقت وہ حضرت کو بمبئی تک پہنچانے بھی آئے، ان کی خواہش تھی کہ حضرت شیخ کی خدمت میں رہنے کی سعادت

نصیب ہو، اچانک ایک مرتبہ ترکیسر ملاقات کے لیے تشریف لائے، وہاں مولانا عبد الرحیم متالا بھی موجود تھے، اس ناچیز نے ان سے پوچھ لیا کہ کب آپ کا سفر مدینہ ہے؟ یہ سن کر ایسی چیخ نکلی کہ ہنگامہ ہو گیا، اس کے بعد ان کے بعض اعزہ نے ان کو لندن پڑھانے کے لیے دعوت دی، وہاں سفر کر کے تشریف لے گئے، لیکن لندن ایرپورٹ سے کسی وجہ سے واپس کر دیا گیا۔

ان کے لیے مدینہ کی سرزمین اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت کی سعادت مقدر تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے غیب سے انتظام فرمایا اور ان کو وہاں پہنچا دیا، وہاں پہنچ کر انھوں نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی ہر طرح کی خدمت انجام دی، حضرت شیخ الحدیثؒ کے مرض علالت میں جن چند بندوں نے غیر معمولی خدمت کی سعادت حاصل کی ان میں مولانا محترم کا نام سرفہرست ہے۔

حضرتؒ کے خطوط جو املا کرائے جاتے اس کے کاتب بھی رہے، میرے پاس بھی حضرت کے دو ڈھائی سو خطوط رکھے ہوئے ہیں، ان میں ایک خط پر نظر پڑی جو حضرت شیخ کی علالت کے زمانہ کا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ مولانا محترم نے ہی حضرت کو یاد دلایا کہ مولانا تقی الدین صاحب بہت پریشان ہیں، حضرت نے فوراً تفصیلی جواب لکھوایا، یہ خط میری خودنوشت سوانح ”داستان میری“ میں شائع ہو چکا ہے۔

حضرت شیخ کی وفات کے بعد مولانا مدینہ شریف کے ہی ہو گئے، ذکر و شغل کا پوری طرح التزام رہا، روزانہ ایک ختم قرآن کا معمول تھا، توکل و استغناء، صبر، تلاوت

قرآن پاک کا اہتمام، مہمان نوازی، احباب کے حقوق کی ادائیگی، ان ساری چیزوں میں وہ غیر معمولی انسان تھے، خاص طور سے حضرت شیخؒ کے متعلقین و متوسلین اور حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب اور ان کے اعزہ کا بے حد اہتمام فرماتے، بہت سے اہل خیران کے پاس کچھ رقم خیر خیرات کے لیے بھیجتے اس کو وہ مدینے کے فقراء میں تقسیم بھی فرماتے۔

اس ناچیز اور اس کی آل و اولاد سے بہت محبت فرماتے تھے، عرصہ سے معمول تھا کہ مدینہ منورہ حاضری کے موقع پر کھانا ہمارے ہوٹل میں روزانہ بھجواتے، اور مسجد نبوی شریفؐ میں ان کا اصرار تھا کہ میں اپنی نشست گاہ ان سے قریب رکھوں، اسی طرح علماء و مدارس سے بھی ان کا گہرا تعلق تھا، ہم نے دیکھا کہ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اور حضرت مولانا سید ارشد مدنی حفظہ اللہ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے، یہ لوگ بھی حضرت شیخؒ کی وجہ سے ان کا بہت خیال فرماتے، مدرسہ مظاہر علوم کی مالی اعانت کے لیے بھی مولانا کو شاں رہتے۔

جب اس ناچیز نے ”اوجز المسالک“ کی خدمت شروع کی، کام بہت لمبا اور مشکل طلب تھا، شروع میں میرا کوئی معاون و خادم بھی نہیں تھا، مولانا کو جب معلوم ہوا تو بہت تشجیع اور حوصلہ افزائی کی، اور ہاتھ پکڑ کر مسجد نبویؐ میں زار و قطار رونا شروع کیا، اور بہت دعائیں دیں، اور کتاب کی طباعت کے بعد مدینہ شریف سے سفر کر کے مدینہ العین میرے مکان پر تشریف لائے، میرے ہاتھوں اور انگلیوں کو بوسہ دیا، اور بے حد خوشی کا اظہار فرمایا۔

۲۴، ۲۵ مارچ ۲۰۰۲ء کو جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ کے احاطہ میں دوروزہ بین الاقوامی مذاکرہ علمی حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ پر منعقد کیا گیا، جس کے بارے میں شرکت کرنے والے ملک و بیرون ملک کے فضلاء و علماء کا متفقہ تاثر یہ تھا کہ یہ مذاکرہ علمی اپنی نوعیت میں بالکل منفرد اور کئی حیثیتوں سے ممتاز رہا، اس سیمینار میں شرکت کے لیے مولانا کو بھی دعوت دی گئی، چنانچہ وہ اپنے دوست جناب مولانا مفتی محمد اسماعیل کچھو لوی جو حضرت مولانا مفتی محمود الحسنؒ کے خاص شاگرد اور حضرت شیخ کے بڑے خلفاء میں ہیں کے ہمراہ اعظم گڑھ جامعہ اسلامیہ تشریف لائے، اس سیمینار میں ایک مختصر مقالہ بھی پیش کیا۔

یہ عرض کرتا چلوں کہ مولانا محترم کو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے اجازت و خلافت بھی حاصل تھی، جب خلفاء کے حالات پر کتاب تالیف کی جا رہی تھی، اور ان سے مطالبہ کیا گیا کہ اپنے حالات تحریر فرمادیں تو انہوں نے اپنی تواضع کی بنا پر اس سے معذرت کر دی تھی، اس لیے مجھے اس وقت ان کے حالات کی تلاش میں بڑی دشواری ہے، یہاں مولانا کے مقالہ سے جو انہوں نے سیمینار میں پڑھا تھا چند سطریں نقل کر رہا ہوں، انہوں نے اس ناچیز کو خطاب کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا: ”حضرت موصوف سے معذرت کے ساتھ کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، موصوف نے وہ کارنامہ انجام دیا ہے کہ حضرت شیخ قدس سرہ کی روح مبارک بھی خوشی و مسرت سے جھوم رہی ہوگی، میری مراد ہے ”اوجز المسالک“ کی جدید طباعت، جو موصوف کی پانچ سالہ محنت اور لگن سے ۱۸

جلدوں میں شائع ہوئی ہے، ماشاء اللہ کیا طباعت، کیا حرف، کیا تجلید، ہر چیز دیدہ زیب، احقر نے تو کتاب دیکھ کر حضرت موصوف کو فون کر کے مبارک باد پیش کی تھی، اور عرض کیا تھا کہ چاہتا تھا کہ ان کے ہاتھوں اور انامل کو بوسہ دوں جس نے یہ کارہائے نمایاں انجام دیا ہے، چنانچہ زندگی میں پہلی بار خاص اسی مقصد کے لیے امارات کا سفر کیا، اور موصوف کے در دولت پر حاضر ہو کر اپنی مذکورہ خواہش کو پورا کیا، اوجز المسالک کی دیدہ زیب طباعت پر موصوف ہم سب کی طرف سے شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں، اور میں حضرت موصوف سے کہا کرتا ہوں کہ یہ ان قربانیوں کا ثمرہ ہے جو قاہرہ میں اول طباعت پر دی تھی، اور واقعی موصوف نے بڑی قربانی دی تھی، جس کا اقرار ان کے اس وقت کے رفقاء کو بھی ہے، اللہ جل شانہ نے قاہرہ کے مجاہدہ اور قربانی کے طفیل اوجز کی طباعت کا کام لیا، اللہ جل شانہ موصوف کے اس کارنامے کو شرف قبولیت سے نوازے، آمین۔

جیسا کہ ماقبل میں ذکر آیا کہ حضرت شیخؒ کی وفات کے بعد بھی ان کا قیام مدینہ منورہ میں ہی رہا، اور اس سرزمین سے ایسی گہری عقیدت و محبت ہو گئی تھی کہ اپنے قرابت داروں اور رشتہ داروں کی طلب و دعوت پر ساؤتھ افریقہ وغیرہ کا سفر کرنا پڑتا تو اس میں بھی وہ جلد از جلد مدینہ پاک واپسی کا مطالبہ کرتے، کیونکہ ے

خاکِ طیبہ از دو عالم خوشتر است اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است
انہوں نے مدینہ پاک کو اپنا اور اپنی اولاد کا مسکن بنایا تھا، ان کی تمنا تھی جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ے

تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھے
 قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

ادھر چند مہینوں سے مولانا کافی بیمار چل رہے تھے، ان کے داماد جناب مولانا مفتی محمد یونس صاحب گجراتی ان کے علاج کے لیے ہر طرح کے وسائل فراہم کرتے رہے، لیکن اللہ کی طرف سے وقت موعود آچکا تھا، ان کی دیرینہ تمنا پوری ہوئی، مدینہ منورہ میں ان کی وفات ہوئی، جنت البقیع ان کا دفن بنا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب اور اپنے شیخ و مرشد نور اللہ مرقدہ کے جوار میں دفن ہونے کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔

اس ناچیز نے ان کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی، لیکن ابھی تک اس سے زیادہ کوئی چیز دستیاب نہیں ہو سکی، اگر مولانا محمد یونس گجراتی صاحب نے کچھ بھیج دیا تو اس پر اضافہ کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب کرے، اور ان کی اہلیہ و اہل و عیال اور داماد و اعزہ و اقارب کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے، آمین۔

آہ! جناب مفتی عبداللہ پھولپوریؒ

بھی اس عالم فانی سے چل بسے

(۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۱ء - ۱۴۳۹ھ / ۲۰۱۷ء)

۳۰ نومبر ۲۰۱۷ء گیارہ بجے مکہ مکرمہ سے ٹیلی فون کے ذریعہ مولوی ابوسعید قاسمی نے یہ اطلاع دی کہ آج سویرے ساڑھے سات بجے جناب مفتی عبداللہ پھولپوریؒ کا سانحہ وفات نور ہسپتال مکہ مکرمہ میں ہو گیا، اچانک اس خبر کو سن کر دل و دماغ پر بہت اثر پڑا، گرچہ اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو اس پاک سرزمین پر جہاں پر انتقال و دفن کی تمنا علماء و مشاہیر کرتے رہے ہیں، علامہ رضی الدین صغانی متوفی ۶۵۰ھ جن کا علماء امت میں بڑا مقام ہے جن کا نسخہ صحیح بخاری یونینی کے نسخے سے بھی افضل سمجھا گیا ہے، بلکہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بخاری کے سارے نسخے میں سب سے افضل ان کے نسخے کو قرار دیا ہے، انہوں نے اپنے متعلقین کو کچھ مال امانت عطا فرمایا تھا کہ اگر میرا انتقال ہو جائے تو میری نعش کو مکہ منتقل کرنا اور جنت المعلیٰ میں حضرت فضیل بن عیاضؒ کے پاس دفن کرنا، چنانچہ ان کی تمنا پوری کی گئی، اسی مقبرے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مزار بھی ہے، اور بہت

سے علماء و فضلاء اس مقبرے میں مدفون ہیں، اسی میں سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ کا بھی مزار ہے۔

جناب مفتی عبداللہ پھولپوری مرحوم کو یہ سعادت ملی کہ ان بزرگوں کے جوار میں انھیں دفن ہونے کا اللہ کی طرف سے غیبی انتظام کر دیا گیا۔
ایں سعادت بزور بازو نیست

اور ان شاء اللہ ان کے مدرسہ اور کاموں کی امداد کا بھی غیبی انتظام من جانب اللہ ہو جائے گا، چنانچہ وہ اپنے اس سفر سے پہلے اپنے مدرسہ کا انتظام کر چکے تھے، اپنے صاحبزادے مولانا احمد اللہ صاحب کو ناظم مقرر کر دیا تھا۔

محترم مفتی صاحب درحقیقت اپنے دادا حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری نور اللہ مرقدہ متوفی ۱۹۶۳ء کی زندہ یادگار تھے، اس ناچیز کو ان کے دادا مرحوم کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی ہے، ان پر ایک خاص جذب کا غلبہ رہتا تھا اللہ کی محبت میں، جیسا کہ ان کے شیخ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ نے لقب دیا تھا، وہ حضرت حکیم الامت کے پہلے خلیفہ تھے، حضرت سے ۱۳ سال چھوٹے تھے، لیکن اللہ کی محبت اور اپنے شیخ کی محبت میں ہمیشہ سرشار رہتے، وہ حضرت مولانا ماجد علی مانی کلاں جو ہمارے استاد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے والد مولانا یحییٰ کے ہم درس تھے، دونوں نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے دورہ حدیث دو سال تک پڑھا تھا، منطق و معقولات میں بھی حضرت مولانا شاہ پھولپوری کے زمانے کے بڑے اساتذہ

سے استفادہ کیا تھا، اپنے شیخ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ارشاد کے مطابق پھولپور اعظم گڑھ میں مدرسہ روضۃ العلوم قائم کیا، اور وہیں پر اپنی خانقاہ بھی بنائی، اور قصبہ سرائیمیر اعظم گڑھ میں ”بیت العلوم“ کے نام سے دوسرا مدرسہ قائم کیا، جس کا حضرت اقدس تھانویؒ کو بڑا اہتمام رہا، وہ مدرسہ ترقی کرتا رہا، اور ان کے بعد انہوں نے محی السنہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہ کو سرپرست اور ناظم بنایا، ان کے دور میں اور زیادہ ترقی کی منزلیں طے کرتا رہا، بہت سے حفاظ و قراء طلباء نے یہاں سے تعلیم حاصل کی، جن کی تکمیل جا کر مظاہر علوم اور دارالعلوم دیوبند میں کی، ان کے بعد جناب مفتی محمد عبداللہ سرپرست و ناظم ہوئے، انہوں نے اپنے دور میں مدرسہ کو اور آگے بڑھایا، نئی نئی تعمیرات ان کے دور میں وجود میں آئیں، دارالتحقیق و دارالحدیث کی تعمیر ہوئی، طلبہ کی تعداد میں اضافہ ہوا، اور دورہ حدیث شریف کا سلسلہ بھی قائم کیا، بخاری شریف خود پڑھاتے تھے، جناب مفتی صاحب نے اپنے دورہ حدیث کی تکمیل مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں کی تھی، ان کے اساتذہ میں جناب حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب مرحوم، شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب مرحوم اور مولانا سلمان صاحب ناظم مدرسہ سہارنپور رہے ہیں۔

دورہ کے بعد وہاں کچھ مدت قیام کر کے افامیں تخلص حاصل کیا، پھر آ کر اپنے مدرسہ بیت العلوم میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا، چونکہ اپنے ایام طالب علمی میں یہ ممتاز ترین طالب علم تھے، اس لئے تدریس میں بھی ان کی حیثیت نمایاں ہوتی رہی، اللہ تعالیٰ

نے اپنے فضل سے ان کو قوت بیان بھی عطا فرمائی تھی، ان سب کے علاوہ حضرت محی السنہ مولانا ابرار الحقؒ کی ان پر خصوصی شفقت و محبت کی نظر تھی، اور ان کی طرف سے انہیں اجازت و خلافت بھی حاصل تھی، اور ان کا حضرت کے خلفاء میں خصوصی مقام تھا، انہوں نے اپنی زندگی کو حضرت ہردوئی کی روحانی زندگی کی روحانیت، اتباع سنت میں اپنے شیخ کی زندگی میں فنا کر دیا تھا۔

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

اس لئے تھوڑے ہی عرصہ میں ان کا روحانی سلسلہ بھی کافی وسیع ہو گیا تھا، ان کی خانقاہ آباد ہو گئی تھی، کافی لوگوں کو فائدہ پہنچ رہا تھا، ان کے دادا مرحوم اور حضرت ہردوئی سے تعلق کی بنا پر دیگر اکابر کی نظر میں وہ محبوب بن گئے تھے، ان پر ہمارے شیخ ثانی حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی کی بھی خصوصی نظر تھی، اسی طرح حضرت مولانا صدیق صاحب باندوی اور حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی بھی ان سے خاص محبت کا معاملہ فرماتے تھے، حضرت ہردوئی کے خلفاء بالخصوص حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مرحوم، حضرت مولانا حکیم کلیم اللہ صاحب ان سبھی حضرات کا ان سے خاص معاملہ تھا۔

اس ناچیز سے بھی مظاہر علوم اور حضرت پرتاپ گڑھی سے تعلق کی بنا پر بے حد محبت فرماتے تھے، اور تقریباً ہر سفر میں اس ناچیز کے پاس ضرور تشریف لاتے، اور بڑی پر لطف مجلس رہتی، ان کی علالت کے زمانے میں یہ ناچیز بار بار فون کے ذریعے سے ان کی خبر معلوم کرتا رہا، ان کے معالج ڈاکٹروں نے پورا اطمینان دلایا تھا، اس لئے

ہندوستان جانے کے بعد سب سے پہلے ان کی زیارت کے لئے پھولپور ان کی خانقاہ میں جا کر مزاج پرسی کی، اس کے بعد ان کا سفر ابو ظہبی کا ہوا، ہمارے مکان پر ملاقات رہی، ان کے ساتھ صاحبزادگان بھی تشریف لائے، ان کے مدرسہ کے بعض سالانہ جلسوں میں بھی ان کی دعوت پر شرکت کی، اور بیان بھی کیا، مدرسہ بیت العلوم کا جلسہ سالانہ حضرت پھولپوری کے زمانے سے بڑے اہتمام سے ہوتا رہا ہے، اس میں بڑے بڑے اکابر تشریف لاتے رہے ہیں، جس کا حضرت مفتی صاحب نے پورا اہتمام کر رکھا تھا، اپنے مدرسہ میں عربی زبان و ادب کا بھی انتظام کیا تھا، خود اس ناچیز نے اپنے یہاں جامعہ اسلامیہ کی تعمیرات کے سلسلہ میں ان سے بعض مفید مشورے لئے، جس سے ہمیں فائدہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو دینی و علمی فہم کے ساتھ ساتھ دنیاوی معاملات میں بھی صاحب بصیرت بنایا تھا، اعظم گڑھ میں قرب و جوار کے اضلاع میں جب اس کی ضرورت تھی کہ متحدہ طور پر علماء اور یہاں کے ذمہ داران مل کر ایسا کام کریں جس سے لوگوں کی صحیح رہنمائی ہو سکے اور جو یہاں علاقہ میں آفت آئی ہوئی ہے اس سے بچایا جا سکے اس میں بھی مفتی صاحب نے بھرپور تعاون کیا، اور عملی حصہ لیا، جس سے لوگوں کو بڑا فائدہ ہوا، اور بہت سے مشکلات سے لوگ بچ گئے۔

یہ ناچیز یہ تحریر کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کہ اس سے پہلے ہمارے چار گھرے دوست اور ہمارے حضرت شیخ الحدیث کے معتمد اور ان کے خلفاء اس دنیا سے رخصت

ہو گئے ہیں، جس میں عالم ربانی مولانا عبدالرحیم، شیخ عبدالحفیظ مکی، مولانا اسماعیل بدات مدینہ منورہ اور حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث سہارنپور اور اخیر میں ہمارے مولانا مفتی عبداللہ صاحب کے سانحہ وفات پر یہ تحریر لکھ رہا ہوں، یہ سب یاد کر کے دل پر چوٹ لگ رہی ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کے فیوض کو جاری و ساری رکھے۔
آج وہ کل ہماری باری ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ جناب مفتی صاحب کا علمی و روحانی فیض جاری رہے، ہمیں امید ہے ان کے صاحبزادگان خاص طور سے مولانا احمد اللہ صاحب ناظم مدرسہ کی اس وقت بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ ان کے مشن کو اور ان کے کاموں کو ان کے روحانی مزاج اور دینی ذوق کے مطابق ان شاء اللہ قائم و دائم رکھیں گے، اللہ کی مدد و نصرت ان کے ساتھ ہے، واللہ الموفق۔

یہ ناپزیر بھی مرحوم کے لئے ایصالِ ثواب کر رہا ہے، اور ان کے کاموں کے لئے جو بھی خدمت کر سکے گا اس میں کمی نہیں ہوگی، گرچہ عمر کا پیمانہ اس وقت آخری منزل کے قریب ہے۔

بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

ہماری دعا ہے: آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزہٗ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حضرت مولانا ڈاکٹر پروفیسر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ

(۱۳۳۲ھ / ۱۹۳۲ء - ۱۴۳۹ھ / ۲۰۱۷ء)

آج ۲۰ دسمبر کو اچانک یہ خبر معلوم ہوئی کہ ہمارے دوست ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمیؒ اس دار فانی سے دار آخرت کی طرف رخصت ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، ابھی اس سے پہلے مولانا مفتی عبداللہ پھولپوری کے سانحہ وفات پر میں لکھ چکا ہوں کہ اچانک یہ دوسرا حادثہ سننے میں آیا ڈاکٹر صاحب اس ناچیز سے چار پانچ سال بڑے تھے انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے دورہ حدیث پڑھا تھا، ان کی پیدائش منو اعظم گڑھ میں ہوئی، منو اس سے پہلے اعظم گڑھ کا جز تھا اب وہ مستقل ضلع بن گیا ہے لیکن اعظم گڑھ کی طرف نسبت کر کے اپنے کو اعظمی لکھتے تھے جیسا کہ محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ اپنے نام کے ساتھ فرماتے تھے گرچہ وہ منو کے رہنے والے تھے، اقبال سہیل کا یہ شعر۔

اس خطہ اعظم گڑھ پر مگر فیضانِ تجلی ہے یکسر

جو ذرہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیر اعظم ہوتا ہے

گرچہ جناب سہیل صاحب کے شعر میں تعیم ہے لیکن اس تعیم میں تخصیص کی جاسکتی ہے، بلاشبہ بعض ایسی شخصیات اس سرزمین پر پیدا ہوئی ہیں جو اپنے فن میں ایک امتیازی شان کی مالک تھیں، ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی مرحوم بھی انہیں شخصیات میں سے ہیں، ان سے میری ملاقات مکہ مکرمہ میں آج سے ۴۴ سال پہلے ہوئی تھی جب وہ جامعہ ام القریٰ میں استاد بن کر آئے تھے، انہوں نے طالب علمی کے زمانہ میں بے حد مشقت برداشت کی، دارالعلوم سے فارغ ہونے کے بعد جامعہ ازہر مصر کے لیے انہوں نے سفر کیا اور ۱۹۵۵ء میں وہاں سے شہادۃ العالمیہ یعنی ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی پھر اپنے وطن منو واپس آ گئے، جلد ہی انہوں نے قطر میں ملازمت اختیار کی، وہاں پبلک لائبریری میں لائبریرین کی حیثیت سے ملازم ہو گئے جہاں مخطوطات کے جمع کرنے کی سعی کی جا رہی تھی، اس طرح عربی مخطوطات پر وسیع اطلاعات ان کو ہوتی رہیں، انہوں نے متعدد مخطوطات پر کام بھی کیا، ۱۹۶۴ء میں وہ قطر سے لندن چلے گئے اور ۱۹۶۶ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی سند لی، قطر کے زمانے سے ہی انگریزی زبان میں مہارت پیدا کرنے کی کوشش کی، دوبارہ وہاں سے واپس آ کر انہوں نے قطر لائبریری میں ۱۹۶۸ء تک کام کیا، اس کے بعد جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ آ گئے، وہاں بطور مدرس کے تدریس کی ذمہ داری سنبھالی ۱۹۷۳ء سے ۱۹۹۱ء تک انہوں نے ملک سعود یونیورسٹی ریاض میں استاذ حدیث کی حیثیت سے خدمات انجام دی، اس دوران انہوں نے بہت سے طلبہ کی پی ایچ ڈی اور ایم اے کے رسالوں پر اشراف بھی کیا اور متعدد کتابیں بھی

لکھیں، انہیں خدمات کی وجہ سے انہیں ۱۹۸۰ء میں ملک فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا، ان کی اہم کتابوں میں دراسات فی الحدیث النبوی و تاریخ تدوین ہے، اس طرح صحیح ابن خزیمہ پہلی مرتبہ ان کی تحقیق سے چار جلدوں میں شائع ہوئی، وہ پہلے شخص ہیں کہ احادیث کی عربی عبارتوں کو کمپیوٹرائز کیا انہوں نے اپنی بہت سے تصنیفات میں مستشرقین کے اعتراضات کے مدلل جوابات دیئے، ۱۹۸۱ء میں ان کو سعودی نیشنلٹی مل گئی تھی، ان کی اکثر کتابیں عربی و انگریزی میں بھی شائع ہوئی ہیں، در اخیر میں صحیح بخاری کا مخطوطہ جناب یعقوب نظامی صاحب کے تعاون سے انہوں نے بیروت سے شائع کیا، بہر حال ان کا سانحہ ارتحال ایک بہت بڑا حادثہ ہے وہ اپنے میدان میں فرد فرید تھے، اس ناچیز کا جب صحیح بخاری کا نسخہ مولانا احمد علی صاحب کا حاشیہ کے ساتھ پندرہ جلدوں میں شائع ہوا تو اس کے بے حد متنی تھے اور بار بار تقاضہ کرتے رہے چنانچہ ان کو جب بھجوایا تو بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا، انہوں نے فون پر فرمایا: کہ نسخہ سلطانہ جو علمائے ازہر کی نگرانی میں قاہرہ سے شائع ہوا ہے اس میں علماء نے علامہ رضی الدین صغانی متوفی ۶۵۰ھ کے نسخہ کو نظر انداز کر دیا ہے حالانکہ وہ یونینی سے متقدم ہے اس نسخہ سے حافظ وعینی و کرمانی سب نے فائدہ اٹھایا ہے بعض اعتبار سے یہ یونینی پر بھی فائق ہے، شاید اس وجہ سے کہ ان کی پیدائش لاہور میں ہوئی تھی اور الحمد للہ آپ کو وہ نسخہ مل گیا اور آپ نے بھی اور مولانا احمد علی صاحب نے بھی اس سے فائدہ اٹھایا، ابھی ایک ہفتہ پہلے میں نے فون کر کے ان کی خیریت معلوم کی ایک علمی سوال بھی کیا، میں نے ان سے عرض کیا کہ میں آج کل سیرت

پر کچھ لکھ رہا ہوں اس میں حلیمہ سعدیہ کی وفات کا کوئی قابل اعتبار مصدر نہیں مل رہا ہے جس کا میں حوالہ دے سکوں، کہا گیا ہے کہ ۸ھ میں وصال ہوا ہے لیکن موثق مصدر نہیں مل رہا ہے انہوں نے کہا کہ ان شاء اللہ میں بعد میں جواب دوں گا لیکن وہ راہی دار بقا ہو گئے، بہر حال یہ ناچیز ان کی مغفرت کے لیے دعا کرتا ہے اس حادثہ پر بہت ہی رنجیدہ ہے اور ان کے صاحبزادگان اور خاندان کے افراد کو سلام مسنون کے بعد تعزیت پیش کرتا ہے، اپنے یہاں جامعہ اسلامیہ میں بھی ایصال ثواب کی تاکید کر دی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے علوم و کتابوں کو تادیر باقی رکھے اور لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچائے، آمین۔

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کی رحلت

(۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء - ۱۴۳۹ھ/۲۰۱۸ء)

اس ناچیز کو یہ اندوہ ناک خبر اچانک موصول ہوئی کہ حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہ جو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے تھے اچانک ان کا ۱۴/اپریل ۲۰۱۸ء بروز دوشنبہ دن میں انتقال ہو گیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ صحیح معنوں میں اپنے والد صاحبؒ کے سچے جانشین، اور الولدُ بِسْرٌ لِأَبِیْہِ کے حقیقی مصداق تھے، بلاشبہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ہندوستان کی اُن مایہ ناز ہستیوں میں سے تھے جو اپنی روایات اور خصوصیات کے ساتھ یگانہ روزگار تھے، ایسی ہمہ گیر شخصیت مدتوں کے بعد دنیا کے سامنے آتی ہے، ان کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کے جانشین اور تلامذہ ان کے علوم و فیوض کو تقسیم کرنے والے ہوتے ہیں، حضرت حکیم الاسلامؒ کے علوم و اسرار

وحکم، سلامتی و متانت اور ہر دل عزیزی، خطابت و بیان کے جانشین اُن کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ تھے۔

اس ناچیز کا اُن سے پہلا تعارف آج سے تقریباً ۶۰ سال پہلے ہمارے استاذ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کے کچے گھر سہارنپور میں ہوا تھا، اس کے بعد مختلف مناسبتوں سے ملاقاتیں ہوتی رہیں، اسی ملاقات کے تعلق سے ایک واقعہ بروقت ذہن میں آگیا یہ اس زمانے کا ہے جس وقت اس ناچیز کے بارے میں دارالعلوم ندوۃ العلماء اور فلاح دارین کی مدرسے کے بعد یہ خبر مشہور ہوگئی کہ میں سعودی عرب جا رہا ہوں، اسی دوران دارالعلوم دیوبند میں مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا جس کے ایک ممبر حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمنؒ بھی تھے جو اس ناچیز سے اچھی طرح واقف تھے، میرے مقالات بار بار ان کی نگاہ سے گزرے تھے، اور بار بار رسالہ برہان میں چھپ بھی چکے تھے، بہر حال انہوں نے مجلس شوریٰ میں تدریس حدیث شریف کے لیے میرا نام پیش کیا، اس کی منظوری بھی ہوگئی، حضرت قاری صاحبؒ نے حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ کو حکم دیا کہ وہ اس سلسلہ میں مجھ سے گفتگو کر لیں، چنانچہ حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ قاسمی لکھنؤ آئے اُن سے ملاقات بھی ہوئی مگر میرے سفر کا ارادہ حتمی تھا اس لیے رائے میں تبدیلی نہ ہوئی، اس کے بعد ناچیز سفر کر کے ممبئی پہنچا، وہاں حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ سے ملاقات ہوگئی، قاری صاحبؒ نے بھی مجھے سمجھایا اور فرمایا کہ یہاں رہنا آپ کا زیادہ مفید ہے، لیکن جب اخیر میں میرے

اصرار کو دیکھا تو فرمایا ان شاء اللہ آپ کا سفر دینی اور حدیثی لحاظ سے مفید رہے گا۔
 اسی طرح حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ سے گاہے بگاہے ملاقاتیں ہوتی
 رہیں ایک مرتبہ میرے ابو ظبی قیام کے بعد ان کا ایک خصوصی سفر مولانا بدر الحسن قاسمی کے
 ساتھ ہوا، اور ناچیز نے حضرت مولانا کو یہاں خصوصی سرکاری مہمان بنوایا، ان کا یہاں
 آنے کا مقصد دارالعلوم دیوبند کا تعارف اور یہاں کی عظیم شخصیت شیخ احمد بن عبدالعزیز
 المبارک جو صدر مملکت کے مستشار دینی، اور قضاء شرعی کے چیف جسٹس تھے، ان کو دار
 العلوم کے صد سالہ اجلاس میں مدعو کرنا تھا، چنانچہ ملاقات کے بعد حضرت مولاناؒ نے
 انہیں دعوت نامہ پیش کیا، اور ناچیز نے ابو ظبی کی اہم اہم شخصیات سے ملاقات کرائیں۔
 دارالعلوم کے صد سالہ اجلاس میں شیخ احمد بن عبدالعزیز المبارک تو نہ جاسکے
 لیکن ان کا پیغام لے کر ناچیز وہاں حاضر ہوا، وہاں پہنچنے کے بعد حضرت مولانا محمد سالم
 صاحبؒ نے میرے قیام اور مقالہ پڑھنے کا خصوصی انتظام فرمایا۔

ایسے ہی حسبِ موقع ان سے ملاقاتیں ہوتی رہیں اور میرے ان کے تعلقات
 میں اضافہ ہوتا رہا، اس ناچیز نے دارالعلوم کے اسفار میں ہمیشہ ان سے ملاقات کرنے
 کی کوشش کی، اور ان کا بھی جب دہئی کا سفر ہوتا تو اپنے رفقاء کے ساتھ ناچیز کے یہاں
 تشریف لاتے، اور ہندوستان کے حالات، اور اپنے جدید دارالعلوم وقف کی تفصیلات
 سے واقف کراتے، اس کے علاوہ جب اس ناچیز نے ۱۹۸۹ء میں جامعہ اسلامیہ مظفر پور
 اعظم گڑھ کی بنیاد رکھی، اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد ماشاء اللہ یہ جامعہ ترقی کی راہ پر

برق رفتاری کے ساتھ گامزن ہوا، اس میں عظیم الشان اجلاس اور سمینار بھی ہوئے، تو اس کے جلسوں میں اور خاص طور پر دو بڑے سمیناروں میں حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ کو خصوصی دعوت دی گئی، انھوں نے اکثر پروگراموں میں شرکت فرمائی اور صدارت بھی کی اور اپنی فاضلانہ تقریروں سے علماء اور عوام کو استفادہ کا موقع فراہم کیا۔

اسی طرح آج سے چند سال پہلے انہوں نے اپنے دارالعلوم وقف میں حضرت قاری صاحبؒ پر ایک سمینار منعقد کیا جس میں اس ناچیز کو بھی خصوصی دعوت دی اور خصوصیت کے ساتھ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور علم حدیث پر لکھنے کی فرمائش کی، میں نے پوری دلچسپی کے ساتھ مقالہ تیار کر کے بھیج دیا اور اس عظیم الشان سمینار میں شرکت کی نیت بھی کی تھی لیکن کسی وجہ سے اچانک میرا بطنی کا سفر ہو گیا اور یہ ناچیز اس سمینار میں شریک نہ ہو سکا، اس لیے اس ناچیز نے جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ کے ایک مدرس مولانا سید جاوید احمد ندوی کے ہمراہ مقالہ کو بھیجا، جس کو انہوں نے جلسہ میں پڑھ کر سنایا، اور یہ بتایا کہ مقالہ اپنی نوعیت کا منفرد تھا، حاضرین نے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ نے بہت پسند کیا۔

ناچیز کی حضرت مولانا سالم صاحبؒ سے آخری ملاقات اس سفر میں ہوئی جو جناب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جو پوری نور اللہ مرقدہ کے وصال پر تعزیت کے لیے ہوا تھا، اس سفر میں دارالعلوم دیوبند بھی حاضری ہوئی، وہاں ان کے صاحبزادے مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی کی دعوت پر ان کے گھر جانا ہوا جہاں حضرت

مولانا سالم صاحب قاسمی سے آخری ملاقات ہوئی، ملاقات پر پرانی یادیں تازہ ہو گئیں، اس ملاقات میں یہ بات خاص طور پر تعجب خیز تھی کہ عمر مبارک ۹۳ سال سے زائد ہے اور ماشاء اللہ بغیر چشمہ کے مطالعہ فرما رہے ہیں۔

حضرت مولانا کے انتقال کے بعد جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ میں ایصالِ ثواب کا اہتمام کرایا گیا اور خود بھی ایصالِ ثواب کی سعادت حاصل ہوئی، یہ ناپیزاں کے صاحبزادے مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی کے لیے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور خاندان کے دیگر افراد کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور خانوادہ قاسمی کی روشن روایات کو بلند اور روشن کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عنایت فرمائے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
ماہ مبارک میں حرمین شریف کا سفر ہے اسی لیے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

عزیزی مولانا محمد غزالی کا سانحہ ارتحال

(..... - ۱۴۳۹ھ / ۲۰۱۸ء)

بھٹکل کرناٹک کے ضلع میں جہاں عرصہ تک سلطان ٹیپو اور ان کے والد کی حکومت رہی ہے، نیز اس منطقہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں اسلام کی کرنیں پہلی صدی میں پہنچیں، بہت سے علماء و مشائخ اس سرزمین سے پیدا ہوئے، جنہوں نے دعوت و تبلیغ، و مسند ارشاد کو فروزاں رکھا، یہ جنوبی کرناٹک کے شہروں میں ایک شہر یا بڑا قصبہ ہے، جہاں مسلمانوں کی تعداد اسی ہزار ہے، شروع سے یہاں کے لوگ تجارت کا پیشہ کرتے چلے آ رہے ہیں، متانت و سنجیدگی، علماء ہند سے ربط میں اپنی مثال آپ ہیں، یہاں کے لوگوں میں سب سے پہلے میرا مرحوم محی الدین منیری رحمۃ اللہ علیہ سے ممبئی میں تعارف ہوا، انہیں کے ساتھ مولانا عبد الحمید ندوی جو ہمارے بزرگ ندویوں میں تھے، ان سے معلوم ہوا کہ ان کا قیام بھٹکل میں ہے، جو درس و تدریس اور وعظ و تقریر کی خدمت انجام دے رہے ہیں، جناب منیری صاحب ان سے غایت درجہ عقیدت رکھتے ہیں۔ میرا یہ سفر ندوۃ العلماء کی مالی امداد کے لیے ۱۹۵۶ء میں ہوا تھا، جہاں تدریسی ذمہ داریوں کے علاوہ یہ خدمت بھی اکثر اساتذہ کو سپرد کی گئی تھی، اس لیے جناب منیری صاحب سے تعلق ہوا اور

اخیر تک قائم رہا، انہوں نے بعض طلبہ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء تعلیم کے لیے بھیجا، اور بھٹکلیوں کی بڑی تعداد اس زمانے میں بھی پڑھتی تھی، جن میں تقی بھٹکلی وغیرہ شامل تھے، ان ہی طلبہ میں مولانا محمد غزالی مرحوم بھی تھے، جنہوں نے اس ناچیز سے مشکاۃ شریف کامل پڑھی تھی، اس زمانے میں یہ ناچیز پوری مشکاۃ پڑھاتا تھا اور کبھی کبھی جمعہ کو بھی درس ہوتا تھا، اس کے بعد جامع ترمذی میرے پاس آئی، جامع ترمذی میں ان طلبہ میں سے ڈاکٹر محمد شفیق ندوی، ڈاکٹر نعیم صدیقی، محمد غزالی اور مولانا احمد لاٹ وغیرہ ہیں، اس بنا پر فراغت کے بعد جب ان کا قیام نظام الدین میں ہو گیا، گویا یہاں آکر انہوں نے نظام الدین کے کام کے لیے اپنے کو وقف کر دیا تھا، میری آمد کثرت سے نظام الدین اور سہارنپور رہتی تھی، یہ حضرات جن میں مولانا محمد غزالی بھی تھے، ہر وقت حاضر خدمت رہتے تھے، اور شرف تلمذ کی وجہ سے ہمیشہ پیش پیش رہتے اور ملتے رہتے، ان کے کاموں کی تفصیلات، ان کے دوروں کے نتائج سنتا تھا، ان کی خاص صفات جو درج ذیل ہیں:

نمبر ۱: سراپا اخلاص، انانیت اور تکبر بظاہر ان کی زندگی میں نظر نہیں آیا، اسی بنیاد پر انہوں نے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ اور حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندویؒ سے تعلق استوار کر رکھا تھا، اور اخیر کے زمانے میں جب میرا دوا یک سفر بھٹکل کا ہوا، خاص طور پر پہلا سفر جس میں مولانا الیاس ندویؒ اور مولانا عبدالباری مرحوم مہتمم جامعہ اسلامیہ بھٹکل نے مجھے حدیثی پروگرام کے تحت دعوت دی تھی، وہاں پروگرام میں شرکت کی اور اس ناچیز نے حدیث کے موضوع پر اس جلسے میں تقریریں کیں، اور علماء کرام کی مجلس میں

اوائل پڑھا کراجازت حدیث دی تھی، اس کے علاوہ کئی جگہ بیان ہوئے، مرحوم ہر جگہ ساتھ رہے، تواضع و خاکساری کا نمونہ یہ تھا کہ کہتے تھے کہ حضرت میں آپ کے لیے نظام الدین سے ملنے آیا ہوں، اپنے گھر پر بھی بیان رکھا۔ ماشاء اللہ انہوں نے اپنے صاحبزادگان کو عالم بنایا، مجھے ان کے صاحبزادے عزیز می مولوی ابوبکر صدیق سے ندوۃ العلماء میں بار بار ملاقات ہوتی رہتی ہے اور ان کے حالات سنتا تھا۔

نمبر ۲: ان کی دوسری خصوصیت تبلیغ کے اصول کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھے، مال و دنیا سے اپنے قلب کو پاک کر رکھا تھا، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب امیر جماعت ان پر اعتماد رکھتے تھے، یہی بہت بڑا شرف ہے، ان کے ادبی کمالات اپنی جگہ پر لیکن یہ خوبی سب پر فائق تھی، یہ دنیا کے بجائے آخرت میں کام آنے والی ہے، اسی منہج پر پوری زندگی گزار دی، جو دوسروں کے لیے قابل رشک ہے، یہ ناچیز ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے اور رفع درجات کے لیے دعائیں کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی آل و اولاد کو ان کے طریق پر گامزن فرمائے، اور ان سب کو ذخیرہ آخرت بنائے، آمین۔

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے گلدستہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
اس وقت اسی پیغام پر اس تحریر کو ختم کرتا ہوں، میرا آپریشن ہوا ہے، میں اس سے زیادہ پر قادر نہیں ہوں۔ دعا گو

۱ - د / تقی الدین ندوی

العین، متحدہ عرب امارات

فخر گجرات

جناب مولانا عبداللہ صاحب کا پودروی

(۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء - ۱۴۳۹ھ/۲۰۱۸ء)

یہ ناچیز ابوظہبی سے سفر کر کے ہندوستان جامعہ اسلامیہ میں ۳ جولائی ۲۰۱۸ء کو پہنچا، یہاں کے انتظام پر نظر ڈالنے کے بعد ۷ جولائی کو بخاری شریف اور نئے سال کا آغاز کیا، وہاں سے حسب عادت لکھنؤ دارالعلوم ندوۃ العلماء حاضری ہوئی، دارالعلوم میں ۹ جولائی کو مسجد میں بخاری شریف کے درس کا آغاز کیا، درس کے اختتام پر ناچیز سے دعا کرائی گئی جس میں مولانا عبداللہ کا پودروی کے لیے دعائے صحت بھی شامل تھی کہ اچانک دوسرے دن مولانا کے صاحبزادے مولوی محمد اسماعیل کا فون آیا کہ والد صاحب کا ۴ بجے وصال ہو گیا، ہم سب کو روتے اور تڑپتے ہوئے چھوڑ کر اس دار فانی سے دار آخرت کی طرف رخصت ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

گرچہ اس کا اندیشہ پہلے سے تھا، مولانا کی صحت و حالات ان کے ذریعے سے معلوم کرتا رہا، پر اس ناگہانی خبر کا دل و دماغ پر بے حد اثر رہا، مولانا کی ذات ان چند

لوگوں میں سے تھی جن سے ناچیز کا قلبی و فکری گہرا تعلق رہا ہے، ناچیز کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بعد مدرسہ فلاح دارین ترکیسر کے لیے شیخ الحدیث منتخب کر کے ہمارے استاذ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے بات کر کے وہی لائے تھے، میری آمد گجرات ترکیسر میں ۱۹۶۷ء کے اخیر میں ہوئی تھی، یہی وہ زمانہ تھا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی ذات گرامی اپنے اکابر حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلفاء و متعلقین کا مرجع بنی ہوئی تھی، ان میں گجرات کے علماء اور وہاں کے دیگر حضرات سب سے پیش پیش تھے، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی ان پر خاص شفقت و عنایت تھی، حضرتؒ کے خلفاء میں سے مولانا عبد الرحیم متالا مرحوم اور مولانا محمد یوسف متالا ان دونوں بھائیوں کو حضرتؒ بہت ہی محبوب رکھتے تھے لیکن ان کے علاوہ مولانا اسماعیل ٹیل، مولانا اسماعیل بدات، مولانا اسماعیل کچھلوی اور ان کے علاوہ بڑی تعداد حضرت شیخ الحدیثؒ کے خلفاء و متعلقین کی گجرات سے متعلق تھی خواہ ان کا قیام حرمین شریفین میں ہو یا برطانیہ اور دوسرے مغربی ممالک میں ہو۔

اس لیے اس ناچیز کی آمد وہ بھی حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے ذریعہ گجرات میں بہت ہی زیادہ شہرت کا سبب بن گئی، دوسرے یہ کہ یہ ناچیز دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی جگہ پر ترندی شریف وغیرہ کتابیں پڑھا رہا تھا اس کی بھی شہرت تھی، اور میری کتاب ”محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے“ پہلی مرتبہ چھپ کر مقبول و مشہور ہو چکی تھی، اپنے موضوع پر اس وقت یہ منفرد کتاب تھی، ایسے

حالات میں مولانا عبداللہ کا پودروی کی فراست تھی کہ وہ مجھے باصرار فلاح دارین لائے اور اپنے مکان کے بالائی حصے میں قیام طے کیا تھا، انہوں نے میری خورد و نوش و سہولت کے سارے اسباب مہیا فرمائے، اور ان سے علمی مجالس برابر قائم رہتی تھیں، مدرسہ فلاح دارین ابتدائی مدرسہ کی شکل میں قائم ہوا تھا، اس کے سابق مہتمم مولانا غلام محمد نور گت نے رات فیملی کی خواہش پر اس کو بڑا دارالعلوم بنانے کے لیے اس کا سنگ بنیاد حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی سے رکھوایا تھا، کیونکہ حضرت مولانا نور گت صاحب بھی حضرت مولانا علی میاں کے شیخ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری سے وابستہ تھے۔

بہر حال ان کے بعد جناب مولانا عبداللہ کا پودروی صاحب مہتمم ہوئے، دورہ حدیث کے آغاز کا پروگرام بناتو اس سلسلے میں اس ناچیز کو ترکیسر لائے اور دارالعلوم فلاح دارین کا یہ ناچیز پہلا شیخ الحدیث ہوا، بخاری شریف کے آغاز کے لیے مولانا نے دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا فخر الدین صاحب کو مدعو کیا تھا، اس ناچیز نے بخاری شریف کی پہلی حدیث پڑھی، اس پر حضرت مولانا نے دو گھنٹہ اپنی بخاری شریف کی تقریر میں پھول برسائے۔

کبھی فرصت سے سن لینا عجب ہے داستاں میری

دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر جس قصبہ میں قائم ہے اس میں ایک مشہور بزرگ حضرت موسیٰ جی نقشبندی کی خانقاہ تھی اور وہیں ان کا مزار تھا، یہ حضرت مولانا عین القضاة صاحب جن کا ہدایہ پر حاشیہ ہے اور مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کے بانی ہیں حضرت موسیٰ

جی ان کے شیخ ہیں یہ اُن کے خلیفہ ہیں، بہر حال یہ قصبہ ذکر و انوار و برکات کا حامل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ گجرات کا یہ علاقہ صحابہؓ و تابعینؓ کے مبارک قدموں سے فیضیاب ہوا۔

ان میں مشہور تبع تابعی ربیع بن الصبیح السعدی محدث کی یہاں آمد ہوئی اور ۶۰ھ میں ان کی وفات ہوئی اور بھروچ ہی میں تدفین عمل میں آئی، اس ناچیز نے اپنی کتاب ”ہندوستان میں علم حدیث“ میں یہ جملہ تحریر کیا ہے کہ نویں صدی ہجری تک گجرات میں حدثنا و أخبرنا کا غلغلہ بلند تھا، شمالی ہند کا دامن اس سے خالی ہے، دسویں صدی ہجری میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۵۰۲ھ کی دہلی آمد پر شمالی ہند میں حدیث شریف کا چرچا ہوا۔

بہر حال میں عرض کر رہا تھا اس زمانے میں گجرات میں کئی مدارس قائم تھے جہاں دورہ حدیث کی تعلیم ہوتی تھی، ان میں فلاح دارین ترکیسر کا اضافہ ہوا، ناچیز کو شروع سے تصنیف و تالیف کا ذوق تھا، اس زمانے میں میرے مقالات معارف اور برہان کے پرچوں میں شائع ہوتے تھے۔

فن اسماء الرجال جیسی اہم کتاب کی تصنیف بھی شروع کیا تھا، مراجع و مصادر کی بہت قلت تھی، مولانا کا حسن ذوق و انتخاب کہ انہوں نے مختلف جگہوں سے اسے فراہم کرنے کی کوشش کی، اس کے بعد انھوں نے حجاز مقدس اور بغداد کا سفر کیا، بہت قیمتی و نادر کتابیں خرید کر لائے اور ان میں اضافہ کرتے رہے، اس مکتبہ پر نظر ڈال کر ان کے

علمی و ادبی ذوق کی داد دینا پڑے گا، مجھے بھی اپنی تصنیف و تالیف میں ان سے بڑی مدد ملتی رہی، اس ناچیز کو لے کر گجرات کے مختلف مدارس ڈابھیل، کنٹھاریہ، راندیر، سورت وغیرہ کا سفر فرماتے تھے اور مختلف جگہوں پر بیانات ہوتے رہتے تھے، جوانی تھی جذبہ تھا حافظہ بھی قوی تھا، اس لیے لوگوں نے ہر جگہ استقبال کیا، مختلف دیہاتوں میں جانا ہوتا تھا، خود ان کے گاؤں کا پودرہ میں اور نانی نرولی، ورتٹھی وغیرہ مولانا عبدالرحیم صاحب متالا کے ساتھ بار بار جانا ہوا، اس ناچیز کی ترکیسر آمد کے موقع پر دارالعلوم فلاح دارین کے محسن و سرپرست حاجی یوسف راوت مرحوم ری یونین سے سفر کر کے ترکیسر تشریف لائے، ان کی آمد پر پورا قصبہ اور بہت سے قرب و جوار کے علماء استقبال کے لیے حاضر ہوئے، اس لیے کہ وہ بہت ہی مخیر تھے، تمام مدارس کا خیال رکھتے تھے، خاص طور سے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سے بہت گہرا تعلق تھا، میں نے بھی مولانا کے ساتھ استقبال میں جانے کا ارادہ کیا مگر مولانا نے روک دیا اور کہا کہ ہم ان کو لے کر آ رہے ہیں جب وہ قریب آگئے تو ہم نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور ان کی آمد پر قصبہ والوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا، اس زمانے میں گجرات کا یہ دستور تھا جب کوئی محسن تاجر افریقہ وغیرہ سے آتا تو ان کو بخاری شریف کے درس کی سیر ضرور کرائی جاتی، چنانچہ ایک روز مجھے معلوم ہوا کہ پچاس ساٹھ علمائے گجرات کے ساتھ حاجی یوسف راوت مولانا کی قیادت میں بخاری شریف کے اسباق کی زیارت کرنا چاہتے ہیں، اس ناچیز کو جہاں تک یاد ہے کہ ”باب الوضوء بنیذ التمر

والمسکر“ پڑھا رہا تھا اس موضوع پر پوری طرح تیار تھا اُس کے ترجمۃ الباب میں امام بخاری نے حنفیہ کے مسلک پر رد کیا، اس پر حافظ کا اعتراض اور علامہ عینی کا جواب، یہ پورا مکالمہ مجھے ازبر تھا، آدھا پون گھنٹہ کی تقریر کے بعد گھنٹہ پورا ہو گیا، ملاقات ہوئی دورانِ درس میں علماء اور مولانا عبداللہ صاحب سبحان اللہ، الحمد للہ کہتے رہے، مدرسہ میں تمام مدرسین کو ہال میں جمع کیا گیا، حاجی صاحب نے سب کو اکرامیہ دیا اور اس ناچیز کو سب کا دوچند دیا، میں نے قبول کرنے سے معذرت کر دی، لیکن مولانا، حاجی صاحب کو لے کر میرے پاس آئے انھوں نے فرمایا آپ کے لیے وقتی نہیں بلکہ مستقل ہے ہر مہینہ ملتا رہے گا، میں نے پوری تفصیل سہارن پور حضرت شیخ الحدیثؒ کے یہاں لکھی حضرت شیخ کا جواب آیا: ”میرے پیارے اس طرح کا کوئی تاجر آئے تو ان پر نظر نہ ہو، اللہ پر نظر ہو، پھر اس کے بعد اگر کوئی ہدیہ آئے تو اسے قبول کر لو“۔

اس ناچیز کو ترکیسر میں تین مرتبہ بخاری شریف، ترمذی شریف اور دیگر کتابوں کے پڑھانے کا موقع ملا، اس سے بے حد فائدہ ہوا، جس سے اس وقت تک کام لے رہا ہوں، اسی طرح مولانا مجھے لے کر ڈابھیل گئے وہاں کے علماء سے تعارف کرایا اور تقریر کا پروگرام رکھا، مولانا سعید الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے والد صاحب حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمیؒ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل جوہم سب کے بزرگ تھے اور اس ناچیز سے بہت محبت کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ تم میں اور سعید الرحمن میں کوئی فرق نہیں، وہ خود بھی کئی مرتبہ ترکیسر تشریف لائے۔

ڈابھیل کے کتب خانہ میں بعض کتابیں ایسی تھیں جن سے میں نے فائدہ اٹھایا، بعض کتابوں پر مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے حواشی تھے جن کو نوٹ بھی کیا، گرچہ بعد میں مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے اس ناچیز کو مسجد نبویؐ میں صحاح ستہ کے اوائل پڑھا کر خصوصی اجازت دی تھی، ان کی ذات گرامی سے مولانا عبداللہ صاحب کو بہت عقیدت تھی بار بار تذکرہ کرتے تھے اور ان پر مقالہ بھی لکھا ہے۔

جب میں کوئی مقالہ معارف یا برہان وغیرہ میں لکھتا اور اس وقت مرجع کی ضرورت پڑتی تو مولانا عبداللہ صاحب راندیر سے یا ڈابھیل سے مانگ کر لاتے تاکہ یہ ناچیز اضافہ کر سکے، اسی زمانہ میں مولانا عبدالرحیم متالا اور ان کے رفقاء کی بار بار آمد ہوتی جس سے بڑا پر کیف منظر ہوتا، عجیب زمانہ تھا، ترکیسر کے مرحومین میں عبداللہ پٹیل، حاجی چوہان، حاجی موسیٰ راوت اور ان کے سب بھائی ہوتے، وہ منظر ابھی بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔

تازہ خواہی داشتن گرد اغہائے سید را گا ہے گا ہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را
ترکیسر کے زمانہ قیام میں تقریباً روزانہ عصر کی نماز کے بعد ہمارے مکان پر علمی مجلسیں ہوتی رہتی تھیں جس میں حضرت مولانا عبداللہ صاحب، مولانا احمد بیات صاحب، مولانا شیرعلی صاحب، مولانا سید ذوالفقار صاحب اور دیگر حضرات اور کبھی کبھی مولانا عبدالرحم متالا وغیرہ تشریف لاتے تھے، یہ مجلس مجلس علمی اور اکابر کے احوال پر مشتمل رہتی تھی، کبھی مولانا عبداللہ صاحب کسی نئی کتاب کا ذکر فرماتے پھر مولانا شیرعلی

صاحب اپنی کوئی خاص تحقیق بیان کرتے کبھی مولانا ذوالفقار صاحب مرحوم جن کو مولانا عبداللہ صاحب نے مولانا نظر شاہ ثانی کا لقب دیا تھا گل افشانی کرتے، کبھی ایسا ہوتا کہ یہ ناچیز تفریح کے لیے نکلتا اس دوران عام طور پر حضرت موسیٰ جیؒ کے مزار پر فاتحہ خوانی بھی شامل رہتی، تفریح بھی پُر لطف بن جاتی۔

۱۹۷۱ء کے اخیر میں جب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی یہ تجویز ہوئی کہ بذل المجہود کے حواشی کی ترتیب و تحقیق کے لیے ایک سال کے لیے تم ترکیسر مدرسہ سے چھٹی لے لو تمہاری جگہ پر کوئی دوسرا شیخ الحدیث آجائے گا، میں نے چھٹی کی درخواست دی، مولانا عبداللہ صاحب نے اجازت دے دی، اس پر حضرت شیخ الحدیثؒ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا، اور یہی میرا ذریعہ وہاں سے عالم عربی میں آمد کا ہوا، پہلے سہارنپور قیام کے بعد مصر جانا ہوا، بذل و اوجز کی خدمت کا موقع فراہم ہوا، جامعہ ازہر سے پی ایچ ڈی کی سند لینے کا موقع ملا، جس کو مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے فرمایا: ”یہ بذل المجہود کا صدقہ ہے انشاء اللہ عرب ملکوں میں پڑھنے پڑھانے کا موقع ملے گا“، چنانچہ ۴۳ سال سے عربی ممالک میں یہ خدمت انجام دے رہا ہوں۔

ترکیسر سے علیحدگی کے بعد بھی مولانا مرحوم سے اس ناچیز کا تعلق اسی طرح قائم رہا، چنانچہ اس ناچیز کا گجرات کا ختم بخاری شریف کے لیے متعدد سفر ہوا اور ایک سفر میں جس میں ترکیسر میں بھی ختم بخاری کا پروگرام شامل تھا، لیکن مولانا محترم نے اپنے وطن کا پودرا میں گجرات کے اکثر علماء کو میری تکریم کے لیے دعوت دی تھی، سب نے کھانے میں

شرکت کی اس کے بعد میرا بیان بھی رکھا تھا یہ ان کی غایت محبت کی دلیل تھی، انہوں نے اپنے ایک سفر میں جو ان کا دولة الامارات کا ہوا تھا، ہمارے یہاں دو دن قیام فرمایا، ہمارے کتب خانہ پر نظر ڈالنے کے بعد بعض کتابوں کا نام نوٹ کیا جس کو بعد میں انہوں نے خریدا تھا۔

اس سفر نامہ کو انہوں نے قلم بند کیا جو ”الشارق“ (جلد: ۹ شماره: ۴) میں ”متحدہ عرب امارات میں چند دن“ کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے، میری ہر کتاب کے شائع ہونے کا ان کو شوق تھا، جب اوجز المسالک ۱۸ جلدوں میں شائع ہو کر آئی اور میں نے جامعہ اسلامیہ میں اپنے استاذ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقہ کی یادگار میں ایک عالمی سمینار منعقد کیا جس میں حضرت شیخ کے بیشتر متعلقین علماء اور فضلا شریک ہوئے، ان میں مدینہ منورہ سے مولانا اسماعیل بدات، لندن سے مولانا اسماعیل کچھولی اور جنوبی افریقہ سے مولانا شبیر سالو جی بھی تھے۔

یہ سمینار حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی مدظلہ کی سرپرستی میں منعقد ہوا، جس میں مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی، مفتی احمد دیولہ کے ہمراہ تشریف لائے اور مقالہ بھی پڑھا اور بے حد مسرت کا اظہار فرمایا، اسی طرح جب ”الجامع الصحیح للإمام البخاری“ مولانا احمد علی سہارنپوری کے حاشیہ اور میری تحقیق کے ساتھ ۱۵ جلدوں میں پہلی مرتبہ بیروت سے شائع ہوئی تو مولانا اپنے صاحبزادے کے ساتھ ممبئی سے جہاز کے ذریعہ وارسا اور وہاں سے جامعہ اسلامیہ مظفر پور تشریف لائے، انھوں

نے بیان کیا کہ میرا مقصد اس عظیم الشان کام کی تکمیل پر آپ کو مبارکباد پیش کرنا ہے، ان کی آمد پر جامعہ اسلامیہ میں ان کے اعزاز میں طلبہ نے ایک جلسہ منعقد کیا اس میں انہوں نے بہت ہی عالمانہ گفتگو فرمائی، طلبہ واساتذہ کو نصیحت فرمائی، دینی مدارس کو استفادہ کا موقع عطا فرمایا، ان کی تقریر کا خلاصہ ”الشارق“ (جلد: ۱۵ شماره: ۱) میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

مولانا کا علمی ذوق اور ان کی غایت تواضع کی دلیل یہ ہے کہ اس ناچیز کی موجودگی میں ان کی رمضان المبارک میں مدینہ منورہ میں حاضری ہوئی، انہوں نے بہت ہی اصرار سے جو علماء و طلبہ مجھ سے اجازت حدیث لے رہے تھے اس میں خود بھی شریک ہوئے اور اس ناچیز سے اجازت حدیث لی۔

ان کی برطانیہ کی موجودگی میں میرا برطانیہ کا پہلا سفر ہوا، وہاں حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ پر ڈیوڑی میں سمینار منعقد کیا گیا تھا، ان میں بہت سے علماء جن میں مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اور قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ اور اکابر علماء تشریف لائے تھے، یہ ناچیز بھی شریک ہوا اور بیان کیا، جس ہال میں جلسہ منعقد ہوا تھا بلا مبالغہ ایک ثلث حاضرین کی تعداد ایسی تھی کہ مولانا کی تربیت یا ان کے اشارہ پر شریک ہوئی اور مقصد اس ناچیز کی ملاقات تھی۔

ان کے علاوہ بہت سے علماء جن میں ترکیسر کے لوگ بھی تھے کھانے کا پروگرام رکھا اور وہاں پر بیان بھی کرایا، ان کے صاحبزادے مولانا محمد اسماعیل کے مکان پر بھی

ایک پُر لطف دعوت کا اہتمام تھا، اس مجلس میں لوگوں نے پوچھا کہ آپ کا حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڈھی سے کیسے تعلق پیدا ہوا اس کو بیان فرمائیے۔

اسی طرح ترکیسر کے فلاح دارین کے لیے کوشش کرتے تھے کہ علمائے عرب کو مدعو کریں تاکہ طلبہ و مدرسین میں علمی و ادبی ذوق ترقی کرے اور ان کا عالم عرب سے رابطہ پیدا ہو جائے، اور آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ انہوں نے فلاح دارین کی شہادت کا ابوظہبی کی تعلیم عالی سے معادلہ کر رکھا تھا جس میں ہندوستان کا شاید ہی کوئی مدرسہ ہو۔

مولانا کو تصنیفی و تالیفی ذوق بھی تھا انہوں نے اپنے پیچھے چند کتابیں بھی چھوڑی ہیں جن میں عربی زبان میں ”أضواء على تاريخ الحركة العلمية والمعاهد الإسلامية والعربية في غجرات، الهند“ بڑی مفید ہے یہ ایسی کتاب ہے جس میں انہوں نے مختصراً گجرات کے علمی مدارس اسلامیہ کی تاریخ بیان کر دی ہے جس میں حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی کی تقدیم ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: اس بحث پر جو کوشش مؤلف نے کی ہے ہر طرح شکریہ کے مستحق ہیں اس کے تیار کرنے میں انہوں نے بہت محنت اور وقت صرف کیا ہے، اس کتاب میں انہوں نے اہم اسلامی تاریخی مصادر سے استفادہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی کوشش ان کے اخلاص کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو نافع فرمائے۔

ان کی مجلس معارف کا پودرا کے ذریعہ چودہ کتابیں منصہ شہود پر آئیں، بعضوں کا تعلق تاریخ علم حدیث سے ہے، بعضوں کا تعلق تصوف اور وعظ و تذکیر سے ہے، واقعہ

یہ ہے کہ ان کی کتاب ”صدائے دل“ کے اجزاء بہت ہی مفید و موثر ہیں انشاء اللہ ان کے علمی کارنامے، مدرسہ فلاح دارین اور اس کی ترقیات اور اس کے فضلا اور ان کی تالیفات و تصنیفات ان کو زندہ جاوید رکھیں گی۔

ایک عرصہ سے وہ بیمار چل رہے تھے، اس ناچیز نے گذشتہ شعبان میں مدرسہ قاسمیہ بھروچ کے شیخ الحدیث کی دعوت پر وہاں کا سفر کیا، اس میں حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کی زیارت بھی مقصود تھی، ان کے مدرسہ اور مکان کے درمیان ۱۰/۱۱ منٹ کی مسافت تھی معلوم ہوا کہ وہاں ناشتہ کرنا ہے، وہاں ہم لوگ ۹ بجے حاضر ہوئے، علماء کی جماعت ناشتہ پر مدعو تھی، مولانا سے ملاقات صرف اشارہ اور کنایہ میں ہوئی، ملاقات پر چہرہ بہت ہشاش بشاش تھا، ترکیسر کے زمانے میں مولانا حبیب اللہ پالن پوری کا یہ مصرعہ پڑھا۔

حبیب شاعر گجرات کی غزل خوانی

یہ سن کر مسکرائے لیکن قضا و قدر کے فیصلہ پر کس کو اختیار ہے، وہاں سے ختم بخاری کرا کے ترکیسر، اکل کوا اور اس کے بعد برطانیہ کا سفر ہوا، تمام جگہوں پر ختم بخاری میں حضرت مولانا کے لیے دعائیں کی، جب اطلاع دی تو خوشی کا اظہار فرمایا لیکن قضا و قدر کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے۔

اس سفر ہندوستان میں دارالعلوم ندوۃ العلماء اور جامعہ اسلامیہ میں بھی نام لے کر دعا کی، اچانک معلوم ہوا کہ ان کی وفات کا حادثہ پیش آچکا ہے وہ اس عالم فانی

سے عالم جاودانی کی طرف رخصت ہو گئے ہیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔
یہ معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں ایک جم غفیر نے شرکت کی، ان میں علماء و طلباء کی
کثیر تعداد تھی، نماز جنازہ گجرات کے مشہور عالم ربانی حضرت مولانا احمد خان پوری نے
پڑھائی۔

اللہ تعالیٰ ان کے صاحبزادگان اور ان کے متعلقین اور مدرسہ فلاح دارین کے
ارکان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن رہیں۔
آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

محترم جناب مولانا عمار احمد صاحب^{رحمۃ}

(۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء - ۱۴۴۰ھ / ۲۰۱۸ء)

یہ ناچیز ترکیسر فلاح دارین کے سمینار میں شریک ہو رہا تھا کہ اچانک حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب کی طرف سے ان کے لڑکے مولوی عبداللہ یہ پیغام لے کر آئے کہ حضرت مولانا عمار احمد صاحب عرصہ سے علیل چل رہے تھے، اس جہان فانی سے حیات جاودانی کی طرف رخصت ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

مولانا محترم سے اس ناچیز کا تعلق بہت قدیم اور بہت گہرا تھا، ۱۹۸۶ء سے پہلے ان سے تعلق کی بنیاد جناب مولانا مختار اصلاحی صاحب کے توسط سے اس ناچیز سے ان کے مدرسہ کی مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں ہوئی، الحمد للہ وہ مکمل ہوئی، اس کے بعد مولانا محترم اپنے بعض اعزہ کے ساتھ اعظم گڑھ تشریف لائے، اس زمانہ میں میرے بڑے لڑکے بدر عالم کو ہیجانی کیفیت تھی، جس کی وجہ سے مجھے پریشانی تھی، مولانا نے باصرار آمادہ کیا کہ الہ آباد تشریف لے چلیں، حضرت مولانا پرتاپ گڑھی نور اللہ مرقدہ سے ملاقات اور ہماری مسجد کی زیارت کر لیں، اور صاحبزادے کے لیے دعا کر لیں، حضرت مولانا پرتاپ گڑھی نور اللہ مرقدہ سے زیارت کا شرف ۱۹۷۵ء میں ندوۃ العلماء کے جشن

تعلیمی کے موقع پر مولانا محمد میاں مرحوم کے ساتھ مختصر ہو چکا تھا، ان کی خدمت میں کئی مرتبہ حاضری کا ارادہ ہوا، محترم مولانا مجیب اللہ صاحبؒ بھی الہ آباد ساتھ جانے کے لیے تیار ہوئے، مگر مقدر سے سفر نہ ہوسکا، بالآخر ۱۹ اگست ۱۹۸۶ء میں مولانا عمار احمد صاحب کے اصرار پر اعظم گڑھ سے الہ آباد کا سفر ہوا، اور یہ سفر خاص اہمیت کا حامل بن گیا اور تعلق بھی اخیر تک قائم و دائم رہا۔

الہ آباد پہنچ کر حضرت پر تاپ گڑھیؒ کی زیارت ہوئی، قیام مولانا عمار احمد صاحب کے مدرسہ افضل المعارف میں ان کی ضیافت میں رہا، اور دو روزہ قیام میں حضرتؒ کی خدمت میں وقت گزارنے کی نیت کیا تھا، اس موقع پر تین بیانات ہوئے، ایک بیان الہ آباد کی کسی خاص مسجد میں ہوا، جس میں علماء و فضلاء کی خاصی تعداد تھی، اور حضرت والا کا بیان ہونے والا تھا، اشارہ فرمایا کہ بیان کیجئے، چنانچہ اس ناچیز کا بیان ہوا، اور حضرتؒ نے بے حد خوشی کا اظہار فرمایا، بیان کے بعد حضرتؒ نے دعا فرمائی۔

دوسرا بیان حضرت مولانا قمر الزمان صاحب کے مدرسہ بیت المعارف میں ہوا، وہاں بھی بیان شروع ہونے سے پہلے حضرت والاؒ تشریف لے آئے۔ تیسرا بیان حضرت مولانا عمار احمد صاحب کے مدرسہ افضل المعارف میں ہوا، تینوں کی رپورٹ سے حضرتؒ نے اچھے کلمات ارشاد فرمائے۔

مولانا عمار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب

دامت برکاتہم اور جناب کامل چاٹکی صاحب شاعر سب ہی حضرتؒ کی مجلس میں شرکت کرتے، کامل صاحب حضرتؒ کے اشعار ”عرفانِ محبت“ سے سنایا کرتے تھے، کبھی کبھی حضرتؒ بھی کچھ ارشاد فرماتے، یہ تعلق کا آغاز تھا، اس کے بعد بار بار حاضری ہوئی اور مولانا عمار احمد صاحب کی ضیافت کے مواقع ملتے رہے، دیکھا کہ حضرت والاؒ، مولانا عمار احمد صاحب پر خصوصی شفقت فرماتے ہیں اور مولانا کے حسن ضیافت کے بارے میں اچھے کلمات فرماتے، ان کی علالت کی خبریں معلوم ہوتی رہیں، لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ حادثہ اتنی جلد پیش آئے گا، ایسا معلوم ہوا کہ دل و دماغ پر بجلی گر پڑی، جس کا اندازہ پہلے سے نہیں تھا۔

محترم مولانا عمار احمد صاحب کا تعلق شروع میں مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ سے رہا، مولانا عمار احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت مصلح الامت مرشدی و مولائی مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ کی وفات کے بعد شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت پرتاپ گڑھی نور اللہ مرقدہ سے مناسبت محسوس ہوئی اور بفضلہ تعالیٰ عقیدت تو پہلے ہی سے تھی، اس لیے اصلاحی تعلق قائم ہوا، چنانچہ اس حقیر پر بھی حضرت مصلح الامتؒ کے تعلق کی وجہ سے خاص نظر شفقت و محبت مبذول فرماتے اور بوقت حاضری ہمہ تن متوجہ ہو جاتے، اور تنہائی میں اکثر فرمایا کرتے کہ روز اول ہی سے آپ سے ایسی مناسبت پیدا ہوئی کہ جیسے بہت قدیم تعلق ہو، حضرت والاؒ نے محض اپنے حسن ظن کی بنا پر چند ہی روز بعد از خود پہلے زبانی پھر تحریری

اجازت بیعت مرحمت فرمائی۔

حضرت مولانا عمار احمد صاحب کی ذات سے الہ آباد اور ضلع گورکھپور کے بہت سے لوگ فائدہ اٹھا رہے تھے، انہوں نے ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء میں اپنا مدرسہ ”جامعہ اسلامیہ افضل المعارف“ وصی آباد، الہ آباد میں قائم کیا، اس کا سنگ بنیاد شیخ المشائخ حضرت پرتاپ گڑھیؒ نے رکھا، علماء و صلحاء کا خاصا مجمع تھا، اس مدرسہ میں موقوف علیہ تک کی تعلیم ہوتی ہے، اس کے بعد طلبہ کو دورہ حدیث کے لیے دارالعلوم دیوبند یا مظاہر علوم سہارنپور بھیجا جاتا ہے، اب ان کے جانشین ان کے بڑے صاحبزادے مولوی افضل احمد ہیں، جو ماشاء اللہ خود بھی صاحب صلاح ہیں اور مدرسہ کی ترقی کے لیے کوشاں ہیں۔

بہر حال مولانا عمار احمد صاحب کا سانحہ وفات ایک اہم حادثہ ہے، اللہ تعالیٰ ان کے اعزہ و اقرباء کو صبر جمیل عطا فرمائے اور رفع درجات کی دولت سے نوازے، ان کے صاحبزادگان ان شاء اللہ ان کے کام کو جاری رکھیں گے اور ترقی دیں گے۔

محترم مولانا عمار احمد صاحب نے ایک اہم کام حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح لکھ کر انجام دیا ہے، یہ کتاب اپنے موضوع پر منفرد و مؤثر اور پُرکشش ہے۔

جناب قاری مشتاق احمد صاحب کی سرپرستی میں مولانا عمار احمد صاحب مرحوم نے اپنے مدرسہ میں حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی نور اللہ مرقدہ پر سمینار بھی منعقد کیا تھا، جس میں حضرت مولانا پرتاپ گڑھیؒ کے اسم گرامی کا ایوارڈ (خصوصی

ایوارڈ) اس ناچیز کو دیا گیا ہے اس سمینار کی مفصل رپورٹ ”الشارق“ میں شائع ہو چکی ہے، مولانا عمار احمد صاحبؒ کے یہ سب یادگاریں بطور صدقہ جاریہ اُن کے لیے باقی رہیں گی، اسی مختصر تحریر پر اپنی بات ختم کر رہا ہوں، دل رنجور ہے، غم و اندوہ کا عالم ہے، ان کی صحبتیں یاد آرہی ہیں ے

موت سے کس کو رستگاری ہے آج وہ کل ہماری باری ہے

کل من علیہا فان۔

پیغام تعزیت

آہ! علم و ادب کا مہر تاباں محبت و الفت کا پیکر غروب ہو گیا، جس نے نصف صدی تک دارالعلوم ندوۃ العلماء اور عالم اسلامی کو اپنی ضیا پاشیوں سے منور کر رکھا تھا۔

(حضرت مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی کا سانحہ وفات)

(۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء - ۱۴۴۰ھ / ۲۰۱۹ء)

آج صبح ۱۶ جنوری ۲۰۱۹ء مطابق ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ کو فجر کی اذان سے پہلے ابو ظہبی کے وقت کے مطابق فون کی گھنٹی بجی، اس وقت یہ ناچیز تلاوت قرآن پاک کر رہا تھا، اچانک آواز سن کر تشویش پیدا ہوئی اور مجھے یہ اطلاع دی گئی کہ آپ کے رفیق اور دوست حضرت مولانا محمد واضح صاحب حسنی ندوی معتمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء اس دار فانی سے آج ہندوستانی وقت کے مطابق فجر کی اذان کے وقت کلمہ پڑھتے ہوئے دار بقاء کی طرف روانہ ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

یہ خبر بجلی بن کر میرے قلب و جگر پر گری، ابھی ایک ماہ پیشتر یہ ناچیز ہندوستان میں

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندوی دامت برکاتہم اور صدیق محترم مولانا محمد واضح صاحب نور اللہ مرقدہ اور دارالعلوم کے مہتمم ڈاکٹر سعید الرحمن صاحب ندوی سے ملاقات کر کے واپس ہوا تھا، مولانا محمد واضح صاحب کو بہت ہی ہشاش بشاش و خوش طبع پایا، مزاحیہ جملے بھی کچھ فرمائے جس کا اس ناچیز نے جواب بھی دیا اس پر وہ مسکرائے اور ہنسے، لیکن قضا و قدر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں، موت و حیات کے لیے ایک وقت مقرر ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا غیبی نظام ہے کہ کسی حادثے کے پیش آنے سے پہلے ان کے اعزہ و اقربا کے لیے صبر و تحمل کا مادہ عطا فرما دیتا ہے ورنہ انسان کے بس کی بات نہیں کہ حادثے کو برداشت کر سکے، یہ بھی حقیقت ہے۔

دیتے ہیں ظرف بادہ قدح خوار دیکھ کر

اس موقع پر مجھے اس بدوی کا شعر یاد آ رہا ہے جس نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ان کے والد حضرت عباسؓ کی وفات پر تعزیت پیش کرتے ہوئے کہے تھے۔

اصبر نکن بک صابرين فإنما صبر الرعية عند صبر الراس

خير من العباس صبرك بعده واللہ خير منك للعباس

بیشک یہ حادثہ حسنی خاندان اور دارالعلوم ندوۃ العلماء اور حضرت مولانا محمد واضح صاحب کے دوستوں اور ہندوستان کے مدارس، علما اور عالم عربی میں فکر اسلامی کے حاملین کے لیے غیر معمولی ہے جس پر اس وقت کچھ لکھنے کے لیے قلم میں طاقت نہیں، دماغ میں قوت نہیں، خاص طور سے یہ تصور کر کے کہ حضرت مولانا محمد رابع صاحب دامت برکاتہم جو

ہم سب کے بزرگ اور استاذ ہیں ان پر کیا گذر رہی ہوگی، اس ناچیز کا ان سے اور پورے گھرانے سے ساٹھ سال سے تعلق ہے یہ سوچ سوچ کر اور بھی قلب و ذہن متاثر ہے۔

حضرت مولانا واضح صاحب نور اللہ مرقدہ پر تو مقالہ مستقل آئے گا، لیکن اس وقت یہ تحریر فقط ایک قلبی تاثر ہے اور اس پر اپنے جامعہ اسلامیہ کے اساتذہ و طلبہ اور متعلقین و دوستوں کو متوجہ کرنے کے لیے لکھ رہا ہوں، یہ دعا اور ایصال ثواب کا وقت ہے۔

حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ کا پورا گھرانہ جن میں مولانا واضح صاحب کے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد ثانی حسنی مرحوم اور حضرت مولانا محمد رابع صاحب دامت برکاتہم اور خود مولانا واضح صاحب شامل ہیں ان لوگوں کا اکابر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پورئی، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور ہمارے استاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ سے جو تعلق رہا ہے وہ آنکھوں دیکھا حال ہے

ع شنیدہ کے بودمانند دیدہ

مولانا محمد واضح صاحب کی دارالعلوم ندوۃ العلماء میں آمد حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے شدید اصرار پر ہوئی تھی، جب کہ حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی قریبی عزیز کو لانے کے لیے تیار نہیں تھے، حضرت شیخ نے فرمایا: یہ دارالعلوم کے لیے مفید ہیں اور اگر چاہو تو بغیر تنخواہ کے پڑھائیں گے، الحمد للہ انہوں نے اس پر عمل کر کے دکھلادیا، تواضع و خاکساری، استغناء و زہد، توکل و سادگی، حلم و بردباری اور جو

صفات حسنی خاندان کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیے ہیں ان سب کے وہ حامل تھے، بالکل اس شعر کے مصداق تھے ۔

رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں میں لگے پانی
خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظلِ رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہیں کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی

اس وقت اس سے زیادہ کچھ لکھنے پر قادر نہیں ہوں، اسی پر اکتفا کر رہا ہوں اور اپنے جامعہ اسلامیہ کے مدرسین و طلبہ اور متعلقین سب کے لیے پیغام ہے کہ اس وقت ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا جائے اور ہماری یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ذات گرامی سے جو خلا پیدا ہوا ہے غیب سے اس کا انتظام فرمائے اور حضرت مولانا محمد رابع صاحب دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء اور ان کے پورے خاندان اور صاحبزادہ گرامی مولوی سید جعفر مسعود حسنی صاحب اور ان کے آل و اولاد سب کی خدمت میں سلام کے بعد تعزیت پیش کر رہا ہوں اور اخیر میں یہ شعر ۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
گلدستہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

ایک عالم ربانی مفکر ملت کی رحلت

(۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء - ۱۴۴۰ھ / ۲۰۱۹ء)

یہ ناچیز اس سے پہلے جناب مولانا محمد واضح حسنی ندوی رحمہ اللہ کے انتقال پر اپنے رنج و غم کا اظہار کر چکا ہے، اور ان کی پرکشش نورانی صورت و سیرت کا مختصر جلوہ اپنی تحریر میں دکھا چکا ہے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اس قحط الرجال کے زمانے میں ایسے صاحب بصیرت و فہم و مدبر ملت اسلامیہ و عربیہ کا ہمدرد و غم گسار کا اٹھ جانا نہ صرف دارالعلوم ندوۃ العلماء کے لیے بلکہ ملت اسلامیہ و عربیہ کے لیے بھی بڑا المناک سانحہ ہے، مولانا ایک ادیب و صحافی صاحب دل و دردمند اور زبان ہوشمند کے حامل ہی نہیں تھے، بلکہ موجودہ زمانے کے رمز شناس عالم عربی میں اس وقت جو ایک بحران و تلاطم کی کیفیت ہے اس پر ان کی گہری نظر و بصیرت تھی، بیشک ان کا عمل اس پر تھا۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ دل گیری

مولانا جس خاندان سے تعلق رکھتے تھے، یہ پورا خاندان حضرت سید احمد شہید

رحمۃ اللہ علیہ سے خاندانی نسبت رکھتا ہے، مولانا کے دادا حضرت سید خلیل الدین حسنی جو ایک باوجاہت اور بااثر شخصیت کے حامل تھے، اپنے خاندانی اثرات کی وجہ سے عقیدہ توحید پر پختہ یقین رکھتے تھے، اس زمانے کے مشہور عالم ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ سے بیعت و ارادت کا تعلق رکھتے تھے، یہ وہ زمانہ ہے جس کے بارے میں حضرت مولانا علی میاں صاحب ”تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی“ میں تحریر فرماتے ہیں: ”ہماری اس صدی کے آغاز میں اگرچہ انگریزوں کے دم قدم سے مادیت کے قدم اس ملک میں جم گئے تھے اور اہل دل بڑے درد سے کہہ رہے تھے کہ:۔

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

پھر بھی عشق الہی کی کہیں کہیں دکانیں قائم تھیں، جہاں سے جذب و شوق اور درد و محبت کا سودا ملتا تھا، ان دکانوں میں دو دکانیں خاص طور پر مرجع خاص و عام تھیں، ایک گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خانقاہ، دوسرے گنج مراد آباد میں حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادیؒ کی خانقاہ۔ دونوں نے اپنی اپنی جگہ درد و محبت و اتباع سنت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔“

مولانا محمد واضح صاحب ندوی کے دادا حضرت گنگوہیؒ سے اور ان کے نانا مولانا سید عبدالحی حسنی رحمہ اللہ حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادیؒ سے وابستہ تھے، دونوں دکان عشق کا سلسلہ آکر ان کے بھائیوں اور ان کی ذات سے مل جاتا ہے، اسی

نسبت کے تعلق سے ان کے والد کا نام رشید احمد رکھا گیا اور اسی نسبت کی بنا پر مولانا محمد واضح صاحب کا نام محمد واضح رشید قرار پایا، اس لیے پورے گھرانے میں درد و محبت، جذب و مستی، اتباع سنت، احترام شریعت، حدیث نبویؐ کے ساتھ عشق کا نمونہ جو ملتا ہے وہ نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے، وہ ے

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسنا کے ندانند جام سنداں باختن

کا نمونہ تھے۔

مولانا کی تعلیم و تربیت ان کے بڑے ماموں حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اور دوسرے ماموں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر تربیت ہوئی تھی اور یہ پورا خاندان بلکہ یہ تینوں بھائی جناب حضرت مولانا محمد ثانی ندوی مرحوم، حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندوی اٹال اللہ حیاتہ، جناب مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ کو خالص دینی تعلیم دی گئی اور اس کا اہتمام کیا گیا کہ خاندان کی روایات و خصوصیات کو پوری طرح منتقل کر دیا جائے، اگرچہ مولانا محمد واضح صاحب نے ندوہ سے تخصص سے فراغت کے بعد بعض اعزہ کے مشورہ سے انگریزی زبان کی تعلیم حاصل کی اور دہلی ریڈیو نشریات میں انھوں نے ملازمت اختیار کر لی تھی مگرچہ ان کے مزاج و افتاد طبع کے یہ ملازمت خلاف تھی، لیکن اس میں بہت سے دینی فوائد انہیں حاصل ہوئے، عربی زبان میں اعلام کی زبان، تحریر و تقریر دنیا کے حالات پر

نظر، عالم عربی و اسلامی میں تیزی سے تبدیلیاں آرہی تھیں اس کا صحیح تجزیہ، یہ کہنے کو تو بہت آسان ہے، لیکن واقعات کو پڑھ کر صحیح رخ متعین کرنا یہ کام آسان نہیں، اس سلسلے میں بڑے بڑے علماء سے دھوکہ ہو جاتا ہے، مثلاً مصطفیٰ کمال اتاترک کے حالات کو دیکھتے کہ ہمارے بہت سے علماء نے اس کو اسلام کا قائد لکھا ہے، اسی طرح جمال عبد الناصر کے بارے میں بہت سے ہمارے ہندوستانی علماء کو غلط فہمی رہی کہ وہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا علمبردار بن کر دنیا کے سامنے آیا ہے، حالانکہ دونوں کے دونوں مغرب کی طرف سے اسلام کے نظام کو پاش پاش کرنے کے لیے دین کا لبادہ اوڑھ کر آئے اور اخیر میں اس کی حقیقت سب کے سامنے آگئی، مصطفیٰ کمال نے رہی سہی حکومت اسلامیہ کا نام و نشان بھی مٹا دیا۔ جس طرح جمال عبد الناصر نے اسلام کے نام کو، اسلامی خصوصیات کو، جامعہ ازہر کی روایات کو چن چن کر مٹایا، اس کا لوگوں کو بہت دیر میں اندازہ ہوا، چونکہ مولانا کی عالم اسلام کی صحافت پر نظر تھی، حالات حاضرہ پر گہرا مطالعہ تھا اس لیے وہ عالم اسلامی و عربی کے فتنوں کی حقیقت حال سے واقف تھے، یہ اپنے دونوں ماموں صاحبان کی تربیت کا نتیجہ تھا، چنانچہ خصوصیت سے حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں پوری قوت سے قومیت عربیہ کی تردید کی جس کو انہوں نے اسلام کے لیے اعلان جنگ قرار دیا، اسی طرح ہندوستان اور دیگر ممالک کے حالات پر ان کی گہری نظر تھی، عراق و پاکستان، شام و مصر، ان ملکوں کی صحافت کو وہ پڑھتے تھے، اور اس پر جب وہ پوری طرح تیار ہو چکے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی نظام

کے تحت ان کو دہلی سے لکھنؤ دارالعلوم ندوۃ العلماء لایا گیا کہ دارالعلوم کو ایسے شخص کی ضرورت تھی جو ادب و انشاء میں انفرادی شخصیت کا مالک ہو، اور دنیا کے حالات کا وہ جائزہ لے سکے اور اس کی روشنی میں طلبہ میں دعوت کا جذبہ پیدا کر سکے، تاکہ دفاع عن الاسلام کا قلوب میں داعیہ پیدا ہو، اس لیے جن طلبہ نے ان سے پڑھا، یا پڑھ رہے تھے ان کا یہ بیان ہے کہ جب خاموشی میں ان کو چھیڑا جاتا تو معلومات کا ایک سیل رواں ابلنے لگتا تھا، اسی طرح جب ”الرائد“ کے وہ چیف ایڈیٹر بنائے گئے اور اس میں ان کی تحریریں شائع ہونے لگیں تو ابوظہبی کے ایک وزیر نے کہیں اس کو پڑھا اور پڑھ کر آئے تو اس ناچیز سے ذکر کیا کہ جو شخص یہ تحریر لکھ رہا ہے اس کو العین بلا کر العین یونیورسٹی میں ان کا محاضرہ رکھا جائے، جب مولانا سے ملاقات پر اس کا ذکر کیا تو وہ مسکرا کر رہ گئے۔ شہرت و ناموری سے گریزاں تھے وہ اللہ کے ان برگزیدہ بندوں میں سے تھے جن کی صفت یہ تھی ”رُبَّ أَشْعَثٍ أَغْبَرَ لَا يُؤْبَهُ لَهُ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَا بُرَّه“ (مسند البراء، رقم: ۶۴۵۹)

حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو ان تینوں بھائیوں سے خصوصی تعلق تھا، خاص طور پر حضرت مولانا محمد ثانی کے انتقال کے بعد حیات کے آخری زمانے میں دیکھا کہ جب یہ حضرات مولانا کے سامنے سے تھوڑی دیر کے لیے بھی روپوش ہو جاتے تو تلاش کراتے اور بے چین ہو جاتے۔

”اوجز المسالك“ پر جب اس ناچیز کی تحقیق تمام ہو چکی تھی اور طباعت کے لیے جا چکی تھی تو انتقال سے چند روز پہلے میری ہندوستان آمد ہوئی، ۲۹ شعبان ۱۴۲۰ھ کو

میری والدہ کا انتقال ہوا اس سلسلے میں ہندوستان آنا ہوا وہاں سے لکھنؤ ندوہ آمد ہوئی، حضرت مولانا علیل تھے اس ناچیز نے عرض کیا کہ مجھے اوجز پر آنجناب کی تحریر چاہیے، حضرت مولانا نے مولانا محمد واضح صاحب ندوی سے لکھنے کے لیے کہا، انہوں نے بہترین تحریر چند گھنٹے میں لا کر دیدی، حضرت نے پسند فرمایا، جس کو اوجز کے شروع میں لگا دیا ہے۔

حضرت مولانا کی فکر کو جس طرح انہوں نے سمویا تھا اور انہوں نے اپنی کتاب ”أبو الحسن علي الحسني الندوي منابع فكره ومنهجه“ میں پیش کیا ہے وہ انہیں کا حصہ تھا، وہ مقدمہ کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”حضرت شیخ ابوالحسن ندوی ایک جامع شخصیت کے مالک تھے، وہ مختلف سرچشموں سے سیراب ہوئے تھے، وہ مفسر و محدث اور ادیب تھے، مفکر اور کاتب بھی تھے نیز مؤرخ بھی تھے، ان کا ایک خاص اسلوب تھا“۔

شیخ محمد المجذوب استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ ان کے اسلوب کی تعبیریوں کرتے تھے: وہ ایسے مفکر ہیں جو مشکل مسائل کی تہ تک پہنچ کر اس کا حل تلاش کر لیتے ہیں اور فکر اسلامی اور فکر عربی کے درمیان تقارنہ کرنے کا انہیں گہرا اندازہ تھا، یہ ان کے گہرے مطالعہ کا نتیجہ ہے، وہ صرف کتابوں اور جذبات پر اعتماد نہیں کرتے، ان کا اسلوب ممتاز ہے ادبی حیثیت سے اور علمی تحریر کی وجہ سے دل و فکر دونوں پر اثر انداز ہوتا ہے، یہ ذوق شیخ ندوی کو قرآن کریم کے مطالعہ اور اپنے استاذ علامہ سید سلیمان ندوی سے

ملا تھا، سید صاحب کو ادب عربی میں بہت انچا ذوق تھا، اسی طرح قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنے کا ایک خاص انداز تھا۔

بہر حال مولانا محمد واضح صاحب ندویؒ حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی فکر کو جذب کئے ہوئے تھے اور اس کے داعی تھے، اس کی پوری نمائندگی ان کی کتاب ”الغزو الفکری“ میں نمایاں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے عشق اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت، اولیاء اللہ اور صلحاء امت سے گہری عقیدت جو اس خاندان کا شعار رہا ہے، اس پر وہ پوری طرح گامزن تھے، انہوں نے حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا ندویؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہم کی مجالس میں شرکت کی اور ان کے نفوس زکیہ سے فیضیاب ہوئے تھے، ان کو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلویؒ اور حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ جو ان کے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد ثانی صاحبؒ کے رفیق درس تھے ان سب سے محبت و عقیدت تھی، اور ان سب کی ان پر خاص شفقت کی نظر تھی، یہ ان کے لیے بڑی سعادت مندی کی بات تھی، اس بات نے ان کی شخصیت بنانے میں، ان کے مزاج کو روحانی رنگ میں رنگنے میں خاص اثر پیدا کر دیا تھا، بلاشبہ کہنے والے نے خوب کہا ہے اور اس قول کے وہ مصداق تھے۔

خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

انہوں نے جو میراث اپنی خاندان سے پائی تھی اس کے وہ حامل تھے، ان کی کتاب ”سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ“ کو پڑھنے کے بعد ان کی یہ خوبی پوری طرح نمایاں ہو جاتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور صحابہ کرامؓ کی محبت میں یہ کتاب تالیف کی ہے، جس میں ان کا یہ فقرہ کہ ”صحابہ کرامؓ کی محبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا جزء ہے، جس ذات گرامی کی محبت کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، صحابہ کرامؓ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے شدید محبت کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا، انہوں نے اپنی جانوں کو آپؐ کی ذات گرامی پر فدا کر رکھا تھا، جن کے ذریعے ہم تک قرآن پاک اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پہنچیں۔

مجھے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قیام کے زمانے میں مولانا محمد واضح ندوی رحمہ اللہ کے بعض مکاتیب جو ہمارے استاذ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے پاس پہنچے تھے اور ان کا جواب حضرت شیخ الحدیثؒ نے لکھوایا تھا ان کو دیکھنے کا موقع ملا ہے، جن میں مولانا نے اپنے حالات حضرت شیخ کے یہاں تحریر کیے تھے اور حضرت شیخ نے اسی شفقت آمیز طریقے سے جواب دیئے تھے اُن کو پڑھ کر رشک آتا تھا، شاید بعض خطوط عزیز گرامی مولانا محمود حسنی کے پاس موجود ہوں، اس لیے حضرت شیخ ہی کا اصرار تھا کہ ایسے فاضل کی ندوۃ العلماء کو ضرورت ہے، اسی لیے حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے باصرار دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ان کی تقرری کرائی تھی۔

ادھر چند سالوں سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ابتدائے سال میں بخاری

شریف کے افتتاح اور اخیر سال میں بخاری شریف کے ختم کرانے کی سعادت اس ناچیز کو حاصل رہی ہے، اکثر وہ خود درس میں شریک ہوتے اور بہت ہی حوصلہ افزائی اور محبت کے کلمات ارشاد فرماتے۔ انہوں نے اپنے پوتوں کے بارے میں مجھ سے کہا کہ انہیں اوائل پڑھا کر اجازت دی جائے اور خود اپنے سامنے پڑھوایا اور اجازت دلوائی اور ان کے صاحبزادے مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی جو عزیز زبانی ڈاکٹر ولی الدین ندوی کے رفیق درس ہیں دونوں میں بڑی محبت ہے، اس ناچیز نے ان کے ذمہ سوانح مولانا محمد یوسف کے ترجمہ کا کام سپرد کیا، اس لیے کہ عالم عربی میں رہنے کے بعد بہت سے علماء و دكاترہ نے تبلیغی کام کو سمجھنے کی خواہش کی، میرے علم میں مولانا محمد ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ”سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی“ سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے جو حضرت شیخ الحدیث کے شاگرد خاص اور خلفاء میں سے تھے، تبلیغی کام کے سلسلے میں وقت بھی لگا چکے تھے اور اس کام کو سمجھے ہوئے تھے، حضرت شیخ الحدیث کے حکم پر اور حضرت مولانا علی میاں ندوی کی نگرانی میں یہ کتاب تصنیف کی تھی، اس لیے اس کتاب میں تبلیغی جماعت کی پوری تاریخ آگئی ہے، اس ناچیز نے اس کے لیے عزیز مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی کو مکلف بنایا اور ان کے والد کو باصرار اس کا نگران بنایا کہ آپ کی نگرانی میں کام ہوگا، الحمد للہ یہ ترجمہ مکمل ہوا، عربی عبارت کی روانی اور بہت سے فقرات کی ایسی تعبیر جس پر کسی کو کوئی اعتراض کی گنجائش نہ ہو ان تعبیرات کے صحیح کرنے میں مولانا محمد واضح صاحب ندوی کا بہت بڑا حصہ رہا ہے، اس وقت اگر تبلیغی کام کو کوئی شخص سمجھنا چاہے یا

اس پر ریسرچ کرنا چاہے تو اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں، الحمد للہ اس ناچیز کے مقدمہ کے ساتھ یہ کتاب بیروت سے شائع ہوئی اور بہت مقبول ہوئی۔

اسی طرح بہت سے اہل علم کا اوجز المسالک اور بذل المجہود کی تحقیق کے بعد یہ مطالبہ رہا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے حالات بھی عربی زبان میں اچھے اسلوب میں آنے چاہئیں، اس کے لیے اس ناچیز نے حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی کتاب ”شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا“ کا انتخاب کیا اور مولوی سید جعفر مسعود حسنی ندوی کے حوالہ کیا اور کہا میں خود بھی مشورہ دیتا رہوں گا، چنانچہ انہوں نے بڑی محنت اور فصیح زبان میں اس کا ترجمہ کیا، بعض جگہ میں نے اضافہ کرایا ہے، مثلاً حضرت شیخ کے درس کی پندرہ خصوصیات جو اردو میں تقریر بخاری میں اس ناچیز نے لکھی ہے، اس کا ترجمہ بھی مولانا سید جعفر مسعود حسنی صاحب نے اچھے انداز میں تحریر کیا اور کتاب میں شامل کیا گیا، پھر ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کتاب کا ایک جزء حضرت شیخ کی تالیفات اور اس کے تعارف پر بھی ہونا چاہیے اس کے لیے میں نے مولوی سید جعفر مسعود حسنی ندوی کے ساتھی عزیز ذاکٹر ولی الدین ندوی کا مقالہ جو انہوں نے ”الإمام محمد زکریا وآثاره في علم الحديث“ کے عنوان سے تحریر کیا تھا جو دہلی کے مجلہ محکمہ احمدیہ میں شائع ہو چکا تھا، مولانا محمد واضح صاحب ندوی کے مشورہ سے اس کو بھی شامل کر دیا گیا اس کو انہوں نے بہت پسند فرمایا کہ یہ جزء ضروری ہے، یہ کتاب بھی بیروت سے شائع ہوئی، میرے خیال میں حضرت شیخ کی سوانح میں یہ سب سے

جامع کتاب ہے۔

جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ اور مرکز الشیخ ابوالحسن ندوی جس کے مشورہ میں حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندوی دامت برکاتہم اور ان کے ساتھ مولانا محمد واضح صاحب ندوی برابر شریک رہے، بارہا تشریف لائے اور حوصلہ افزائی کے کلمات تحریر کیے، وہاں کے جلسوں میں نہایت اہتمام سے شریک ہوتے اور آخری جلسہ جو سال گذشتہ ہوا تھا جس میں وہاں کی نئی عمارت جس میں دارالحدیث الشریف ہے جس کی بنیاد حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندوی کے ہاتھوں رکھی گئی تھی اس کی تکمیل اور افتتاح کے موقع پر ابو ظہبی کے تین خصوصی مہمان اس میں شریک ہوئے تھے اس جلسے میں شروع سے اخیر تک بیٹھے رہے اور اسٹیج کے بجائے اصرار کے باوجود سامنے مجمع عام میں بیٹھے رہے یہ ان کے تواضع کی دلیل تھی اور فرمایا: حدیث شریف کی برکت سے جو نورانیت محسوس کی ہے وہ بیان نہیں کر سکتا اور دعائیں دیتے رہے، ابھی آخری سفر میں لکھنؤ میں رخصت کے وقت کچھ مزاحیہ کلمات کہے، میں نے اس کا جواب دیا تو مسکرائے، مگر یہ کیا معلوم تھا کہ اتنی جلدی ہم سب کو داغ مفارقت دے کر اس عالم فانی سے رخصت ہو جائیں گے۔

نہ سمجھے تھے کہ اس جانِ جہاں سے یوں جدا ہوں گے

یہ سنتے گوچلے آئے تھے اک دن جان ہے جانی

اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے، اور ان کے عالمی روحانی فیض کو دوام

بخشے، آمین۔

ہرگز نہ میرا آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

اور ان کے اس دنیا سے چلے جانے سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں جو خلا پیدا ہوا خاص طور پر حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندوی پر جو تاثر ہے وہ بیان نہیں کیا جاسکتا، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا اور پورے خاندان کو صبر جمیل کی دولت عطا فرمائے، اس لیے ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندوی کے کاموں میں بھر پور تعاون کریں، یہ دعا کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے سائے کو تادیر قائم رکھے، یہ مختصر تاثرات لکھ دیا ہے، آئندہ انشاء اللہ تفصیلی مقالہ لکھا جائے گا۔

عالم ربانی

حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلویؒ

(۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء - ۱۴۴۰ھ/۲۰۱۹ء)

عالم ربانی حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلویؒ صاحبزادہ گرامی حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ اس دار فانی سے دار جاودانی کی طرف رخصت ہو گئے۔

ہمارے شیخ و استاذ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدنی نور اللہ مرقدہ کے صاحبزادہ گرامی وجانشین اور ان کی خانقاہ کو تازہ و زندہ رکھنے والی شخصیت جو ادھر عرصہ سے بیم ورجا کے درمیان زندگی گزار رہی تھی، کئی امراض میں مبتلا تھے اور کشمکش جاری تھی اور رمضان سے قبل حرمین شریفین کا عشق نبویؐ کی محبت میں اس دیار حبیب کی زیارت کے لیے سفر کیا، وہاں کے قیام میں بھی علالت کا سلسلہ رہا، اللہ کے باتوفیق ان کے خدام اور حضرت مولانا عبدالحفیظؒ کے صاحبزادگان خدمت و تیمارداری کی پوری ذمہ داری ادا کرتے رہے، یہ ناچیز بھی رمضان المبارک میں حرمین شریفین کی زیارت

کے موقع پر ہاسپٹل میں مزاج پُرسی کے لیے حاضر ہوا، بیحد خوشی کا اظہار فرمایا، ان کی زیارت سے اس ناچیز کو مسرت ہوئی کہ ان کی طبیعت و صحت الحمد للہ بہتر ہو رہی ہے۔

ادھر مجھے معلوم ہوا کہ ہندوستان تشریف لائے ہیں تقریباً ۲۰ دن کے عرصہ میں علالت و صحت کی خرابی کی بنا پر ان کو میرٹھ کے خصوصی اسپتال میں داخل کیا گیا، مدرسہ مظاہر علوم کے ناظم مولانا سلمان صاحب مظاہری دامت برکاتہم اور ان کے اعزہ واقارب نے پوری خدمت و تیمارداری کا حق ادا کیا، لیکن قضا و قدر کے فیصلے اپنی جگہ اٹل ہوتے ہیں اور ۱۰/۱۲/۱۴۴۰ھ ۱۲/۱۲/۲۰۱۹ء کو معلوم ہوا کہ حضرت مولانا کا انتقال ہو گیا اور اس دار فانی سے دار جاودانی کی طرف رخصت ہو گئے، یہ ناگہانی خبر سن کر دماغ پر بیحد اثر ہو رہا ہے کہ ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی یادگار ہم سب سے جاتی رہی انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا کی وصیت کے مطابق ان کے دادا حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کی قبر کے قریب تدفین عمل میں آئی، عصر کے بعد غسل و کفن کی سنت ادا کی گئی، جنازہ کی نماز کا ۱۱ بجے شب میں اعلان کیا گیا تھا، زائرین کا ہجوم بڑھتا گیا، نماز جنازہ حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ نے پڑھائی جن کا ان سے بہت گہرا تعلق اور محبت کا رشتہ تھا، حاضرین کا اندازہ ایک لاکھ سے متجاوز بتایا گیا، یہ بھی ہو سکتا تھا کہ دوسرے دن ۱۱/۱۲/۱۴۴۰ھ صبح کو نماز جنازہ کا وقت رکھا جاتا لیکن ہجوم بے قابو ہو جاتا اس لیے شرعی حکم کے تحت جنازہ میں

تجیل کی گئی۔

حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی کی وفات کے حادثے کی خبر سے دل و دماغ پر گہرا اثر پڑا، وہ اپنے جلیل القدر والد حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ جن کی ذات گرامی سے اس ناچیز کا ۱۹۵۱ء سے لیکر اخیر زندگی تک تعلق قائم و دائم رہا، ان کی نظر کیمیا اثر نے اس ناچیز کو ترقیات کے بام عروج پر پہنچایا، ان کی مؤلفات حدیث و دیگر علمائے ہند کی مؤلفات اور محدثین کی کتابوں کو تحقیق و تعلیق سے شائع کرنے اور پورے عالم میں ان کی نشر و اشاعت نیز ہندوستان و بیرون ہند میں درس و تدریس کا سلسلہ تقریباً ۶۰ سال سے جاری ہے، یہ سب ان کی دعاؤں کا فیض ہے۔

اسی لیے حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب اور مدرسہ مظاہر علوم سے اس ناچیز کا تعلق ۱۹۵۱ء سے لیکر اب تک قائم و دائم ہے، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی خانقاہ اپنے زمانے میں ان کے اکابر کی روایات و خصوصیات کی جامع تھی، بقول مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے: ”وہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کی اس دور میں زندہ یادگار ہے۔“

ان کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی نے ان کی خصوصیات و روایات کو زندہ و باقی رکھا تھا، ان کا سینہ بھی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آتش سوزاں کی آماجگاہ تھا، جس سے بہت سے بندگان خدا کو ایمان کی حرارت اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت حاصل ہو رہی تھی، افسوس کہ وہ آج ہمارے درمیان سے

عالم آخرت کی طرف رخصت ہو گئے، بیشک ان کی وفات سے نہ صرف مدرسہ مظاہر علوم جس کے وہ سرپرست تھے، جس کی ترقی اور روایات کی بقاء کے لیے کوشاں تھے ان کے وجود سے بہت بڑی تعداد علماء و فضلاء اور عام لوگوں کی مظاہر کی طرف توجہ ہوتی رہی ہے، وہ ہر طرح کی اعانت و نصرت کے لیے تیار رہتے تھے، ان کی وفات سے بیشک مظاہر کا بہت بڑا خسارہ ہے، اسی طریقے سے ان کی خانقاہ ذکر و شغل کا بہت بڑا مرکز تھی، جس سے ہزاروں بندگان خدا فیضیاب ہو رہے تھے، ان کا وسیع دسترخوان اسی طرح جاری و ساری تھا جس طرح سے ان کے والد نور اللہ مرقدہ کی حیات مبارکہ میں تھا، افسوس کہ وہ ہمارے درمیان سے جاتے رہے، بیشک ان کے انتقال سے پوری امت اسلامیہ کو خسارہ پہنچا، خاص طور پر ہندوستانی مدارس و علماء جن کو اس دور میں اس طرح کی خانقاہی زندگی کی اشد ضرورت ہے، اس میں یہ بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔

حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب نے اپنے والد حضرت شیخ الحدیث کی زیر تربیت رہ کر اور حضرت اقدس رائے پوریؒ سے فیضیاب ہو کر روحانیت و ربانیت کی عجیب و غریب شخصیت بن گئے تھے، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ نے فرمایا تھا: ”مولوی طلحہ مادر زاد ولی ہیں۔“

ان کی خانقاہ دکان عشق و معرفت کا مرکز بن گئی تھی، انہوں نے اپنے جلیل القدر والد کی تعلیمات کی نشر و اشاعت انہیں کے طریقے پر عام کرنے کی کوشش کرتے رہے، اس سلسلے میں متعدد کتابیں شائع کرائیں اور تقسیم کرایا، نیز بہت سے مکاتب قائم کرائے

جن کی وہ سرپرستی بھی فرماتے تھے، افسوس کہ قضا و قدر کے فیصلے جو اپنی جگہ بہت اٹل ہیں ان کی وفات سے اس میدان میں ایک عالمی خلا پیدا ہو گیا، کوئی بدیل نظر نہیں آ رہا ہے، ہماری اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کا فیض ان کے والد جلیل نور اللہ مرقدہ کے شاگردوں و خلفاء اور خود حضرت مولانا کے خلفاء و متعلقین کے ذریعے زندہ و تابندہ رہے۔

نیز انہوں نے اپنی زندگی میں اپنی خانقاہ کی ذمہ داری حضرت مولانا محمد سلمان صاحب مظاہری کے سپرد کی ہے، اللہ تعالیٰ انہیں پوری قوت و صحت کے ساتھ مظاہر علوم کی ذمہ داریوں کے ساتھ اس خانقاہ کو سنبھالنے اور اس کو اس کی روایات کے ساتھ باقی رکھنے کی قوت و ہمت عطا فرمائے، یہی درخواست پورے خاندان کا ندھلہ کے علماء سے ہے، خواہ وہ سہارن پور مظاہر میں ہوں یا دوسری جگہ ہوں، ان کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر ان کے درجات بلند فرمائے اور اعزہ واقارب اور ان کے متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

مفصل مقالہ مستقل آئندہ آ رہا ہے، اس وقت اسی پر اکتفا کر رہا ہوں۔

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

عالم ربانی

حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب^{رح}

(۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۶ء - ۱۴۴۱ھ / ۲۰۱۹ء)

اس عالم کی کسی چیز کو بقا و دوام نہیں، لیکن بعض واقعات ایسے پیش آتے ہیں جن کا تعلق کسی ایک خاندان یا ایک فرد سے نہیں، بلکہ پورے ملک و ملت پر اس کا اثر پڑتا ہے، انہیں ناگہانی واقعات میں عزیز گرامی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب متالا کا سانحہ ارتحال ہے، چند دن پیشتر یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ اپنے پورے خاندان کے ساتھ کناڈا کے دورے پر تشریف لے گئے تھے، وہاں دل کا دورہ پڑا ہے اور ایمر جنسی اسپتال میں داخل کئے گئے ہیں، خاص طور پر صاحبزادہ گرامی حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کے سانحہ ارتحال کا ان کے دل پر بہت اثر رہا ہے، کل سے تقریباً پندرہ بیس مرتبہ کناڈا کے نمبر سے اس ناچیز پر فون آرہا تھا، لیکن آواز کٹ کٹ جا رہی تھی، یہ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کہاں سے فون آرہا ہے، لیکن آج نماز فجر کے بعد عزیز گرامی مولانا محمد یونس گجراتی نے مدینہ منورہ سے فون کیا کہ میں بھی آپ کو فون کر رہا ہوں جواب نہیں مل رہا ہے، حضرت مولانا محمد

یوسف صاحب متالا کا کل شام کناڈا کے لحاظ سے ۱۰ محرم کی تاریخ تھی، عاشورہ کا دن تھا سانحہ انتقال پیش آگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون پورے حلقے پر رنج و غم کا عالم طاری ہے اور آج وہاں کے وقت سے ظہر کے بعد نماز جنازہ ہونے والی ہے، تدفین بھی کناڈا میں طے کی گئی ہے۔

ان حالات کو سننے کے بعد خود اس ناچیز کے دل و دماغ پر اس کا اثر ہے کہ کچھ بھی لکھنے کی ہمت نہیں ہو رہی ہے، لیکن ضرورت محسوس ہوئی کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے تلامذہ و خلفاء میں حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب متالا اور ان کے چھوٹے بھائی عزیز گرامی مولانا محمد یوسف صاحب متالا سے بہت ہی محبت کا رشتہ رہا ہے، یہ دونوں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے باغ کے پھول تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی توجہات ان دونوں پر سایہ فگن تھیں، ان کی ذکر و دعاؤں میں خاص لذت و حلاوت تھی، حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب متالا کے حالات یہ ناچیز لکھ چکا ہے، اس وقت تو عزیز گرامی مولانا یوسف متالا کے بارے میں تحریر کر رہا ہوں کہ وہ عاشق رسول تھے، ذہین و فطین تھے، قاری و عالم تھے، شیخ کے مزاج شناس تھے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بڑے بھائی کو زامبیا کی دعوت پر مدرسہ قائم کرنے کے لیے بھیجا، جہاں پر ان کا مدرسہ دعوت و ذکر کا مرکز بنا ہوا ہے، اور مولانا یوسف متالا صاحب کو انگلینڈ بھیجا، جہاں ان کا مدرسہ دارالعلوم بری انگلینڈ میں قائم ہے اور اس مدرسہ کے فضلاء نے پورے انگلینڈ، کناڈا، امریکہ اور دوسرے مغربی ملکوں میں جا کر مدارس قائم کئے اور دعوت و ارشاد کا کام کر رہے

ہیں، خانقاہیں بنائیں اور مولانا کی ذات گرامی سے اصلاحی تعلق قائم رکھا۔

اس ناچیز نے تین مرتبہ لندن کا سفر کیا اور تینوں مرتبہ ان کے مدرسہ میں قیام اور بیان کا موقع ملا، آخری سفر گزشتہ سال ختم بخاری کے سلسلے میں ہوا تھا۔ وہاں کے ذکر کی مجلس میں شرکت اور بیان انہوں نے کرایا تھا، کافی علماء و طلبہ اس مجلس ذکر میں شریک تھے، اسی طریقے سے یہ معلوم ہوا کہ دورہ حدیث میں ہر سال چالیس، پینتالیس طلبہ فارغ ہوتے ہیں، ان کے علاوہ چار یا پانچ مدارس بنات کے بھی قائم کئے ہیں، جن میں بعض مدارس میں جا کر ختم بخاری کرایا اور بعضوں کے لیے میرے بیان کو ٹیپ کرا کے بھجوا یا، بہت نورانی منظر تھا، اس سال بھی انہوں نے لندن کے سفر کی دعوت دی تھی لیکن افسوس کہ حاضری ممکن نہ ہو سکی۔

انہوں نے اپنے پیچھے کئی تالیفات چھوڑی ہیں، خاص طور پر قرآن پاک کا ترجمہ، مختصر تفسیر سادہ انداز میں جو بہت ہی مفید ہے۔ سب سے بڑی یادگار ان کا دارالعلوم بری انگلینڈ ہے جس کی معاونت میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے خود شرکت فرمائی اور اس کی زیارت کے لیے خود اپنے بڑھاپے اور پیرانہ سالی میں انگلینڈ ان کے مدرسہ کا سفر کیا۔ اس موقع پر مدرسہ میں کئی کئی ہزار کا مجمع رہتا تھا، ایک دن تقریباً دس ہزار علماء و طلبہ و عوام کے مجمع کا اندازہ لگایا گیا ہے، روانگی کے دن عجیب و غریب منظر تھا، وہاں پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے ان کے مدرسہ میں حدیث شریف کا آغاز کرایا، ختم قرآن پاک کی مجلسیں ہوئیں، دعا کا یہ عالم تھا کہ آہ و بکا کا ایک خاص منظر لوگوں کے

سامنے آیا، مدرسہ کی کھلی فضا میں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ فرشتے اپنے پروں سے اسے ڈھانپنے ہوئے ہیں، اس کے بعد پھر حضرت نے دوبارہ لندن ان کے مدرسہ دارالعلوم بری انگلینڈ کا اور ان کے بھائی مولانا عبدالرحیم صاحب کے مدرسہ کا جو معہد الرشید چپاٹا کے نام سے مشہور ہے، ۱۹۸۱ء میں سفر کیا اور دونوں جگہ چند دن قیام فرمایا، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی طبیعت بہت خراب تھی لیکن مجلس میں حاضری کا یہ حال تھا کہ خاص طور پر جس دن ختم بخاری حضرت نے فرمائی دارالعلوم کے درودیوار، سبزہ زار و پتے پر ایک عجیب نمایاں منظر نظر آیا، لوگوں پر گریہ کی ایک خاص کیفیت طاری تھی، رونے اور جذباتی نعروں سے فضا گونجنے لگی، اس منظر کی تصویر کشی ممکن نہیں۔

آہ افسوس کہ آج حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی یہ یادگار بھی ہم سے رخصت ہوگئی، اس پر لکھنے کے لیے مستقل مقالہ کی ضرورت ہے، اس وقت اسی پر اکتفا کر رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے فیض کو ان کے صاحبزادگان اور شاگردوں و خلفاء جن کی بڑی تعداد انگلینڈ اور کناڈا وغیرہ میں پھیلی ہوئی ہے، اس کو عام کرنے کی کوشش کریں اور اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے صاحبزادگان اور رشتہ داروں کو اس حادثہ عظیمہ پر صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے، اس سے زیادہ اس وقت لکھنے کی ہمت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام میں درجات نصیب فرمائے، آمین۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آہ! محترم قاری مشتاق احمد صاحبؒ

صاحبزادہ گرامی

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ

(..... - ۱۴۴۱ھ / ۲۰۱۹ء)

آج بتاریخ ۱۲ اکتوبر ۲۰۱۹ء کو اچانک یہ خبر معلوم ہوئی کہ ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی کے صاحبزادے مدرسہ عالیہ عرفانیہ چوک لکھنؤ کے بانی جناب قاری مشتاق صاحب کا آج صبح انتقال ہو گیا، ان کی صحت ادھر عرصے سے خراب چل رہی تھی، اس ناچیز نے ایک ماہ پیشتر جب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے لیے سفر کیا تھا، اس میں ان کی مزاج پرسی کے لیے ان کے مدرسہ میں حاضری دی، ان کے صاحبزادے جناب امتیاز احمد سلمہ سے ملاقات ہوئی، والد صاحب کی خیر و خبر معلوم کی، انھوں نے بتایا کہ والد صاحب اوپر آرام کر رہے ہیں لیکن اوپر سے نیچے آپ سے ملاقات کے لیے اترنا چاہ رہے ہیں، چنانچہ اوپر سے نیچے لایا گیا، ان کی خیریت دریافت کی، بظاہر امید تھی کہ ان شاء اللہ صحت یاب ہو جائیں گے لیکن قضا و قدر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں، ان

کا آخری وقت آپہنچا تھا، موت نے ان کو اپنی آغوش میں لے لیا، یہی حال دنیا کے ہر مسافر کا ہوتا ہے، آج ۱۲ اکتوبر ۲۰۱۹ء کو صبح ۷ بجے انڈیا کے وقت کے مطابق ان کی روح اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف منتقل ہو گئی، **إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔**

دنیا نے کس کا راہِ فنا میں دیا ہے ساتھ

تم بھی چلے چلو جہاں تک چلی چلے

اس غمناک خبر کے سننے پر مختصراً اپنے تاثرات تحریر کر رہا ہوں، میری ان سے سب سے پہلی ملاقات آج سے تقریباً ۳۰ سال پہلے میری ندوۃ العلماء کی حاضری کے موقع پر جناب محترم مولانا معین اللہ صاحب ندویؒ کے ذریعہ ہوئی تھی، جناب محترم قاری صاحب مرحوم کا ان سے گہرا تعلق تھا، انھوں نے کسی کے ہمراہ قاری صاحب کے مدرسہ کی زیارت کے لیے بھیجا، یہ مدرسہ عرفانیہ شروع میں لکھنؤ کی ایک مشہور جگہ ”چوک“ میں ایک مسجد میں قائم ہوا تھا، اس میں ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جو قاری صاحب مرحوم کا دفتر تھا، اس کی زیارت سے معلوم ہوا کہ قاری صاحب تعمیر کا ارادہ رکھ رہے ہیں اور یہاں اچھے خاصے طلبہ پڑھ رہے ہیں، ان کے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے ۱۵ اگست ۱۹۸۶ء کو الہ آباد جانا مقدر ہوا جس کی تفصیل ناچیز نے اپنی کتاب ”داستان میری“ میں تحریر کی ہے، اس کے بعد قاری صاحب سے تعلق بڑھتا رہا اور اللہ کے فضل سے ان کے مدرسہ اور مسجد کی تعمیر میں حصہ لینے کی سعادت نصیب ہوئی اس لیے اُن سے تعلق مزید بڑھ گیا، اس لیے الہ آباد کے اسفار میں بھی اکثر میری موجودگی میں وہ

تشریف لاتے رہے اور لکھنؤ میں ندوۃ العلماء کی حاضری کے موقع پر ان کے مدرسہ میں حاضری اور ملاقات اور کبھی کبھی بیان کا موقع ملتا رہا، حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ اس تعلق کو بڑی محبت و پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے رہے، کئی مرتبہ فرمایا: قاری صاحب میں اللہ نے بڑی انتظامی صلاحیت دے رکھی ہے، ان کو ذہانت و فطانت سے بھی نوازا ہے اور یہاں لکھنؤ کے اس حلقہ میں بھی مقبول ہیں، شہر کے ذمہ داروں سے اور حکومت کے بعض لوگوں سے بھی ان کے تعلقات رہے، اس لیے دوسروں کی مدد کرنے کا انہیں موقع ملتا رہا۔

بہر حال یہ مدرسہ عالیہ عرفانیہ لکھنؤ کا ایک خاص مرکز بن گیا جس سے سیکڑوں حفاظ و قراء نکل چکے ہیں، یہ درجہ ششم عربی تک قائم ہے، اس کے بعد یہاں کے طلبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عام طور پر داخلے کے لیے جاتے ہیں، اس کے علاوہ قاری صاحب نے شہر کے باہر ایک انگریزی اسکول قائم کیا ہے جس کی نگرانی ان کے صاحبزادے جناب امتیاز احمد سلمہ کر رہے تھے، ادھر عرصے سے انھوں نے اپنے صاحبزادے کے ذمہ اس مدرسہ کی ذمہ داری بھی پورے طور پر ڈال دی تھی، ماشاء اللہ وہ اس کو چلانے اور ترقی دینے میں کافی محنت کر رہے ہیں، بیشک ان کے والد محترم نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی ان کے لیے بڑا سند تھی، قاری صاحب نے جس طرح ان کی تربیت کی پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سی خصوصیات سے نوازا ہے اور دادا صاحب کی دعائیں بھی ان کے ساتھ تھیں، اس لیے امید ہے کہ یہ مدرسہ اور قاری صاحب کا کام

قائم و دائم رہے گا اور ترقی کی راہ پر گامزن رہے گا، اہل خیر ہمیشہ ان کے ساتھ متعاون رہیں گے، قاری صاحب کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ اس کی تلافی کر دیں گے، ان کے لیے یہ ناچیز بھی ایصالِ ثواب کر رہا ہے اور اپنے متعلقین اور خاص طور پر جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ میں اس کا اہتمام کرایا جا رہا ہے۔

اور یہ کہنے سے رہ گیا کہ قاری صاحب محترم نے اس ناچیز کو اپنے والد شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی کی طرف سے ایک بڑے جلسے میں جو ۲ مارچ ۲۰۱۱ء کو الہ آباد میں ”آل انڈیا مظاہرہ قراءت“ کے عنوان سے قائم کیا گیا تھا، حقیقت میں یہ جلسہ بڑی منفرد نوعیت کا جلسہ تھا، اس میں انھوں نے اپنے والد صاحب رحمہ اللہ کے نام سے ایوارڈ سے بھی نوازا تھا، سب کی تفصیل ”داستاں میری“ میں آچکی ہے۔

اس سانحہ ارتحال پر یہ ناچیز جناب محترم قاری صاحب کے صاحبزادے اور ان کے اعزہ کو سلام مسنون کے بعد تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے، اور ان کی مغفرت اور بلندی درجات کے لیے اور عند اللہ ان کے کام کی قبولیت کے لیے دعا گو ہے، آمین۔

جناب مولانا مرزا اشفاق احمد اصلاحیؒ

(..... - ۱۴۴۱ھ / ۲۰۱۹ء)

آج ابھی ۲۸ اکتوبر ۲۰۱۹ء کو فون کے ذریعہ مجھے یہ اطلاع دی گئی کہ مدرسۃ
الاصلاح کے ناظم جناب مولانا اشفاق احمد صاحب اصلاحی اس دار فانی سے دار آخرت
کی طرف رخصت ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم موضع ابدیہ، ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے، ان کا نانہالی
رشتہ مفسر قرآن جناب مولانا اختر احسن اصلاحی سے ہے، مولانا اُن کے نواسے تھے، اور
مولانا اختر احسن اصلاحی کا شمار حضرت مولانا حمید الدین فراہیؒ کے خاص شاگردوں میں
ہوتا، مولانا اشفاق صاحب نے اپنے نانا کی نگرانی میں رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کی تھی،
مولانا زہد و قناعت و توکل و استغناء جیسی صفاتِ حسنہ میں نادر المثل تھے، ان صفات
میں وہ علماء کی جماعت میں امتیازی شان رکھتے تھے، مدرسۃ الاصلاح کی کبھی کوئی چیز اپنی
ذات کے لیے استعمال نہیں کرتے تھے، حالانکہ ان کے والد صاحب مرحوم نے تازندگی
اس مدرسہ کی خدمت انجام دی اور اس کی ترقیات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، یہ ناپزیر بھی
ابتدا میں مدرسۃ الاصلاح کا طالب علم رہا ہے، مولانا مرحوم بعض کتابوں میں میرے

رفیق درس بھی رہے ہیں، اس لیے یہ ناچیز ان کی شخصیت سے اچھی طرح واقف ہے،
 ”صاحب البیت اُدری بما فیہ“۔

اللہ تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے اور ان کی وفات سے مدرسۃ الاصلاح میں
 جو خلا پیدا ہوا ہے ان کا بدل عطا فرمائے، آمین۔

یہ ناچیز مدرسۃ الاصلاح کے اراکین اور مولانا کے اعزہ واقارب کی خدمت
 میں سلام مسنون کے بعد تعزیت پیش کرتا ہے، اور ان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

میرے چھوٹے بھائی زبیر احمد کا سانحہ ارتحال

(۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء - ۱۴۴۱ھ / ۲۰۱۹ء)

یہ میرے اخیانی بھائی تھے، ان کی پیدائش ۱۹۵۰ء میں ہوئی، انہوں نے انٹر تک تعلیم بھی حاصل کی، حساب و کتاب کی مہارت انہیں حاصل تھی، زمین کی پیمائش اور اس کے کاغذات کی نوعیت سے پوری طرح واقف تھے، ان کو اس ناچیز نے ۱۹۷۷ء میں ابوظہبی بلایا، یہاں پر دائرہ بلد یہ اور اس کے بعد ادنوک کمپنی میں ان کو مناسب جگہ پر رکھوایا تھا، انہوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ یہاں پر گزارا، اخیر عمر میں جب وہ ۶۰ سال کو پہنچے تو ریٹائر ہو کر ہندوستان واپس چلے گئے وہاں اپنی آل اولاد کی تربیت و نگرانی کے علاوہ جامعہ اسلامیہ کے حسابات و معاملات کی پوری خبر رکھتے تھے اور اس کی نگرانی کرتے تھے، ان کو جامعہ اسلامیہ کی کمیٹی کا خزانچی بنایا تھا، انہوں نے وہاں کے حسابات میں بہت دقیق و باریکی سے دیکھتے تھے اور ان کے مشوروں سے فائدہ پہنچتا تھا، اس ناچیز

کو سب سے زیادہ ان کی ذات پر اعتماد تھا اور وہ یہ سب کام عبادت سمجھ کر کرتے تھے، دینی کتابوں کے پڑھنے کا انہیں شوق تھا بہت سی کتابیں خرید کر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رائے بریلی حاضر ہوئے وہاں پر لو کان العلم عند الشریا لتناولہ اہل فارس اس حدیث کی تلاش ہو رہی تھی، انہوں نے وہاں پر ”محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے“ جو اس ناچیز کی پہلی تالیف ہے، اس کو نکال کر حضرت کے سامنے پیش کیا جس میں اس کا حوالہ بھی درج تھا، جس پر حضرت والا نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا: تمہارے بھائی کا اثر تو تم پر آنا ہی چاہیے۔

ان کا انتقال یکم دسمبر ۲۰۱۹ء کو لکھنؤ سہارا اسپتال میں ہوا جہاں ان کے صاحبزادے ابوصالح ان کی نگرانی کر رہے تھے، انہوں نے فون کے ذریعہ میرے لڑکے عزیز ناصر سلمہ کو ان کی بیماری کی اطلاع دی، انہوں نے ان کی شدت علالت کی مجھے اطلاع دی اور عزیز ڈاکٹر ولی الدین ندوی نے ٹیلیفون کر کے حال معلوم کیا اور یہ بتایا کہ حالت بہت خراب ہے، یہ خبر ہم تک ۳۰ نومبر کی شام تک پہنچی ان کی صحت کے لیے دعا کر رہے تھے، چارپائی پر لیٹنے کے بعد دل ان کی طرف لگا ہوا تھا کہ اچانک ۲ بجے رات عزیز ناصر کے فون سے حادثہ انتقال کی خبر پہنچی اور انہوں نے مجھے فون کیا اور اس کے کچھ دیر کے بعد عزیز ڈاکٹر صفی الدین کا دہلی سے فون آیا کہ حادثہ پیش آ گیا ہے، میں دہلی پہنچ چکا ہوں آپ جلدی آئیں، بہت تلاش کے بعد کوئی ایسا جہاز نہیں تھا جس کے ذریعہ

ہم اعظم گڑھ پہنچ سکیں، مشکل سے فلائی دبئی میں ۲ سیٹیں ملیں جس کو عزیز می ناصر نے بہت جدوجہد کے بعد حاصل کیا تھا، عزیز ڈاکٹر ولی الدین ندوی اور ڈاکٹر فرید الدین ندوی وغیرہ بھی شرکت کے لیے کوشاں رہے لیکن جگہ نہ مل سکی، اس لیے ہم العین سے ۴ بجے دبئی کے لیے روانہ ہوئے اور دبئی سے ۸ بجے کی فلائٹ سے لکھنؤ ایک بجے کے بعد پہنچے وہاں پہنچ کر نماز وغیرہ پڑھی، ایرپورٹ کے باہر ہماری گاڑی تیار تھی اس لیے ہم لوگ اعظم گڑھ کے لیے روانہ ہوئے، وہاں پہنچنے میں اتنی دیر ہو گئی کہ ۷ بجے مظفر پور پہنچے عشاء کی نماز ہو چکی تھی جنازہ آچکا تھا، جا کر ان کی زیارت کی، دیکھ کر آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے ان کے صاحبزادے اور لڑکیوں اور اہلیہ کو صبر جمیل کی تلقین کی، چہرہ ایسا نورانی تھا معلوم ہو رہا تھا خواب میں آرام کر رہے ہیں، بہر حال میری ہدایت کے مطابق جامعہ اسلامیہ کی قبرستان میں ان کی قبر اور تدفین کا انتظام کیا جا چکا تھا، ایک بڑے مجمع میں جو اطراف سے جنازے میں شرکت کے لیے آیا ہوا تھا طلبہ و ملازمین کی شرکت مزید برآں، اس لیے بہت بڑا مجمع ہو گیا تھا، اس ناچیز نے نماز جنازہ پڑھائی، دوسرے دن بھی تعزیت کرنے والوں کا مسلسل سلسلہ قائم رہا، اخبارات میں خبر آ جانے کی وجہ سے سعودی عرب، امارات اور ہندوستان کے مختلف حصوں سے فون کے ذریعہ دوستوں نے تعزیت کی، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مرحوم نے جامعہ اسلامیہ کے کاموں میں جس اخلاص سے شرکت کی اور میرا تعاون کیا، انشاء اللہ ان کے رفع درجات کا ذریعہ بنیں گے، یہ سطوریں لکھتے ہوئے

حضرت پرتا پگڈھی کا یہ مصرعہ زبان پر آ رہا ہے
دل رو رہا ہے میرا مگر آنکھ تر نہیں
اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر ان کے درجات کو بلند کرے۔

ہندوستان سے واپسی کے بعد اطلاع ملی کہ حاجی مبین احمد صاحب جو میرے
چچا زاد بھائی اور مجھ سے ۲۰ سال بڑے تھے اور مدرسہ کے کاموں کی نگرانی کرتے تھے،
بندر بازار کی مسجد، گاؤں اور سڑک کی ۳ مسجدیں ایسی تھیں جو انہیں کی نگرانی میں تعمیر ہوئی
تھی، ان سے ملاقات کر کے اور خیریت معلوم کر کے واپسی ہوئی تھی ۱۳ دسمبر کی شب
میں وہ بھی اس دار فانی سے رخصت ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس کے بعد پھر یہ خبر آئی کہ ان کے بھتیجے محمد شعیب جوان کے بڑے بھائی قمر
الدین صاحب کے لڑکے اور صالح نوجوان تھے ۲۶ دسمبر کو ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ اللہ
تعالیٰ تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے اور ان کی آل واولاد کو صبر جمیل کی توفیق نصیب
فرمائے، یہ عاجز سب کے لیے ایصالِ ثواب کر رہا ہے اور اپنے دوستوں سے بھی
درخواست کرتا ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین

مولانا حبیب اللہ قربان مظاہری چمپارنی

کاسانحہ ارتحال

(..... ۱۴۴۱ھ / ۲۰۲۰ء)

عزیز گرامی مولانا حبیب اللہ چمپارنی جو مظاہر علوم کے فضلاء میں امتیازی شان رکھتے تھے، وہ مظاہر علوم سہارن پور سے ۱۳۹۰ھ میں فارغ ہوئے تھے، ان کے اساتذہ میں مولانا محمد یونس صاحب جون پوری، حضرت مفتی مظفر حسین صاحب اور مولانا محمد عاقل صاحب وغیرہ تھے، اسی طرح انہوں نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کی صحبت اختیار کی اور مجلس میں حاضری دیتے رہے، اس طرح کہ فارغ ہونے کے بعد حرمین شریفین کے سفر میں بھی حضرت کے خدام میں شریک ہو کر حرمین شریفین آتے رہے، ان کا گذشتہ ۱۴ مارچ ۲۰۲۰ء کو ۷۲ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں انتقال ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

انہوں نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، ایک عرصہ تک مکتبہ الایمان مدینہ منورہ میں ملازم رہے، اور اس عاجز کی

کتاب ”علم رجال الحدیث“ اس مکتبہ کے تعاون سے شائع بھی کرائی تھی، نیز انہوں نے شیخ کے ہوامش جو بذل المجہود پر وقتاً فوقتاً حضرت نے تحریر فرمائے تھے سب کو حضرت کی حیات ہی میں نقل کر ڈالا تھا، اس کی کاپیاں اس ناچیز کو بھی دی گئی تھیں، اس سے استفادہ کرنے میں سہولت حاصل رہی، ان کے مدینہ شریف کے قیام میں بہت سے ہندی وغیرہ ہندی علماء آکر ان سے اجازت حدیث بھی لیتے رہے۔

ان کا جناب مولانا عبدالحفیظ صاحب مکیؒ سے بہت گہرا تعلق تھا، انہوں نے اپنے گھر پر کتابوں کا بہت اچھا مجموعہ جمع کر رکھا تھا، مدینہ منورہ میں انہوں نے اپنے استاذ مولانا محمد عاقل صاحب سہارن پوری کے علمی کام میں تعاون کرتے رہے، خواہ وہ ”الحل المفہم“ ہو یا ”الفیض السماوی“، اس ناچیز سے بھی بہت محبت فرماتے تھے، کئی مرتبہ اپنے گھر پر دعوت بھی دی، ان کے سانحہ وفات کو سن کر بہت ہی رنج و افسوس ہوا اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا، اللہ تعالیٰ ان کے صاحبزادے محمد اور پورے خاندان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

علم حدیث کا مہر تاباں غروب ہو گیا جو نصف صدی ایک عالم کو منور کر رہا تھا

حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری

کا سانحہ ارتحال

(۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء - ۱۴۴۱ھ/۲۰۲۰ء)

آج صبح بتاریخ ۲۶ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ بروز منگل کو اچانک ایک ایسے حادثہ فاجعہ کی اطلاع ملی جس کا اس سے پہلے تصور نہیں کیا جاسکتا تھا، یعنی دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کا ممبئی میں سانحہ ارتحال پیش آیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس ناچیز سے مفتی صاحب کا پہلا تعارف ۱۹۶۷ء میں ہوا تھا، جب وہ مدرسہ اشرفیہ راندیری میں پڑھارہے تھے، خاص طور سے ابوداؤد شریف کا سبق ان سے متعلق ہوا، اس وقت تک اس ناچیز کی ہندوستان کے مدارس میں شہرت ہو چکی تھی، میری کتاب ”محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے“ منصہ شہود پر آچکی تھی، اس لیے فلاح دارین

کے مہتمم مولانا عبداللہ صاحب کا پودروی جو مجھے ترکیسر لائے تھے، انہوں نے ایک روز راندیر کے سفر کا پروگرام بنایا، انہوں نے بتایا کہ مدرسہ حسینہ میں مولانا شمس الدین افغانی بڑے فاضل آدمی ہیں، انہیں آپ سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے، ان کے شاگردوں نے جن میں مولانا عبدالرحیم متالا اور مولانا غلام محمد ٹیل وغیرہ نے آپ کا ان سے بڑا ذکر خیر کیا ہے، اس کے علاوہ مولانا ہاشم بخاری اور مولانا سعید احمد پالن پوری ہمارے گجرات کے نوجوان اچھے مدرس اور عالم ہیں، انہوں نے اپنے یہاں آپ کو شام کے کھانے پر مدعو کیا ہے، اس لیے ہم مولانا کے ہمراہ راندیر گئے، وہاں مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری کے یہاں مہمان رہے، رات کا کھانا اور قیام انہیں کے یہاں رہا، مفتی سعید احمد سے ملاقات سے اندازہ ہوا کہ مولانا بہت ہی صاحب ذوق، کتابوں کے حریص پڑھنے لکھنے کا اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں، اس طرح مفتی سعید احمد صاحب مرحوم سے تعلقات کی ابتدا ہوئی، پھر کثرت سے ترکیسران کی آمد و رفت رہی، مجھے بعض کتابوں کی ضرورت تھی، اس کو مفتی صاحب نے عاریہ فراہم کیا، راندیر میں انہوں نے میرے بیانات بھی کرائے، زمانہ گزرتا گیا، وہاں سے میری سہارن پور ”بذل المجہود“ کی خدمت کے لیے ایک سالہ چھٹی لے کر حاضری ہوئی، سہارن پور کے قیام میں مولانا عبداللہ صاحب کا پودروی کی جب بھی آمد ہوئی تو انہوں نے مفتی صاحب کا سلام و پیام پہنچایا، اس کے بعد میرا قاهرہ، حجاز مقدس اور پھر ابوظہبی کا سفر ہو گیا۔

حرمت مصاہرت کے بارے میں ابوظہبی میں حنفیہ کے مسلک کے بارے میں

مجھ سے سوالات کئے گئے، اس سلسلے میں معلوم ہوا کہ مولانا کی کتاب ”حرمت مصاہرت“ طبع ہو چکی ہے، اس کو میں نے منگوا یا اور استفادہ کیا، اس نازک مسئلہ میں جس طرح انہوں نے گفتگو کر کے اپنے مسلک کو واضح اور مدلل کیا ہے، اس کو پڑھ کر طبیعت باغ باغ ہو گئی، اس کے بعد جب وہ دارالعلوم دیوبند منتقل ہو کر آ گئے، ان کا دورہ کے بڑے اساتذہ میں شمار ہونے لگا، وہاں ترمذی شریف وغیرہ اونچی کتابیں ان کے ذمہ کی گئیں، اس زمانے میں میرا سہارن پور مظاہر علوم شوری میں جانا ہوا، دیوبند بھی حاضری ہوئی، حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے میزبان تھے، مولانا بھی مہمان خانے میں تشریف لائے اور ملاقات ہوئی، انہوں نے اپنے بعض رسائل ہدیہ کئے، بعد میں بار بار سہارن پور اور دیوبند کا سفر ہوا، وہ مہمان خانہ تشریف لاتے، کبھی ان کے جائے قیام چائے کے لیے حاضری ہوتی، ان کے کتب خانہ پر نظر ڈالی، بہت ہی خوشی ہوئی، انہوں نے اپنی مؤلفات مجھے ہدیہ عنایت فرمایا دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی، اور شکر گزار ہوا۔

ان کے اہم کارناموں میں ”حجۃ اللہ البالغۃ“ کی خدمت اور اس کا حاشیہ ہے، حقیقت میں یہ علماء پر ایک قرض تھا جو انہوں نے پوری محنت کر کے پوری جماعت کی طرف سے ادا کر دیا، یہاں تک کہ انہوں نے مولانا عبید اللہ سندھی کی تقریر جس کو اردو سے عربی میں منتقل کیا گیا ہے اس کو بھی حاصل کر لیا اور یہ کتاب بیروت دار ابن کثیر سے ۲ جلدوں میں شائع ہوئی، ہمارے لڑکے اس کتاب کو شارحہ معرض سے خرید کر لائے دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، مولانا سے میں نے دریافت کیا کہ اس کے حقوق بھی آپ کو دیئے

یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا مجھے معلوم نہیں، کتاب چھپ گئی الحمد للہ یہی بڑی بات ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے کچھ حقوق ناشر نے ان کو ادا کئے۔

مولانا مرحوم نے اپنے پیچھے تالیفات کا ذخیرہ چھوڑا ہے، جو ان کی جامعیت و رسوخ فی العلم پر بہت بڑی دلیل ہے، ایک طرف تو وہ مقاصد شریعت اور اس کے اسرار کی عظیم کتاب ”حجۃ اللہ البالغۃ“ کی شرح کر رہے ہیں، دوسری طرف حدیث شریف کی بخاری شریف اور ترمذی شریف جیسی کتابوں کی تدریسی لحاظ سے بھی اور تالیفی لحاظ سے بھی خدمت کر رہے ہیں، انہوں نے اپنے پیچھے بڑا علمی سرمایہ چھوڑا ہے، ترمذی شریف کی شرح ”تحفۃ الالمعی“ ۸ جلدوں میں شائع ہو گئی ہے جو طلبہ اور علماء کے لیے رہنمائی کا کام کرتی رہے گی۔

مجھ سے انہوں نے فون پر بتلایا کہ آپ کی تحقیق سے جو ”بذل المجهود“ شائع ہوئی ہے اس کو میں پابندی سے اپنے مطالعہ میں رکھتا ہوں، میں نے کہا کہ اگر کوئی ملاحظہ ہو تو بتلایئے گا تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کر دوں، انہوں نے جواب دیا کہ اب تک تو کچھ ملا نہیں، اخیر میں میں نے اپنی کتاب ”الجامع الكبير (سنن الترمذی) ومعہ الکوکب الدرۃ علی جامع الترمذی“ کو ہدیہ بھیج دیا تو اس پر بھی بہت مسرت کا اظہار کیا کہ الحمد للہ متن کے ساتھ ہمارے اکابر کی باتیں عالم عرب میں بھی آگئیں اور صاحب تحفۃ الاحوذی کا آپ نے جا بجا جواب بھی دیا ہے۔

ان کی کتاب ”تحفۃ القاری“ جو بڑی محنت اور مشقت اور ان کی نظر ثانی کے بعد

۱۲ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، وہ بھی طلبہ کے لیے ایک قیمتی تحفہ ہے، اس کے بعد میں نے اپنی ”الجامع الصحيح للإمام البخاری مع حاشیة السہارنفوری“ جو پہلے ۱۵ جلدوں میں اور بعد میں ۶ جلدوں میں شائع ہوئی ہے دونوں کتابیں ان کی خدمت میں بھجوائی، اس پر بھی بہت پسندیدگی کا اظہار فرمایا، ہمارے دوست محترم مولانا محمد یونس صاحب جون پوری مرحوم شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم اسی نسخہ بخاری میں پڑھاتے تھے، اس سے میری بہت حوصلہ افزائی ہوئی۔

مفتی صاحب مرحوم کو جب معلوم ہوا کہ میری تحقیق سے ”المواہب اللطیفہ فی شرح مسند الإمام أبی حنیفہ“ جو علامہ عابد سندھی متوفی ۱۲۵۷ھ کی تالیف ہے جو شاہ عبدالغنی مجددیؒ کے بھی شیخ ہیں، ۷ جلدوں میں بیروت سے طبع ہو چکی ہے، جب مجھے معلوم ہوا کہ اس کتاب کے وہ بہت مشتاق ہیں، اور ان کی طرف سے ایک نمائندہ اعظم گڑھ آیا، اس ناچیز نے ہدیۃ یہ کتاب ان کو بھجوائی، انہوں نے اسے دیکھ کر فون پر بہت ہی مسرت و خوشی کا اظہار کیا کہ آپ سے بڑا قیمتی اور اہم کام ہو گیا۔

اسی طرح مولانا کی کتابوں پر نظر ڈالنے کے بعد اندازہ ہوا کہ وہ منطق و فلسفہ، علم کلام پر بھی بڑی گہری نظر رکھتے تھے، مبادی الاصول جو فقہ کی بنیادی اصطلاحات پر مشتمل ہے معین الاصول اس کی شرح، آپ فتویٰ کیسے دیں، یہی نہیں بلکہ ان کی آسان صرف، آسان نحو بھی مبتدی طلبہ کے لیے شائع کی حتیٰ کہ آسان منطق، آسان فارسی قواعد اور مفتاح العوائل بھی تالیف کی، یہ وہ سارے رسائل ہیں جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ

ابتدائی کتابوں کو پڑھاتے وقت انہوں نے طلبہ کو سامنے رکھ کر ان کو سہل بنا کر ان کے سامنے پیش کیا، دوسری طرف دورہ حدیث کے طلبہ و علماء کے لیے ایسی عظیم الشان کتابیں تالیف کیں جس کا ذکر اوپر کر چکا ہوں، تیسری طرف ان کی فتاویٰ پر بھی گہری نظر تھی، انہوں نے امداد الفتاویٰ میں بھی بڑا تعاون کیا ہے۔

علامہ طاہر پٹنی کی کتاب ”المغنی“ کی بھی تحقیق و تعلیق کی ہے جو رجال کی اہم کتاب ہے، نیز فرق ضالہ کے رد میں بھی ان کی کئی کتابیں ہیں، رد قادیانیت پر بھی ان کا ایک قیمتی رسالہ ہے۔

میرا آخری سفر گزشتہ سال حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعزیت کے لیے سہارن پور کا ہوا، وہاں سے دارالعلوم دیوبند کی زیارت کے لیے حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب کی ضیافت میں دیوبند حاضر ہوا، حضرت مفتی سعید صاحب تشریف لائے، انہوں نے تفسیر ”ہدایت القرآن“ کا نسخہ مجھے دیا، دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، میں نے عرض کیا کہ: حضرت! اللہ تعالیٰ نے آپ سے حدیث شریف و قرآن کریم اور فقہ و فتاویٰ میں بھی بڑا کام لیا، میں نے ان کو اپنے مدرسہ جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ آنے کی دعوت بھی دی اور ان سے اپنے کتب خانہ کا ذکر کیا، میں نے عرض کیا کہ ہمارے یہاں ایک لاکھ کتابیں ہیں جن میں بہت سے قلمی مخطوطات بھی ہیں، ہمارے حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ جون پوری کئی مرتبہ ہمارے مدرسے میں تشریف لائے تھے اور وہ کتابوں کو دیکھتے ہی رہ گئے، مخطوطات کو بھی اور مطبوعات کو بھی، مفتی صاحب

مرحوم نے بہت شوق سے سفر کرنے کا ارادہ کیا مگر مقدر سے اس کا موقع نہیں آیا۔

اس سے پہلے بنگلور میں مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب کی دعوت پر جو ان کے مدرسہ میں بہت بڑا اجلاس ہوا تھا، اس میں انہوں نے بہت سے اکابر علماء کو مدعو کر رکھا تھا، اس ناچیز کو بھی مدعو کیا تھا، ایک دن مغرب بعد پروگرام میں ناچیز کا بیان بخاری شریف کے افتتاح کا موضوع رکھا تھا، میں نے ۴۰ منٹ بیان کر کے اپنی بات ختم کر دی، اس کے بعد حضرت مولانا مفتی سعید صاحب کا بیان تھا، زندگی کے تجارب، طلبہ و علماء کو نصائح، ان کا یہ بیان بہت قیمتی تھا طلبہ کے لیے بھی اور علماء کے لیے بھی اور عامۃ الناس کے لیے بھی، اس میں سب سے اہم بات یہ فرمائی کہ اپنے اکابر کے مسلک سے ہٹنا بہت خطرناک ہے، اس پر قائم رہیں، اس سے وابستہ رہنا یہ بڑی سعادت مندی کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مرضی ان کا وقت آگیا، لیکن انہوں نے اپنی تالیفات کے ساتھ ہزاروں شاگردوں کی تعداد چھوڑی، جس سے ان کا سلسلہ فیض قیامت تک جاری رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت مفتی صاحب مرحوم نے کثرت اولاد کے باوجود سب کو حفاظ و علماء بنایا اور خود کفیل بنانے کی کوشش کی، اور خود حضرت مفتی صاحب درس و تدریس کی خدمت للہ فی اللہ انجام دیتے رہے، مدرسوں کی تنخواہ سے اپنے آپ کو مستغنی رکھا، یہ درحقیقت ان کے شیخ اول اور ہمارے استاذ و شیخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے دامن فیض سے وابستگی کی برکت تھی۔

امسال دہلی شاہ ولی اللہ ایوارڈ کے لیے اس ناچیز کے پاس خط آیا کہ آپ کسی کا نام اس کے لیے پیش کریں، اس ناچیز نے حضرت مولانا ہی کا نام پیش کیا تھا، اگرچہ وہ جائزہ کے خواہشمند نہیں تھے لیکن جائزہ کے لیے شرف کی بات تھی کہ ان جیسے آدمی کی طرف اس کا انتساب ہو جائے۔

اس قحط الرجال کے دور میں ایسے عالم ربانی محدث و فقیہ و اصولی و متکلم کا اٹھ جانا بہت بڑا خسارہ ہے، خاص طور پر دارالعلوم دیوبند جو ”ام المدارس“ ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ ان کا بدل عطا فرمائے، بلاشبہ دارالعلوم دیوبند کا قیام اللہ کے غیبی نظام کے تحت ہوا اور ایسی جگہ پر ہوا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ دیوبند سے گزرتے ہوئے جب اس سرزمین پر پہنچے جہاں آج دارالعلوم کی عمارت کھڑی ہے تو ٹھٹھک کر فرمایا کہ مجھے یہاں سے علم کی خوشبو آرہی ہے، یہی مقولہ بزرگوں سے حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت بھی لکھا گیا ہے، جب کہ انہوں نے جہاد پر جاتے ہوئے دیوبند میں قیام فرمایا تھا، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک بیان میں فرمایا کہ یہ دارالعلوم مشرق و مغرب کے مسلمانوں کے لیے ایک عدیم النظیر درس گاہ ہے جو اس دور تجدید میں بھی اسلاف کی امانت کو سنبھالے ہوئے ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ یہاں سے ایسے افراد پیدا ہوتے رہیں گے جو اس کی روایات و خصوصیات کو باقی رکھیں گے، آمین۔

ان شاء اللہ امید ہے کہ حضرت مولانا کے شاگردوں میں ان کے بھائی صاحب

اور ان کی اولاد انہیں کے راستے پر چل کر روحانی و علمی کمال حاصل کریں گے، واللہ الموفق۔
 ان کے انتقال سے ۳۷ دن پیشتر اچانک اس ناچیز نے ان کی ٹیلیفون پر خیرت
 معلوم کرنی چاہی تو ان کے صاحبزادے نے بتلایا کہ والد صاحب بمبئی ہیں اور بیمار ہیں،
 تفصیل کا ذکر نہیں کیا تھا، لیکن مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ شدید بیمار ہیں، دو دن کے بعد دوبارہ
 پھر فون کیا اس کے دوسرے روز اس حادثہ کو سن کر بہت رنج ہوا اور اپنے مدرسہ کے طلبہ
 و اساتذہ کو خصوصی ایصال ثواب کی تاکید کی اور خود بھی ایصال ثواب کا اہتمام کیا۔

حضرت مفتی صاحب کے لیے ایک بڑا سرمایہ ان کی اولاد ہیں، ماشاء اللہ ۱۹
 بیٹے بقید حیات ہیں، سب حافظ قرآن ہیں، اکثر عالم ہیں، اسی طرح ان کی سب بہویں
 حافظ قرآن ہیں، یہ سن کر رشک آیا، ہمارے ۶ اولاد نرینہ ہیں افسوس کہ صرف ایک
 صاحب عالم ہو سکے اور ایک پوتے، ہمارے کاموں کو سنبھالنے والا کوئی نہیں نظر آ رہا
 ہے، دیکھ کر رنج و غم ہو رہا ہے، یہ بہت بڑی ابتلا ہے، بیشک جامعہ اسلامیہ مظفر پور اور مرکز
 ابوالحسن ندوی کی تعمیر اور ہماری مؤلفات اللہ کرے کہ یہ ہمارے لیے سرمایہ آخرت بنے،
 اللہ تعالیٰ غیب سے انتظام فرمائے، آمین۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے درجات بلند فرمائے، اور ان
 کے علمی و روحانی فیض کو بقا و دوام عطا فرمائے، اور ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے، آمین۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آہ! مولوی عبداللہ علاء الدین ندوی

(...../..... - ۱۴۴۱ھ/۲۰۲۰ء)

ابھی ابھی یہ جائزہ داندوہ گیس خبر معلوم ہوئی کہ مولوی عبداللہ ندوی جو ہمارے حاجی علاء الدین صاحب ممبئی کے چھوٹے صاحبزادے تھے جنہوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء سے عالمیت کیا تھا، ان کا ۱۵ جولائی ۲۰۲۰ء بروز بدھ تقریباً ۷۰ سال کی عمر میں سانحہ انتقال پیش آیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اس ناچیز کی حاجی علاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سب سے پہلی ملاقات (جن کی وفات پر ”تذکرہ رفتگاں“ میں مقالہ شامل ہے) دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سلسلے میں ممبئی کے سفر میں اُن کی دکان نل بازار میں ہوئی، میرے ہمراہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کا خط تھا جس کو مولانا معین اللہ صاحب مرحوم نے لکھوایا تھا، جس میں ندوۃ العلماء کے لیے اس ناچیز کے ساتھ تعاون و امداد کے لیے خصوصی تاکید کی گئی تھی۔

حاجی صاحب مرحوم نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے لیے اس ناچیز کو لے کر پورے ممبئی کے تاجروں اور خاص طور پر اپنی مومن برادری کے لوگوں سے ملاقات کروائی، جو اصلاً پالن پور کے رہنے والے ہیں اور ممبئی میں تجارت کرتے ہیں، اُس

زمانے میں اکثر ان لوگوں کے پاس ہوٹل اور بھینس کے تیلوں کے کاروبار تھے، الغرض ان سب سے حاجی صاحب نے ملاقات کروائی، اور اس میں یہ کوشش کی کہ کچھ طلبہ یہاں کے ندوۃ العلماء میں داخل ہو جائیں تاکہ ندوہ کا یہاں سے تعلق پیدا ہو جائے، اُن میں حاجی صاحب مرحوم نے سب سے پہلے اپنے لڑکے مولوی عبداللہ کو ندوہ بھیجا، جنہوں نے اول سے لیکر عالمیت تک ندوہ کی تعلیم کو پورا کیا، پھر وہاں سے آکر ممبئی میں اپنی تجارت و کاروبار میں مشغول ہو گئے، لیکن تبلیغی جماعت اور دارالعلوم ندوہ سے گہرا تعلق رہا، ان کے والد حاجی علاء الدین صاحب مرحوم نے پہلی مرتبہ میری کتاب ”محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے“ کی طباعت کی ذمہ داری قبول کی تھی، اور ۱۹۶۴ء میں اس ناچیز کے پہلے سفر حج میں جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا ندھلوئی کے ہمراہ کرنا تھا، اس کے سارے انتظامات کئے تھے، اس طرح اس ناچیز کو حج و عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی۔

جناب حاجی صاحبؒ کا تعلق اس ناچیز سے بہت گہرا تھا، وہ اسلام کے ایک مخلص خادم تھے، ان کا تعلق دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء، مظاہر علوم، مرکز دعوت و تبلیغ نظام الدین اور دارالعلوم بھوپال سے گہرا تھا، ان سب جگہوں کے وہ رکن رکین تھے اور سب کے خادم تھے، اُن سب مدرسوں کے وہ ممبئی میں نمائندہ تھے، مولوی عبداللہ مرحوم نے اپنے والد کی روایات کو برقرار رکھا تھا۔

ادھر عرصے سے میرا سفر ممبئی کا بہت طائرانہ ہوا، مولانا عبداللہ صاحب سے کبھی

کبھی فون پر گفتگو رہی، لیکن افسوس کہ اخیر میں ادھر کوئی رابطہ نہ پیدا ہو سکا، مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ گردے کے مریض ہیں اور اپنے وطن ”مہتا“ سے ممبئی علاج کے سلسلے میں آئے تھے، اچانک سانحہ انتقال پیش آیا، انہوں نے اپنے پیچھے ۴ لڑکے اور ۳ لڑکیاں چھوڑی ہیں۔ یہ ناچیز مرحوم کے لیے مغفرت اور رفع درجات کے لیے دعا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے، ان کی قبر پر اپنی رحمت کے پھول برسائے، جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے، ان کے جانے سے دل بہت محزون ہے، لیکن اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں، ان کے صاحبزادگان اور اعزہ و اقرباء کو صبر جمیل کی توفیق نصیب فرمائے اور ان کی آل و اولاد میں ان کے دادا کے جذبہ خدمت دین کو برقرار رکھے، آمین

مولانا محمد سلمان مظاہری کی رحلت

(۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء - ۱۴۴۱ھ/۲۰۲۰ء)

کل بتاریخ ۲۰ جولائی ۲۰۲۰ء مطابق ۲۸ ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ بروز دوشنبہ شام کو اچانک یہ دلدوز و غمناک اطلاع ملی کہ مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کے ناظم اعلیٰ مولانا محمد سلمان صاحب مظاہری اس عالم فانی سے عالم آخرت کی طرف رخصت ہوئے، بہت دیر تک اس خبر کی تصدیق کے لیے فون کا انتظار کرتا رہا، آخر مفتی محمد صالح کے فون سے معلوم ہوا کہ یہ حقیقت ہے، یہ خبر مظاہر علوم کے چاہنے والوں اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت رکھنے والوں اور تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والوں اور علماء و اہل دین کے لیے بہت ہی اندوہناک ہے، ادھر کئی بڑے علماء و مشائخ اور خاص طور سے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے خلفاء کی تعداد دار فانی سے دار آخرت کی طرف رخصت ہو چکی ہے، جس کا غم و الم دل پر تازہ و زندہ ہے، اس خبر نے ہلا کر رکھ دیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مولانا کی وفات سے ایسا خلا پیدا ہوا ہے جس کی تلافی بظاہر مشکل نظر آرہی

ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے غیبی نظام اور اس کے فیصلے پر راضی رہنا ایمان کی علامت ہے۔
 ان کی مرضی پر مری قربان جاں ہو رہا ہے عشق کا پھر امتحاں
 مولانا محمد سلمان صاحب کی زندگی بچپن سے لے کر جوانی اور اخیر عمر تک اس
 ناچیز کے سامنے ہے، سب سے پہلے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ۱۳۷۱ھ موافق
 ۱۹۵۲ء میں ہوئی، جبکہ یہ ناچیز مظاہر علوم میں داخلہ کے لیے صوفی انعام اللہ اور آزاد
 صاحب مرحومین کے خط کے ساتھ سہارن پور حاضر ہوا، سردی کا زمانہ تھا، حضرت شیخ
 رحمۃ اللہ علیہ سے فجر کی نماز کے بعد خط کے ساتھ ملاقات ہوئی، پوچھا کہاں سے آئے
 ہو؟ عرض کیا کہ اعظم گڑھ مدرسۃ الاصلاح کا طالب علم ہوں، ندوۃ العلماء میں داخلہ کے
 لیے آیا تھا مگر داخلہ نہیں ہو سکا، اس لیے صوفی انعام اللہ اور آزاد صاحب کے مشورے
 سے آپ کی خدمت میں مظاہر میں داخلہ کے لیے حاضر ہوا ہوں، حضرت نے فرمایا: مئے
 میرا اور تمہارا جوڑ کیسے بیٹھے گا؟ اس زمانے میں جماعت اسلامی کے خلاف دارالعلوم
 دیوبند اور مظاہر علوم سے فتاویٰ شائع ہو چکے تھے، حضرت نے فرمایا: مئے روٹی کا سوال
 نہیں، لیکن ندوے سے تو ہمارا جوڑ بیٹھ جائے گا، الاصلاح تو بہت اونچا ہے، پھر حضرت
 کے ہمراہ کچے گھر میں حاضر ہوا، حضرت نے مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ
 اس طالب علم کو دیکھ لیں، اس کے بعد داخلہ کا امتحان حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نے
 لیا، مظاہر میں داخلہ ہوا، کچے گھر میں حضرت نے ۴ مہینے صوفی عبدالاحد کے ساتھ قیام
 تجویز فرمایا۔

اس وقت مولانا سلمان صاحب بچے تھے، حفظ کا آغاز کیا تھا، یہ اور مولانا شاہد صاحب دونوں حضرت شیخ کے پاس لائے جاتے تھے، حضرت شفقت فرماتے تھے، اس کے بعد میرا قیام مستقل ایک سال حضرت شیخ کی خدمت میں بخاری شریف پڑھنے کے لیے اور دیگر اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے کے لیے رہا، جس کے لیے ندوۃ العلماء نے اہتمام کیا تھا، اس زمانے میں بھی کھانا اور ناشتہ اور مجلس میں حاضری رہتی تھی، اس طریقے سے مولانا سلمان صاحب سے قریبی تعلق اور ربط پیدا ہو گیا، اسی طرح مولانا سلمان صاحب کے والد مفتی تحسینی صاحب مرحوم سے اس ناچیز کے تعلقات پیدا ہو گئے۔

تیسری مرتبہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے مشورے سے ترکیسر سے جہاں یہ ناچیز شیخ الحدیث تھا، ایک سال کی چھٹی لے کر مظاہر علوم حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت شیخ نے ناچیز کو ایک خط میں تحریر فرمایا:

مکرم و محترم مد فیوضکم! بعد سلام مسنون

اسی وقت تمہارا محبت نامہ پہونچا، ایک ضروری مشورہ تم سے کرنا تھا، وہ یہ کہ تم نے اپنے سابقہ خط میں ”بذل المجہود“ کی طباعت کے سلسلہ میں کچھ لکھا تھا، تمہیں معلوم ہے کہ میں خود تقریباً ۲۰، ۲۵ سال سے یہاں متمنی اور کوشاں ہوں، اب تو علی میاں (اللہ ان کو بہت ہی جزائے خیر اور بلند درجات عطا فرماوے) اس میں میری معاونت کے لیے تیار ہیں، اس سے پھر امنگ پیدا ہوگئی اور تمہارے اس وقت کے خط نے ایک شعلہ سا پھر پیدا کر دیا، تم نے لکھا کہ سال بھر میرے پاس رہنے کو جی چاہتا ہے،

اگر ”بذل المجہود“ کی طباعت کا ولولہ اور جذبہ نہ ہوتا تو میں ہرگز اس کی آپ کو اجازت نہ دیتا، اگر آپ یہاں کے ایک سال کے قیام میں ”بذل المجہود“ کے میرے حواشی جو بہت ہی کثرت سے ہیں آپ کے دیکھے ہوئے ہیں، ان کو انتخاب کر کے اور ”بذل“ کی طباعت ایک سال میں کرادیں تو یقیناً آپ کے لیے بہت بڑا صدقہ جاریہ ہے اور حدیث کی بہت بڑی خدمت ہے، اب میری دیرینہ تمنا پوری ہونے کا ذریعہ ہے۔
(اس سلسلے کا بہت طویل خط ہے)

فقط والسلام

حضرت شیخ الحدیث صاحب

بقلم: عبدالرحیم

۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ

اس طرح سے اس ناچیز کی ایک سال کے لیے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری کی سعادت ملی، ہم بذل المجہود کے حواشی لے کر حضرت شیخ کی مجلس میں بیٹھتے تھے، اور ہمارے ساتھ مولانا عاقل صاحب اور مولانا سلمان صاحب بھی شریک ہوتے، اسی زمانے میں لکھنؤ میں بذل کی طباعت شروع کی گئی تھی، اس کے پروف بھی آتے تھے، اس کے دیکھنے میں بھی وہ ہمارے ساتھ شریک رہتے، اس طرح ان دونوں حضرات سے بہت گہرے تعلقات پیدا ہو گئے تھے، مولانا محمد سلمان صاحب مشکوٰۃ کے نئے نئے مدرس ہوئے تھے، ان کے درس سے طلبہ و منتظمین بہت خوش تھے، اس کے ساتھ ساتھ وہ

اصلاح و تربیت، احسان و سلوک کے میدان میں بھی ترقی کی راہ پر گامزن تھے۔
 حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی ان پر خصوصی نظر تھی، ان سے حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مرحوم کی حقیقی چھوٹی بہن بھی منسوب تھیں اور یہ نکاح حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳ فروری ۱۹۶۷ء میں بعد عصر مسجد مدرسہ قدیم میں مہر فاطمی پر پڑھایا تھا، اس کے بعد حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی شفقت اُن پر اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔
 مولانا محمد سلمان صاحب ذہانت و فطانت اور اپنی کارکردگی کے لحاظ سے بہت ہی ممتاز تھے، حضرت شیخ نے اخیر عمر میں ”الابواب والتراجم“ میں جس کی تکمیل و ترتیب مولانا محمد عاقل صاحب کر رہے تھے، نیز دیگر علمی کاموں میں مولانا محمد سلمان صاحب کو شریک کار فرما دیا تھا۔

حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں کہ اس ناکارہ کی شرح تراجم کی تمییز وغیرہ میں مدرسہ کے مشاغل وغیرہ کی وجہ سے بہت ہی تاخیر ہوئی، لیکن مولانا عاقل صاحب اور مولانا سلمان صاحب کے اصرار پر کہ مدرسہ سے ایک سال کی چھٹی لے لی جائے اور حضرت شیخ کی خدمت میں رہ کر اس کی تکمیل کر لی جائے، چنانچہ یہ دونوں حضرات ایک سال کی چھٹی لے کر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کی تکمیل کا کام شروع کیا، جس کی چوتھی جلد اور آخری جلد کی تمییز الحمد للہ مکمل ہوئی۔

مولانا محمد سلمان صاحب انتظامی معاملات میں بھی بہت باصلاحیت تھے، انہوں نے اپنے پیش رو مدرسہ مظاہر علوم کے ناظم مولانا محمد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے

ساتھ کام کر کے اپنی حسن کارکردگی کا سکہ جمالیا تھا، چنانچہ ۳۰ جولائی ۱۹۹۶ء میں پھر ناظم کے انتخاب کا مسئلہ پیش آیا، اس ناچیز نے ان کا نام پیش کیا، الحمد للہ سب لوگوں نے اس پر اتفاق کیا اور باقاعدہ ان کو نظامت کا عہدہ تفویض کیا گیا، یہ وہ زمانہ تھا جب مظاہر دو حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا، تقسیم کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی اس ناچیز کا مظاہر سے جو تعلق رہا ہے اس کی بنیاد پر اس کی خدمت کرنے میں بھرپور کوشش کی، خواہ مالی امداد ہو یا وہاں کے دوسرے معاملات ہوں۔

جب یہ قصہ پیش آیا کہ محترم مولانا محمد یونس صاحب مرحوم کی کتابیں جن کو وہ اپنے حجرہ دار الطلبہ قدیم میں چھوڑ کر دار جدید چلے آئے تھے واپسی کی دشواری تھی، اس وقت بھی مولانا محمد سلمان صاحب مرحوم نے سہارن پور حاضری پر بہت ہی ظریفانہ انداز میں مجھ سے کہا کہ مولانا کی کتابیں واپس کرائیے، اس لیے کہ اس ناچیز کا تعلق دوسرے مظاہر علوم خاص طور پر مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا محمد اطہر صاحب (جو میرے رفیق درس تھے) سے بھی تھا، الحمد للہ میں نے گفتگو کی، حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ نے فرمایا: ان شاء اللہ ہم واپس کر دیں گے، اللہ ان کے درجات بلند فرمائے اس پر انہوں نے بہت جلد عمل کر دیا، وہاں سے واپس آ کر مولانا محمد یونس صاحب، مولانا محمد عاقل صاحب اور مولانا محمد سلمان صاحب کو یہ خبر سنائی، ان حضرات نے بہت مسرت کا اظہار کیا۔

اپنی نظامت کے زمانے میں مولانا محمد سلمان صاحب بار بار یہ فرماتے تھے کہ

آپ نے ناظم بنایا ہے، اس لیے مظاہر کی فکر کیجئے، چنانچہ انہیں کے کہنے اور اصرار پر ”زکریا منزل“ کی دو منزلوں کی تعمیر کا انتظام اس ناچیز نے کیا تھا جو شاندار عمارت بن کر کھڑی ہے۔ اور ہر سال اعانت کا یہ سلسلہ قائم رہا اور اب تک قائم ہے، اور خانقاہ کے لیے بھی ایک رقم مقرر تھی جو ہر سال بھیجتا تھا، افسوس کہ اس سال کی رقم اطلاع کرنے کے باوجود حالات کی وجہ سے وہاں تک نہیں پہنچ سکی۔

حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب جب باحیات تھے لیکن ان کا حرمین شریفین کا سفر تھا، مظاہر کی آخری شوریٰ میں ان کے اصرار پر یہ ناچیز شریک ہوا، مولانا محمد سلمان صاحب نے مولانا محمد یونس صاحب کے کتب خانہ کے اسی کمرے میں میرا قیام طے کیا جس میں مولانا رہتے تھے، انہوں نے بہت ہی محبت و تعلق کا اظہار کیا، اس سے پہلے جب بھی سہارن پور حاضری ہوئی ان کا وہی اہتمام ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ دار جدید کی مسجد میں اجازت حدیث اور تقریر کا پروگرام رکھا، جس میں دوسرے مظاہر کے طلبہ نے آنے کی خواہش ظاہر کی، مولانا نے کہا: شوق سے آئیں، یہ ان کے حسن اخلاق اور کشادہ دلی کی بات تھی۔ کبھی میں نے ان کی زبان پر کسی کی غیبت اور شکوہ شکایت نہیں سنی، طبیعت میں ظرافت تھی، کبھی کبھی ایسی بات کہتے جس سے مجلس کا رنگ بدل جاتا۔

ان کی نظامت کے زمانے میں ”زکریا منزل“ کی تکمیل ہوئی، دارالحدیث کی عمارت اس کی شان کے مطابق تیار ہوئی، دارالاقامہ اور دارالضیافہ یہ ساری کی ساری

تغیرات اللہ تبارک و تعالیٰ نے پوری کرائیں۔

خلافت وجانشینی: اخیر میں حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو خلافت بھی دی، اور وہ عمامہ جو حضرت سہارن پوریؒ (حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ) نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے حوالہ فرمایا تھا وہ بھی مولانا سلمان صاحب کے حوالہ کیا اور اپنی خانقاہ کا جانشین بنا کر اس جہان سے رخصت ہوئے۔

یہ خانقاہ ماشاء اللہ اسی طرح آباد تھی، ذاکرین وشاغلین آتے تھے، صبح کی نماز کے بعد بڑا مجمع رہتا تھا، حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کی وفات کے بعد اس ناچیز نے تعزیت کے لیے سہارن پور کا سفر کیا، مولانا نے میرا قیام کچے گھر میں جہاں خانقاہ تھی، اسی کے کمرے میں تجویز فرمایا تھا، تہجد سے پہلے اور تہجد کے بعد اس منظر کا نظارہ کرتا رہا اور خود بھی شریک رہا، اس کے بعد چائے اور پاپے سے ضیافت کی گئی اور مہمانوں کے لیے اسی طرح دسترخوان بچھایا گیا جیسا حضرت مولانا محمد طلحہ صاحبؒ کے زمانے میں تھا، عصر کے بعد پھر یہ مجلس قائم ہوئی، اس میں اس ناچیز سے کچھ بیان کرنے کے لیے کہا گیا، میں نے مولانا محمد عاقل صاحب سے جو اس وقت سب سے بڑے ہیں اور وہی حقیقت میں اس وقت حضرت شیخ کے جانشین ہیں، ان سے درخواست کی کہ آپ کا روزانہ اس خانقاہ میں آنا ضروری ہے، الحمد للہ انہوں نے قبول فرمایا اور یہ معلوم ہوا کہ برابر اس پر عمل ہوتا رہا، اللہ تبارک و تعالیٰ اس میکدے کو ان شاء اللہ اسی طرح آباد رکھے گا جیسا کہ ان کی حیات میں تھا۔

مولانا نے اپنے پیچھے شاگردوں کے علاوہ کچھ اہم مؤلفات بھی چھوڑی ہیں، جن میں بخاری شریف کی تقریر جو انہوں نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے پڑھتے ہوئے لکھی تھی، اس کو مولانا شاہد صاحب نے دوسری تقاریر کے ساتھ مرتب کر کے شائع کیا ہے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے ایماء پر اس ناچیز نے اس پر مقدمہ لکھا ہے جس میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے درس کی پندرہ (۱۵) خصوصیات کو بیان کیا ہے، مولانا محمد سلمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر جو انہوں نے لکھی تھی، بہت ہی واضح اور مرتب تھی، خدا کرے کہ مکمل شائع ہو جائے۔

اسی طرح مشکاة شریف جس کو انہوں نے حضرت مفتی مظفر حسین صاحب اور حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوری سے پڑھا تھا اس کی تقریر کو بھی بہت اہتمام سے لکھا تھا اور طحاوی شریف جو حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم سے پڑھا تھا اس کی تقریر کو اہتمام سے قید تحریر میں لائے ہیں، اسی طرح بعض دوسری کتابوں کے مذاکرے بھی انہوں نے اپنے پیچھے چھوڑے ہیں، اللہ کرے کہ یہ چیزیں شائع ہو جائیں تو بہت ہی مفید ہوں گی، امید کرتے ہیں کہ ان کے صاحبزادگان میں سے کوئی اس ذمہ داری کو اٹھا کر مرتب کر کے شائع کرے گا، واللہ الموفق۔

بلاشبہ حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوری شیخ الحدیث کے سانحہ انتقال کے بعد مظاہر میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا تھا لیکن ان کے رفیق درس مولانا محمد عاقل صاحب نے اس خلا کو پُر کر دیا، لیکن نظامت کا جو خلا پیدا ہوا ہے اس کو پُر کرنے کے لیے

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کوئی مناسب شخصیت اللہ تعالیٰ پیدا فرمادے جو اس ذمہ داری کو اچھی طرح نباہ سکے۔

مدرسہ مظاہر علوم کے لیے ہمارے اکابر اور بزرگوں نے جو دعائیں کی ہیں اور اخیر میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کی دعاؤں سے بقول مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ نظام عالم بدل سکتا ہے، اسی طرح تبلیغی جماعت جس کا مولانا کو بہت اہتمام تھا، اللہ تعالیٰ ان سب کی حفاظت فرمائے گا وہ حضرات اپنے اکابر کے راستے پر چلتے ہوئے دونوں کو زندہ و تابندہ رکھیں گے ع
خلیل اللہ کے دریا سے ہوں گے پھر گہر پیدا

چند اہم تعزیتی خطوط

حضرت مولانا اسعد مدنی کے انتقال پر ملال پر پیغام تعزیت

محترم المقام جناب مولانا ارشد مدنی صاحب
و محترم مولانا محمود مدنی صاحب و اخوانہ، دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل ۶ فروری شام کو اچانک حضرت اقدس مولانا اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کے سانحہ ارتحال کی خبر سنی گئی، اگرچہ حضرت والا عرصہ سے علیل چل رہے تھے، مگر اس ناگہانی خبر سے دل و دماغ پر غیر معمولی اثر ہوا، حضرت والا کا وصال نہ صرف ایک فرد، ایک جماعت اور ایک ادارہ کا خسارہ ہے بلکہ پوری امت اسلامیہ کے لئے ایک حادثہ ہے، خاص طور پر ہندوستانی مسلمانوں کو دور حاضر میں حضرت والا کی سخت احتیاج تھی، اللہ تعالیٰ کا غیبی نظام ہے، اللہ تعالیٰ غیب سے کوئی انتظام فرمائے گا، خاص طور پر دارالعلوم دیوبند اور جمعیتہ العلماء کا بہت بڑا خسارہ ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ آپ حضرات کے ذریعہ سے اس کی تلافی فرمائے، اور جو عظیم الشان ذمہ داریاں آپ کے کندھوں پر

آگئی ہیں ان کو ادا کرنے کی قوت و ہمت عطا فرمائے اور اس حادثہ عظیمہ پر صبر جمیل اور قوت تحمل نصیب فرمائے، صبر و تحمل اور توکل علی اللہ کی دولت آپ کی خاندانی خصوصیات میں سے ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ خود مصائب و حوادث کے سامنے خواہ وہ شخصی ہوں یا قومی، ایک پہاڑ کی حیثیت رکھتے تھے۔

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

حضرت کی ذات گرامی پورے مقالہ کی محتاج ہے، اور اس ناچیز پر بھی ان کی خصوصی شفقتیں رہی ہیں، یہ یاد کر کے دل پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے، میرے پاس الفاظ نہیں کہ کن الفاظ میں تعزیت کے کلمات پیش کروں، بہر حال یہاں پر ابو ظبی، شارقہ، دبئی میں تمام احباب سے ایصال ثواب کی تاکید کر دی ہے، اور خود بھی اہتمام کر رہا ہوں، اور اپنے جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ میں بھی اس کا اہتمام کیا جا رہا ہے اور اپنے مدرسہ کے مہتمم اور ایک مدرس کو اپنے اس خط کے ساتھ آپ حضرات کی خدمت میں تعزیت کے لئے بھیج رہا ہوں، انشاء اللہ اپنی ہندوستان آمد کے موقع پر آپ حضرات کی خدمت میں حاضر ہو کر تعزیت پیش کروں گا، جملہ اعزہ و حاضرین کی خدمت میں سلام مسنون۔

والسلام

مخلص : شریک غم رقی الدین ندوی مظاہری

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحبؒ کے سانحہ ارتحال پر پیغام تعزیت

محترم المقام جناب حضرت مولانا عبدالحق مدرسی صاحب دامت برکاتہم
نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی فون کے ذریعہ اچانک یہ اطلاع ملی کہ حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور اس وقت کے علمائے دیوبند کے سرپرست اس دارفانی سے دارجاودانی کے لیے رخصت ہو گئے، **إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ**۔

حضرت مولانا کا وصال نہ صرف دارالعلوم دیوبند بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا سانحہ ہے، بزرگوں کے وجود سے بہت سے خیر کے دروازے کھلے رہتے ہیں، گرچہ مولانا مرحوم اپنی طبعی عمر کو پہنچ چکے تھے اور اس دارفانی سے ایک دن سبھی کو رخصت ہونا ہے، لیکن مولانا کی ذات گرامی اکابر دیوبند کی خصوصیات و روایات کی حامل تھی اور دینی غیرت و حمیت کا ایک مثالی نمونہ تھی ان کی باتوں اور کلام سے اخلاص و للہیت

کا مشاہدہ ہوتا تھا، انہوں نے اپنے دور اہتمام میں دارالعلوم دیوبند کے شیرازہ کو جمع کرنے کی کوشش کی، وہ پوری جماعت کو اپنے اسلاف کے نمونہ کے مطابق ڈھالنے کے لیے کوشاں رہے، الحمد للہ ان کو اس میدان میں بیحد کامیابی حاصل ہوئی، فکری لحاظ سے پوری جماعت کو جوڑ رکھا تھا، اور دارالعلوم ان کے عہد میں ترقیات کے منازل طے کرتا رہا، بہت سی جدید عمارتوں کی تعمیر ہوئی اور نظام تعلیم و تربیت کی روایات کو ان کی خصوصیات کے ساتھ باقی رکھا، اور انہوں نے دارالعلوم دیوبند کے علماء، مدرسین و منتظمین میں سے ہر ایک کی صلاحیتوں کا پورا اندازہ لگا کر ان کو وہ مقام عطا فرمایا جو ان کے درجہ اور مقام کے لیے مناسب تھا۔

اس ناچیز کو حضرت مولانا سے متعدد بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا، خصوصی اور آخری ملاقات دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس شوریٰ میں ہوئی تھی، حضرت مولانا نے نہایت شفقت و محبت کا معاملہ فرمایا، اور بہ اصرار دارالعلوم دیوبند حاضری کی دعوت دی، لیکن جب بھی دارالعلوم دیوبند کا سفر ہوا تو مقدر سے حضرت مولانا کی عدم موجودگی کی وجہ سے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکا، لیکن بعض خطوط اس ناچیز نے طلبہ کے داخلہ کے سلسلے میں بطور سفارش کے تحریر کئے تو حضرت مولانا نے اس پر خاص توجہ فرمائی، اس وقت یہ ناچیز ہندوستان سے باہر متحدہ عرب امارات مدینۃ العین سے یہ خط تحریر کر رہا ہے، سارے احباب کو ایصال ثواب کی تاکید کر دی ہے اور خود بھی کر رہا ہوں۔

خاص طور پر ہندوستان میں جامعہ اسلامیہ، مظفر پور اعظم گڑھ (جس کا یہ ناچیز

سرپرست ہے) کے مہتمم کے ذریعہ علماء و طلبہ کو یہ پیغام پہونچا دیا ہے کہ ایصال ثواب کا اہتمام کیا جائے۔

یہ ناچیز دارالعلوم کے منتظمین اور اراکین شوریٰ اور حضرت مولانا کے اعزہ و اقارب، حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی و مولانا قاری عثمان صاحب اور محترم مولانا محمود صاحب کی خدمت میں سلام مسنون کے ساتھ تعزیت پیش کرتا ہے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
گلدستہ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

فقط والسلام

شریک غم

تقی الدین ندوی مظاہری

مولانا عبداللہ عباس ندوی کے سانحہ انتقال پر نامہ تعزیت

بنام حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی دامت برکاتہم
(ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے!

ابھی ابھی حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب جن کو رحمۃ اللہ علیہ لکھنا پڑ رہا ہے کے سانحہ وصال کی خبر معلوم ہوئی، اس ناچیز نے فون کر کے ان کے صاحبزادگان کی خدمت میں تعزیت پیش کی، جناب والا پر اور پوری جماعت ندوۃ العلماء پر حضرت مولانا عبداللہ عباس رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ وفات کا جواثر ہوگا اس کا ہم سب کو اندازہ ہے، وہ حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ سے جس طرح وابستہ رہے اور ان کو حضرت مولانا اور ان کے متعلقین کی حرمین شریفین میں خدمت کی جس طرح سعادت نصیب ہوئی اور حضرتؒ بھی جس طرح ان سے مسرور اور راضی اس دنیا سے تشریف لے گئے، یہ سب مناظر ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، ماضی کے خیالات اور حالات دل و دماغ

پر چھائے ہوئے ہیں، ان سب کے لئے تو ایک لمبے مقالے کی ضرورت ہے، اس وقت تو صرف تعزیت پیش کرنا مقصود ہے کہ وہ حضرت مولاناؒ کے جس طرح خصوصی مستشار اور جناب والا کے دست راست تھے اس کی تلافی ممکن نہیں، ان کے مشورے سے دارالعلوم کے اندر اور باہر خاص طور سے سعودی عرب میں فائدہ اٹھایا جاتا رہا، اب بظاہر ان کا بدل نظر نہیں آ رہا ہے، وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور جناب والا کے پورے گھرانے کی محبت سے ہمیشہ سرشار رہے، دارالعلوم کی نیک نامی اور شہرت کے لئے ہمیشہ کوشاں تھے، بہر حال اس حادثہ کا جناب والا اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اراکین و متوسلین پر جو اثر ہوگا اس کا پورا پورا اندازہ ہے، اس ناچیز کو ان سے شرف تلمذ بھی حاصل رہا ہے، اس لئے طبیعت پر بے حد اثر ہے، وہ متعدد مرتبہ ہماری دعوت پر جامعہ اسلامیہ اعظم گڑھ تشریف لائے اور کئی کئی روز قیام کیا اور ان سے طلبہ اور مدرسین نے فائدہ اٹھایا۔

بہر حال زندگی کا ایک وقت مقرر ہے، آگے پیچھے ہم سب کو جانا ہے، آج ان کی کل ہماری باری ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے مرحوم کے لئے یہ بڑی سعادت عطا فرمائی تھی کہ ان کا قیام مکہ المکرمہ میں رہا، اور حرم شریف میں ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی، اور وہاں کی سرزمین میں تدفین عمل میں آئی، کتنے لوگوں نے وہاں دعائیں کی ہوں گی اور ساری دنیا میں لوگ دعائیں کر رہے ہوں گے، یہ سب ان کے لئے بشارتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کے اعزہ و اقارب اور تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مولانا مرحوم کی علمی و دینی خدمات کو قبول فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

محترم مولانا واضح صاحب اور مہتمم صاحب کو سلام مسنون اور ان کی خدمت میں تعزیت ے

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

فقط والسلام

طالب دعا: تقی الدین ندوی

حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ کے سانحہ ارتحال پر تعزیت نامہ

مولانا سید احمد خضر شاہ..... حفظہ الباری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اچانک فون کے ذریعہ آپ کے والد محترم حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری کے سانحہ ارتحال کا علم ہوا، اس ناگہانی خبر سے دل و دماغ پر غیر معمولی اثر ہے، ان کی ذات گرامی نہ صرف ایک خاندان اور ایک ادارہ کا سرمایہ تھی بلکہ پوری ملت اسلامیہ کی گراں قدر سرمایہ تھی اور اس ناچیز کے ساتھ ان کے دیرینہ تعلقات تھے، وہ بہت شفقت و محبت کا معاملہ فرماتے تھے، کسی طرح سے دل و دماغ اس حادثے کو آسانی سے قبول کرنے کو تیار نہیں ہو رہا ہے کہ وہ اس عالم فانی سے عالم جاوداں کی طرف ہزاروں شاگردوں، علماء و مجتہدین کو چھوڑ کر رخت سفر اختیار فرما چکے ہیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

وہ اپنے والد امام محدث علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے علوم کے حامل اور ان کے خصائص و صفات سے متصف تھے اور ان کی زندہ یادگار تھے، علامہ کشمیریؒ کا فیض نہ صرف ہندوستان میں بلکہ پورے عالم میں رواں دواں ہے، آپ کے والد محترم جب

ان کی تحقیقات و علوم کو بیان فرماتے تو ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، بہر حال ان کی ذات گرامی پر تاثرات بیان کرنے کے لیے پورے مقالے کی ضرورت ہے۔

میری آخری ملاقات دارالعلوم دیوبند میں دو سال پیشتر ہوئی تھی، انہوں نے بے حد محبت کا معاملہ فرمایا، معہد الانور کی زیارت کرائی اور وہاں کی مسجد میں طلبہ و اساتذہ کے درمیان تقریر بھی کرائی۔

انتقال سے پیشتر وہ شارقہ تشریف لائے، ٹیلیفون سے رابطہ رہا، اچانک علالت کی وجہ سے واپسی ہو گئی، علالت کی خبریں سنتے رہے لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ اتنی جلد یہ حادثہ پیش آ جائے گا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے فیوض و برکات کو ہمیشہ جاری رکھے اور ان کی مغفرت فرمائے، ان قبر کو انوار و برکات سے منور فرمائے۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

یہاں پر جامعہ اسلامیہ میں اس حادثہ پر تعزیتی جلسہ کیا گیا اور ایصال ثواب کرایا جارہا ہے، یہ ناچیز آپ کی خدمت میں، اور پورے خاندان سے سلام مسنون کے بعد تعزیت پیش کرتا ہے، اس وقت دماغ ساتھ نہیں دے رہا ہے کہ تفصیلی خط لکھوں، آخر میں میری دعا ہے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مکرر آپ کے پورے خاندان ، دارالعلوم کے علماء و فضلاء بالخصوص
حضرت مولانا محمد سالم قاسمی مدظلہ کو سلام مسنون!

فقط والسلام

دعاگو: مخلص تقی الدین ندوی

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ - ۲۸ اپریل ۲۰۰۸ء

حضرت مولانا سید نظام الدین کے انتقال پر تعزیتی خط

مکرمی و محترمی مولانا انیس الرحمن صاحب قاسمی دامت برکاتہم

ناظم امارت شرعیہ بہار واڑیسہ و جھارکھنڈ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج بتاریخ ۱۸ اکتوبر بذریعہ ٹیلی فون یہ ناخوشگوار اطلاع ملی کہ کل حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے خاص تلامذہ میں سے تھے، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے جنرل سکریٹری اور امارت شرعیہ بہار واڑیسہ و جھارکھنڈ کے امیر شریعت تھے ان کی وفات کا سانحہ پیش آگیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کی پوری زندگی درس و تدریس اور امت مسلمہ ہندیہ کی رہنمائی میں صرف ہوئی، ان کا دارالعلوم ندوۃ العلماء اور حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ سے بہت گہرا تعلق تھا، حضرت مولانا ان کے فیصلے اور رائے پر اعتماد فرماتے تھے، یہی حال حضرت مولاناؒ

کے خلیفہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا تھا، اس ناگہانی واقعہ کو سن کر قلب پر بہت اثر ہوا ہے، اس وقت ہندوستانی مسلمانوں کو خاص طور سے بہار واڑیسیہ و جھارکھنڈ کے دینی و ملی اداروں کو ان کی رہنمائی کی شدید ضرورت تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے سامنے انسان بے بس ہے، وہی اپنے فضل و کرم سے ان کا نعم البدل پیدا فرمائے گا، اور بہار کے اس مشہور و معروف ادارہ امارت شرعیہ کی قیادت و رہنمائی کے لیے کسی کو توفیق عطا فرمائے گا۔

اس ناچیز سے بار بار ندوۃ العلماء کی مجلس شوریٰ کے موقع پر اور دوسری مناسبات کے موقع پر ملاقاتیں ہوتی رہیں، لیکن گذشتہ سال ندوۃ العلماء کی مجلس شوریٰ کے موقع پر اس ناچیز نے اپنی کتاب ”داستان میری“ دو جلدیں پیش کیں، انہوں نے صبح تک کتاب کا اکثر حصہ دیکھ کر فرمایا کہ آپ نے مکاتیب کو اس طرح مرتب کیا ہے کہ کتاب سب کے لیے نافع بن گئی ہے، پھر اپنے اور حضرت شیخ سے تعلق کا ذکر فرماتے رہے، پھر حضرت مولانا کی خدمت میں ”لمعات التفتیح شرح مشکاة المصابیح“ کا ہدیہ پیش کیا، جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیف ہے اور پہلی بار اس ناچیز کی تحقیق و تعلیق سے دس جلدوں میں طبع ہو کر منظر عام پر آئی ہے، اس گراں قدر علمی ہدیہ کو پا کر دیر تک دعائیں دیتے رہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت مولانا کی مغفرت فرمائے، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اس تحریر کے ذریعہ ان کے پسماندگان اور امارت شرعیہ کے

متعلقین کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہوں، جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ میں بھی دعا اور ختم قرآن کے لیے تاکید کی ہے جس کا یہ ناچیز سرپرست ہے۔

ع آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

شریک غم

تقی الدین ندوی

سرپرست جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ، شیخ ابوالحسن ندوی سینٹر

ومستشار دیوان سموالشیخ سلطان بن زاید آل نہیان ابوظہبی

۱۸ اکتوبر ۲۰۱۵ء

نامہ تعزیت بروفات

حضرت مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ

جناب حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب دامت برکاتہم (مہتمم دارالعلوم دیوبند)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج بتاریخ ۳۰ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ مطابق ۳۰ دسمبر ۲۰۱۶ء بروز جمعہ بعد نماز مغرب اچانک یہ خبر دی گئی کہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اس دار فانی سے دار آخرت کی طرف روانہ ہو گئے انا اللہ وانا راجعون۔

حضرت مولانا کی ذات گرامی کے رخصت ہونے سے بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا، خاص طور سے دارالعلوم دیوبند جہاں وہ ۳۴ سال سے حدیث شریف و دیگر کتابوں کو پڑھا رہے تھے، اور وہاں کے اساتذہ و طلبہ میں بیحد مقبول تھے، ان کے لیے یہ بڑا حادثہ ہے۔ حضرت مولانا جگدیش پور ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے، اور ہمارے ضلع کے علماء و مدارس میں ان کو بڑی ہی مقبولیت حاصل تھی، اپنے گاؤں میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے اپنے قریب کے مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں تعلیم حاصل کی، اور دارالعلوم منوہوتے ہوئے وہ دارالعلوم دیوبند پہنچے، یہاں حضرت شیخ

الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی سے خصوصاً اور دیگر علماء سے دورہ حدیث شریف وفنون کی کتابیں پڑھیں۔

فراغت کے بعد ان کی تدریس کا آغاز بنارس سے ہوا جہاں انہوں نے سولہ سال گزارے، اس کے بعد دارالعلوم منو میں چودہ سال تک شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے، اس کے بعد ان کو دارالعلوم دیوبند آنے کی دعوت دی گئی، جہاں انہوں نے ۳۴ سال گزارے، اور بخاری شریف اور دیگر کتابوں کا درس دیتے ہوئے اس عالم فانی سے رخصت ہو گئے، ایسے مبارک وقت میں بیمار پڑے جو قبولیت دعا کا وقت یعنی جمعہ کے دن بعد عصر اور بعد مغرب حادثہ ارتحال پیش آیا۔

اس ناچیز سے غیر معمولی محبت و شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، دارالعلوم دیوبند حاضری پر اہتمام سے اپنے درس بخاری کو روک کر اس ناچیز سے تقریریں کرائیں، اعظم گڑھ کے طلبہ کی انجمن میں جس کے وہ صدر تھے، اس میں بھی پروگرام رکھواتے، اور دیگر اساتذہ کے ساتھ خود بھی اس میں شریک ہوتے، جس کا مفصل تذکرہ میری خود نوشت سوانح ”داستان میری“ میں آگیا ہے۔

اس وقت ان کے سانحہ ارتحال کو سن کر دل و دماغ بہت متاثر ہے، آج ان کی کل ہماری باری ہے، ان کی زندگی پر پورے مقالے کی ضرورت ہے، یہ چند کلمات بطور تعزیت تحریر کر رہا ہوں، انہوں نے چونسٹھ سالہ تدریس کی وجہ سے اپنے پیچھے شاگردوں کی بڑی جماعت چھوڑی ہے جو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں، اور جیسا کہ

میں نے عرض کیا کہ وہ طلبہ میں بے حد مقبول اور ہر دل عزیز تھے، اپنے مشائخ و اکابر کے مسلک فکر پر گامزن تھے، سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں بھی برابر حاضری دیتے، رمضان شریف میں اعتکاف بھی کیا کرتے تھے، صاحبزادہ حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب سے بے حد محبت فرماتے تھے۔

بہر حال یہ ناچیز ان کے خاندان، ان کے لڑکوں اور دامادوں اور دارالعلوم دیوبند کے استاذ و منتظمین کی خدمت میں سلام مسنون کے بعد تعزیت پیش کرتا ہے، ان کے لیے خود بھی اور جامعہ اسلامیہ مظفرپور میں بھی ایصال ثواب کا اہتمام کیا جا رہا ہے جس کی تفصیل اخبارات سے معلوم ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
غمزدہ و شریک غم:

۱۔ درتقی الدین ندوی (العین، متحدہ عرب امارات)

سرپرست جامعہ اسلامیہ مظفرپور اعظم گڑھ، شیخ ابوالحسن ندوی سینٹر
و مستشار دیوان سموالشیخ سلطان بن زاید آل نہیان ابوظہبی (۳۰ دسمبر ۲۰۱۶ء)

حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی کے سانحہ ارتحال پر

تعزیت نامہ

عزیز گرامی قدر مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل ۲۸ رمضان المبارک کو مدینہ منورہ سے ابو ظہبی واپسی ہوئی، اور مولانا محمد شاہد صاحب اور مولانا محمد عاقل صاحب سے ملاقات رہی، اس ناچیز کا سالہا سال سے معمول ہے کہ رمضان المبارک میں حرمین شریفین کا سفر ہوتا ہے، اس سال تو رابطہ عالم اسلامی کی کانفرنس میں چند روز شرکت کا موقع رہا جس میں مجھے مدعو کیا گیا تھا۔ ۲۸ رمضان المبارک کو اچانک یہ روح فرسا خبر موصول ہوئی کہ حضرت اقدس عالم ربانی، یادگار سلف حضرت مولانا مفتی افتخار الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دار فانی سے دار آخرت کے لیے رخصت ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بلاشبہ ان کے وصال سے خیر و برکت کی جامع شخصیت اس عالم سے اٹھ گئی جن کا وجود اور دعائیں نہ صرف آپ کے خاندان کے لیے بلکہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے اور مدارس کے لیے خصوصاً مدرسہ مظاہر علوم اور مرکز تبلیغ کے لیے کیمیا اثر تھی اس پر

جس قدر بھی رنج و تاسف ہو اس میں کچھ تعجب نہیں، پھر وہ آپ کے والد بزرگوار تھے آپ کو اور آپ کے بھائیوں اور خاندان کو بالخصوص مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ کو جس قدر رنج ہوگا اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر رحمت کے پھول برسائے اور ان کے انوار و برکات سے پورے خاندان اور آپ کے بھائیوں اور اعزہ کو منور فرمائے۔ آمین

اس ناچیز کا حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ سے ۱۹۵۱ء سے لیکر اخیر زندگی تک تعلق رہا، بار بار کی زیارات میں آپ کے والد صاحب کی بھی زیارت کا شرف حاصل ہوتا رہا، سہارن پور، بہٹ ہاؤس میں ان کے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہ کے قیام کے زمانے میں بھی بار بار ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہا، ان کی بہت سی روحانی و علمی باتیں اور دعائیں جو اس ناچیز کے لیے تھیں اس کا بھی اس دل پر گہرا نقش ہے، اس پر تو مستقل مقالہ کی ضرورت ہے، اس وقت تو مقصد سلام مسنون کے بعد آپ کی اور آپ کے بھائیوں اور حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب اور آپ کے اعزہ و اقارب کی خدمت میں تعزیت پیش کرنا ہے، اسی طرح ہمارے لڑکے خاص طور پر ڈاکٹر ولی الدین ندوی اور پوتے ڈاکٹر فرید الدین ندوی اور مولانا عبید اللہ قاسمی بھی سلام اور تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو انوار سے بھر دے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے، اور آپ کو ان کے منہج اور

روحانی سلسلے کا جانشین بنائے اسی پر اکتفا کر رہا ہوں۔

ع آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
گلدستہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

فقط والسلام

بندہ عاجز و محزون

ا۔ د۔ تقی الدین ندوی

۲۹ رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ

العین ابو ظہبی

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شیخ التفسیر و استاذ حدیث مولانا برہان الدین سنبھلی کا سانحہ ارتحال

بھی آج ۱۷ جنوری ۲۰۲۰ء کو مغرب سے پہلے فون کے ذریعہ جناب محترم مولانا برہان الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال کی ندوۃ سے مجھے خبر دی گئی، ان کی وفات کی خبر سن کر دل و دماغ پر بیجا اثر ہوا، اس ناچیز سے بھی حضرت مولانا کا دارالعلوم ندوۃ العلماء آمد سے اخیر تک تعلق قائم و دائم رہا، انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ و دیگر علماء کبار کے شاگردوں میں ایک امتیازی شان رکھتے تھے، ان کو تفسیر، حدیث اور فقہ ان سارے علوم میں پوری دستگاہ حاصل تھی، ندوۃ العلماء کے ممتاز ترین اساتذہ میں ان کا شمار تھا، ان کے درس سے طلباء فیض یاب ہوتے رہے، پھر اخیر میں علالت کے زمانے میں بھی مسلم شریف کے درس کا سلسلہ جاری رہا، نیز ان کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مولانا ابوبکر حسنی مرحوم کے مشورہ پر حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ لائے تھے، اس لیے حضرت مولانا سے بھی بہت گہرا تعلق رہا، اور یہ تعلق انہوں نے حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ سے بھی باقی رہا، حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ کو ان پر بہت اعتماد تھا اور خاص تعلق تھا، وہ مسائل علمی و فقہی

میں ایک مرجع کی حیثیت رکھتے تھے، نیز وہ ہمارے استاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ سے فیض یاب ہوئے تھے، ان کو صاحبزادہ گرامی حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اجازت و خلافت بھی تھی۔

انہوں نے اپنے بعد شاگردوں کی بہت بڑی جماعت چھوڑی ہے، یہ ناچیز مولانا محترم کے سانحہ ارتحال پر اپنی طرف سے اور اپنے صاحبزادگان خاص طور پر ڈاکٹر ولی الدین ندوی اور پوتے فرید الدین ندوی کی طرف سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ اور ان کے صاحبزادہ گرامی مولانا نعمان صاحب اور پوری خاندان کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہے۔

فقط والسلام

ا۔ د۔ تقی الدین ندوی

معمد تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مقیم ابوظہبی

۱۷ جنوری ۲۰۲۰ء ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ

مولانا معاذ اشرف صاحب رشادی کے انتقال پر تعزیتی خط

محترم المقام جناب مولانا صغیر احمد صاحب
امیر شریعت کرناٹک و اراکین مدرسہ سبیل الرشاد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بنگلور کے مدرسہ سبیل الرشاد کے مہتمم و شیخ الحدیث جناب مولانا معاذ اشرف صاحب رشادی جو اپنے والد مرحوم حضرت مولانا مفتی اشرف صاحب کے جانشین اور الولد سرّ لائبہ کے مصداق تھے، وہ اپنے والد مرحوم جو امیر شریعت بنگلور بھی تھے، چند سال پیش ان کے سانحہ ارتحال کے بعد وہاں کی شوری نے ان کو اس منصب پر فائز کیا تھا جو اپنی ذمہ داریوں کو اپنے اعزہ و اقارب اور اعمام کے تعاون سے بہت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے رہے تھے، ان کا تعلیمی ادارہ مدرسہ سبیل الرشاد ترقی کی راہ پر گامزن تھا اور وہ اپنے والد صاحب کے دوسرے کاموں کو بھی بخوبی انجام دے رہے تھے، اس طرح اس ادارہ کا فیض کرناٹک اور جنوبی ہند میں اسی آب و تاب کے ساتھ پہنچ رہا تھا

جس کا اس کے بانی نور اللہ مرقدہ نے خواب دیکھا تھا۔

در اصل یہ ادارہ جنوبی ہند میں ان کے جد گرامی جن کو حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ کے بعض خلفاء سے خصوصی نسبت حاصل تھی، جن کی زیارت کا شرف اس ناچیز کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کی مجلس میں سہارن پور حاصل ہوا تھا، وہ بڑے پروقا اور پرکشش شخصیت کے مالک تھے، ان کے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی اشرف صاحب بھی اس ناچیز سے محبت رکھتے تھے اور اس ناچیز کا بھی ان کے ادارے سے خصوصی تعلق تھا، بار بار وہاں حاضری ہوئی اور بیان بھی ہوا، دارالعلوم ندوۃ العلماء جس کی مجلس شوری کے وہ رکن تھے اس میں بھی اچھی طرح ملاقات ہوتی رہتی تھی، خاص طور پر بنگلور کے سفر میں بار بار ملاقات ہوتی رہی اور ان کے امارات کے سفر میں اور حرمین شریفین کے سفر میں جو مولانا رفاعی صاحب کے ساتھ انہوں نے کیا تھا ان میں بھی ملاقاتیں رہیں، اور وہ خود اعظم گڑھ جامعہ اسلامیہ مظفر پور جس کا یہ ناچیز بانی و سرپرست ہے تشریف لائے اور وہاں کے کتب خانہ سے بہت سی کتابوں کا انتخاب فرما کر اپنے یہاں کتب خانہ میں جمع کرنے کی کوشش فرمائی اور اس ناچیز کے لیے خاص دعائیں کرتے رہے۔ افسوس کہ ان کے صاحبزادے ابھی ابھی کسی نے خبر سنائی کہ وہ اس دار فانی سے دار آخرت کی طرف رحلت فرما گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

اس ناگہانی حادثہ کا دل و دماغ پر خاص اثر ہوا، اللہ تبارک و تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کے اعزہ واقارب اور اراکین

مدرسہ کو صبر جمیل کی توفیق نصیب فرمائے، اور ان کے دادا صاحب کے باغ کو جن کو ان کے والد صاحب نے اعلیٰ درجہ پر پہنچایا جس کی مرحوم مولانا معاذ اشرف صاحب سرپرستی کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ اس جامعہ کو ایسے مخلص افراد کی سرپرستی نصیب فرمائے جو اس کے خصوصی اہداف کے ساتھ تعلیم و تربیت کے میدان میں اور دیگر دینی اسلامی خدمات کے معاملہ میں اسی راہ پر چلانے اور اس کو ترقی دینے کی توفیق عطا فرمائے جو اس کے بانی نے اس کے لیے مقرر کی تھیں وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

اس وقت اس سے زیادہ کچھ لکھنے کا موقع نہیں، مکرر عرض ہے کہ اس حادثہ کا ذہن و دماغ پر اثر ہوا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ان کے اعزہ و اقارب کو صبر جمیل کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

یہ ناچیز وہاں سے بہت دور ابوظہبی میں بیٹھ کر یہ سطرین تحریر کر رہا ہے، اور ان کے غم میں پوری طرح شریک ہے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

فقط والسلام

شریک غم و حزین

ا۔ دتقی الدین ندوی مظاہری

معمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مؤسس و سرپرست جامعہ اسلامیہ اعظم گڑھ

۲۷/ اگست ۲۰۱۹ء

۴۲۴

تذکرہ رفتگاں

محدث جلیل

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی

مختصر تعارفی خاکہ

عالم اسلام کے مشہور و معروف عالم دین محدث جلیل حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی اعظم گڑھ یوپی (انڈیا) کے ایک گاؤں مظفر پور میں ۱۹۳۴ء میں پیدا ہوئے، مدرسۃ الاصلاح اعظم گڑھ، مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی اور جامعہ ازہر قاہرہ سے حدیث شریف کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے سرفراز ہوئے۔

محدث جلیل حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی کا شمار ہندوستان کے ممتاز ترین حدیث کے طالب علموں میں ہوتا ہے، انہوں نے حدیث شریف کا علم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور علامہ ہند حضرت مولانا شاہ حلیم عطاء سلوئی جیسے ماہرین فن اور اساطین علم سے حاصل کیا، نوجوانی کے ایام میں ہی انہوں نے اپنے اساتذہ و مشائخ کا اعتبار و اعتماد حاصل کر لیا تھا اور ان کے منظور نظر ہو گئے تھے، اسی

فیضانِ نظر کا نتیجہ تھا کہ وہ جلد ہی درس و تدریس اور تعلیم و تربیت کے میدان کے شہسوار بن کر ابھرے اور نہ صرف ہندوستان کے بڑے مدارس بلکہ جامعۃ الامارات العربیہ المتحدہ کے فائق ترین اساتذہ میں ان کا شمار ہونے لگا۔

ان کے قلم سے علم حدیث کی نہایت اہم کتابوں کی تحقیق و تعلیق وجود میں آئی، یہ ساری کتابیں علم و تحقیق کی دنیا میں نہ صرف قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں بلکہ اہل علم و دانش کے درمیان ان سب کتابوں کو استناد و مرجعیت کا درجہ حاصل ہے۔

تعارفی خاکہ

نام: ڈاکٹر تقی الدین ندوی بن بدر الدین بن محمد حسن
تاریخ ولادت: ۲۴ دسمبر ۱۹۳۴ء
جائے ولادت: مظفر پور، اعظم گڑھ، یوپی
تعلیم: جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، پی ایچ ڈی جامعہ ازہر مصر ۱۹۷۶ء۔
موضوع اختصاص: علم حدیث شریف
ڈاکٹریٹ کے مقالہ کا موضوع: تحقیق و تعلیق ”الزہد الکبیر للامام البیہقی“
تدریسی خدمات اور عہدے: شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، شیخ الحدیث فلاح دارین گجرات، قاضی و مستشار علمی محکمہ شرعیہ ابو ظبی، از ۱۹۷۵ء تا ۱۹۸۲ء، استاذ و پروفیسر حدیث (العین یونیورسٹی) از ۱۹۸۳ء تا ۱۹۹۵ء، مستشار مشل صدر متحدہ عرب امارات ۱۹۹۵ء۔

معتبر تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بانی و سرپرست جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ، یوپی (انڈیا)
بانی و سرپرست مرکز الشیخ اُبی الحسن الندوی، مظفر پور، اعظم گڑھ، یوپی (انڈیا)

علمی و تحقیقی خدمات:

- ۱- ”الإمام البخاري إمام الحفاظ والمحدثين“، تیسرا ایڈیشن، دارالقلم دمشق۔
- ۲- ”الإمام أبو داود والحافظ الفقيه المحدث“، تیسرا ایڈیشن، دارالبشار، بیروت۔
- ۳- ”الإمام مالك و مكانة كتابه الموطأ“، تیسرا ایڈیشن، ابوظہبی۔
- ۴- ”أعلام المحدثين بالهند“، مطبوعہ مدینہ منورہ ۱۹۸۱ء۔
- ۵- ”السنة مع المستشرقين و المستغربين“، مطبوعہ مدینہ منورہ ۱۹۸۵ء۔
- ۶- ”علم رجال الحديث“، مطبوعہ مدینہ منورہ ۱۹۸۸ء پانچواں ایڈیشن بیروت ۲۰۲۰ء۔
- ۷- تحقیق و تعلق ”الزهد الكبير للإمام البيهقي“، چوتھا ایڈیشن دارالفتح، اردن۔
- ۸- ”قبسات من القرآن والسنة“، مطبوعہ کویت ۱۹۸۹ء۔
- ۹- تحقیق و تعلق ”التعليق الممجد“، علامہ عبدالحی لکھنوی، مطبوعہ دارالقلم دمشق۔
- ۱۰- تحقیق و تعلق ”ظفر الأمانی في شرح مختصر الجرجاني“، علامہ عبدالحی لکھنوی، مطبوعہ موسسۃ الریان بیروت۔
- ۱۱- تحقیق و تعلق ”أوجز المسالك“، علامہ محمد زکریا کاندھلویؒ ۱۸ جلدیں مطبوعہ دارالقلم، بیروت ۲۰۰۳ء۔
- ۱۲- تحقیق و تعلق ”بذل المجهود في حل أبي داود“، علامہ محدث شیخ خلیل احمد

- سہارنپوری ۱۴/جلدیں، مطبوعہ دارالبشار، بیروت ۲۰۰۶ء۔
- ۱۳- ”أعلام المحدثين ومآثرهم العلمية“، مطبوعہ بیروت ۲۰۰۶ء۔
- ۱۴- تحقیق وتعلیق ”الجامع الصحيح للإمام البخاري مع حاشية السہارنفوري“ ۱۵/جلدیں، مطبوعہ دارالقلم، دمشق ۲۰۱۱ء۔
- ۱۵- تحقیق وتعلیق ”الجامع الصحيح للإمام البخاري مع حاشية السہارنفوري“ ۶/جلدیں، مطبوعہ دارالقلم، دمشق ۲۰۱۵ء۔
- ۱۶- تحقیق وتعلیق ”المواهب اللطيفة شرح مسند أبي حنيفة“، شیخ محمد محمد عابد سندی، ۷/جلدیں، مطبوعہ دار النوادر، بیروت۔
- ۱۷- تحقیق وتعلیق ”إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء“، تالیف: حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، عربی ترجمہ: مولانا سید جاوید احمد ندوی، مولانا فیروز اختر ندوی، ۵/جلدیں، مطبوعہ دارالقلم، بیروت ۲۰۱۳ء۔
- ۱۸- تحقیق وتعلیق ”لمعات التنقيح شرح مشكاة المصابيح“، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ۱۰/جلدیں، مطبوعہ دار النوادر، بیروت۔
- ۱۹- تحقیق وتعلیق ”أسماء رجال مشكاة المصابيح“، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ۱/جلد، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت۔
- ۲۰- تحقیق وتعلیق ”الجامع الكبير (سنن الترمذي) مع الكوكب الدرّي“ ۸/جلدیں، مطبوعہ دارالفتح، اردن ۲۰۱۷ء۔
- ۲۱- تحقیق وتعلیق ”الشمائل النبويه للترمذي مع حاشية الشيخ المحدث أحمد زكريا الكاندهلوي“، مطبوعہ دارالفتح، اردن ۲۰۱۷ء۔

۲۲- ”محمد رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین“ ۳ جلدیں، زیر طبع۔

زیر نگرانی شائع ہونے والی کتابیں:

- ۱- ”الأبواب والتراجم“ تالیف: حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی، تحقیق و تعلیق: مولانا ڈاکٹر ولی الدین ندوی، ۵ جلدیں، مطبوعہ دار البشار، بیروت ۲۰۱۲ء۔
- ۲- ”الشیخ محمد یوسف الکاندھلوی حیاته و منهجه في الدعوة“ تصنیف: مولانا محمد ثانی ندوی، عربی ترجمہ: مولانا محمد جعفر مسعود ندوی، مطبوعہ دار البشار، بیروت ۲۰۰۴ء۔
- ۳- ”الإمام المحدث الشیخ محمد زکریا و مآثره العلمیة“ تالیف: مولانا سید ابوالحسن ندوی، عربی ترجمہ: مولانا سید محمد جعفر مسعود ندوی، مطبوعہ دار القلم، بیروت ۱۴۳۳ھ۔
- ۵- ”الیانع الجنی بأسانید الشیخ عبد الغنی“ تالیف: شیخ محمد حسن بن یحییٰ تڑہتی، تحقیق: مولانا ڈاکٹر ولی الدین ندوی، مطبوعہ دار الفتح، اردن ۲۰۱۵ء۔
- ۶- ”رسائل الأركان في الفقه“ تالیف: علامہ عبدالعلیٰ فرنگی محلی، تحقیق: مولانا ظفر احمد قاسمی، زیر طبع۔
- ۷- ”الحل المفہم لمشکلات صحیح مسلم“ حاشیہ امام گنگوہی و شیخ محمد زکریا کاندھلوی، ۲ جلدیں، زیر طبع۔

مقدمہ کے ساتھ شائع ہونے والی بعض کتابیں:

- ۱- ”تقریر بخاری“ ترتیب: مولانا محمد شاہد مظاہری
- ۲- ”حقوق الوالدین“ تالیف: مولانا عاشق الہی برنی
- ۳- ”زاد المتقین فی الصلاة والسلام علی سید المرسلین“

- ۴- ”حقیقت شکر“ تالیف: مولانا عبدالرحیم متالا
- ۵- ”اطاعت رسول“ تالیف: مولانا یوسف متالا
- ۶- ”الکنز المتواری علی صحیح البخاری“ تالیف: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا اندھلوی۔
- ۷- ”منہج العلامتین شبلی نعمانی و سلیمان الندوی فی کتابہما سیرۃ النبی و تفنیدہما لدعاوی المستشرقین“ تالیف: ڈاکٹر فرید الدین ندوی۔
- ۸- ”المحدث الأستاذ الدكتور تقي الدين الندوي وجهوده في خدمة الحديث النبوي الشريف“ تالیف: ڈاکٹر فرید الدین ندوی۔

اہم عربی مقالات:

- ۱- ”تراث الحديث الشريف في الهند“ مجلہ الجامعۃ الاسلامیۃ، مدینہ منورہ، ۱۹۸۰ء۔
- ۲- ”الإمام الطحاوي المحدث“ مجلہ كلية الآداب، جامعة الامارات، ۱۹۹۰ء۔
- ۳- ”أسرار تراجم البخاري“ مجلہ كلية الشريعة والقانون، جامعة الامارات، ۱۹۹۲ء۔
- ۴- ”الإمام النسائي والصناعة الحديثية“ مجلہ كلية الآداب، جامعة الامارات، ۱۹۹۴ء۔
- ۵- ”المحدث العظيم آبادی و عون المعبود“ مجلہ كلية الآداب، جامعة الامارات، ۱۹۹۴ء۔

۶- ”منہج الإمام مالک في كتاب الموطأ“ امام مالک کانفرنس، ابوظہی ۱۹۸۲ء میں پیش کیا گیا مقالہ۔

۷- ”الإمام مسلم“ مجلہ منار الاسلام، وزارة الاوقاف، ابوظہی، ۱۹۷۹ء۔

۸- ”الإمام ابن ماجہ“ مجلہ منار الاسلام، وزارة الاوقاف، ابوظہی، ۱۹۷۹ء۔

۹- ”الامام الترمذی“ مجلہ منار الاسلام، وزارة الاوقاف، ابوظہی، ۱۹۸۸ء۔

۱۰- ”السيرة النبوية للعلامة شبلي و تكملته للعلامة السيد سليمان

الندوی“ سیرت وسنت کانفرنس، مدینہ منورہ، ۱۴۲۴ھ میں پیش کیا گیا۔

۱۱- ”السيرة النبوية ومصادرها الأولى“ سیرت وسنت کانفرنس، دوحہ

قطر، ۱۹۸۰ء میں پیش کیا گیا۔

نوٹ: ابوظہی سے شائع ہونے والے روزنامہ اخبار ”الاتحاد“ میں تقریباً پچاس مقالات شائع ہوئے جو حدیث شریف کے موضوع پر تھے۔

اردو کتابیں اور مقالات:

اردو کتابیں:

۱- ”محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے“ (چار ایڈیشن ہندوستان اور پاکستان

سے شائع ہوئے، اور فارسی میں بھی یہ کتاب شائع ہو چکی ہے)۔

۲- ”فن اسماء الرجال“ چار ایڈیشن۔

۳- ”صحبتہ با اولیاء“ ملفوظات حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی

تین ایڈیشن۔

- ۴- ”چاند کی تنخیر اور حدیث دجال کی شرح“ اردو، انگریزی، گجراتی۔
- ۵- ”داستان میری“ سرگذشت حیات ۲ جلدیں۔
- ۶- امام مالک اور ان کی کتاب موطا کا مقام دوا یدیشن۔
- ۷- امام بخاری حیات اور کارنامے مرکز الشیخ ابوالحسن الندوی۔
- ۸- ”خصائل نبوی شرح شامل ترمذی“ تحقیق و تعلیق و اضافات مرکز الشیخ ابوالحسن الندوی۔

- ۹- ”محمد رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین“ ۳ جلدیں زیر طبع۔
- ۱۰- ”تذکرہ رفتگاں“ زیر طبع۔
- ۱۱- ”مکتوبات اکابر“ زیر طبع۔

اردو مقالات:

- ۱- ”ہندوستان میں علم حدیث“ مجلہ الفرقان۔
- ۲- ”اسلام میں سنت کا مقام“ مجلہ الفرقان، الجمعیت۔
- ۳- ”شاہ ولی اللہ دہلوی اور علم حدیث“ مجلہ برہان، دہلی۔
- ۴- ”حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی اور علم حدیث“ مجلہ الفرقان۔
- نوٹ:** اس کے علاوہ بھی متعدد مقالات ہندوستان اور پاکستان کے مجلات میں شائع ہوئے، ریڈیو ابوظہبی اردو پروگرام کے تحت رمضان کے مہینہ میں ہر دن آپ کا کوئی نشریہ نشر کیا جاتا تھا، اور کبھی عربی میں بھی یہ پروگرام ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر آتا تھا۔

آپ نے جن کانفرنسوں اور سمیناروں میں شرکت کی:

- ۱- ”رسالۃ المسجد فی العالم“ کانفرنس رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ، ۱۹۷۵ء۔
- ۲- سیرت وسنت کانفرنس قطر، ۱۹۸۰ء۔
- ۳- امام مالک کانفرنس ابوظہبی، ۱۹۸۴ء۔
- ۴- جشن تعلیمی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، انڈیا، ۱۹۷۵ء۔
- ۵- صد سالہ اجلاس دارالعلوم دیوبند، انڈیا، ۱۹۸۱ء۔
- ۶- بین الاقوامی کانفرنس دارالمصنفین، اعظم گڑھ، انڈیا، ۱۹۸۱ء۔
- ۷- ادب اسلامی سمینار دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، انڈیا، ۱۹۸۱ء۔
- ۸- دعوت اسلامی کانفرنس دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، انڈیا، ۱۹۹۶ء۔
- ۹- سیرت وسنت کانفرنس مدینہ منورہ، ۱۴۲۴ھ۔
- ۱۰- شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی سمینار جامعہ اسلامیہ، مظفر پور، اعظم گڑھ، انڈیا، ۲۰۰۴ء۔
- ۱۱- ہندوستان اور علم حدیث سمینار جامعہ اسلامیہ، مظفر پور، اعظم گڑھ، انڈیا، ۲۰۰۴ء۔
- ۱۲- عالم اسلام مشکلات وحل کانفرنس رابطہ عالم اسلامی، ۱۴۳۲ھ۔
- ۱۳- تکفیری رجحان - اسباب وعلاج کانفرنس مدینہ منورہ، ۲۰۱۱ء۔
- ۱۴- اتحاد اسلامی کانفرنس رابطہ عالم اسلامی، ۲۰۱۴ء۔
- ۱۵- دہشت گردی مخالف کانفرنس زیر سرپرستی خادم الحرمین الشریفین، ۲۰۱۵ء۔
- ۱۶- اسلامی ملکوں میں دینی اقلیتوں کے حقوق کانفرنس مراکش، مغرب، ۲۰۱۶ء۔

- ۱۷- اسلامی معاشرہ میں اتحاد کی ضرورت کا نفرس ابوظہبی، ۲۰۱۶ء۔
 ۱۸- مسلم اقلیات پر عالمی کانفرنس ”مشکلات اور حل“، ابوظہبی، ۲۰۱۸ء۔

اہم عہدے اور مناصب:

- ۱- بانی و صدر: جامعہ اسلامیہ، مظفر پور، اعظم گڑھ
 ۲- بانی و صدر: مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی، مظفر پور، اعظم گڑھ
 ۳- صدر: مدرسہ قاسم العلوم و انٹر کالج منگراواں، اعظم گڑھ
 ۴- معتمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
 ۵- ممبر مجلس شوریٰ: مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور
 ۶- ممبر مجلس شوریٰ: دارالمصنفین اعظم گڑھ
 ۷- بعض عرب یونیورسٹیوں میں اساتذہ کی ترقی کے لئے قائم مجلس تحکیم کا ممبر۔
 ۸- پنجاب و کراچی وغیرہ یونیورسٹیوں میں ڈاکٹریٹ کے مقالات کی تحکیم کے لئے قائم مجلس کا ممبر۔
 ۹- ممبر مجلس شوریٰ: دارالعلوم تاج المساجد بھوپال، انڈیا۔

ایوارڈ:

- ۱- علوم اسلامیہ کی خدمات کے اعتراف میں صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ ۲۰۰۸ء۔
 ۲- علوم حدیث کی عظیم خدمات کے اعتراف میں شاہ ولی اللہ دہلوی ایوارڈ ۲۰۱۰ء۔
 ۳- مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی ایوارڈ ۲۰۱۱ء۔
 ۴- علامہ عبدالحی لکھنوی ایوارڈ ۲۰۱۱ء۔